عالمی یہودی تنظیمیں

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

کتاب ــــــــ عالمی یہودی تنظیمیں

مصنف ــــــــ مفتی ابولبابہ شاہ منصور

طبع نہم ــــــــ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ / دسمبر ۲۰۱۶ء

تعداد ــــــــ 1100

باہتمام ــــــــ محمد انظر شاہ

ناشر ــــــــ السعید

طابع ــــــــ السعید پرنٹرز اردو بازار کراچی

ملنے کے پتے

مکتبہ دارالبشائر اردو بازار کراچی	0321-2659744 021-34929744
دارالاشاعت اردو بازار کراچی	021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	0300-4501769
ادارہ اشاعت الخیر بوہڑ گیٹ ملتان	0322-6748121
اسلامی کتاب گھر فیصل آباد	0321-7693142
قرآن محل راولپنڈی	0321-5123698
ممتاز کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور	0314-9696344
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ	081-2662263
برکی کتب خانہ ڈیرہ اسماعیل خان	0346-7851984
مکتبہ اصلاح و تبلیغ حیدر آباد	022-2621622

طلسم خانۂ یہودیت

عنوان | صفحہ

تمہیدی باتیں، تاکیدی گزارشات..........(دیباچۂ طبع اوّل)..........9
اشتراک اور تضاد..........(دیباچۂ طبع سوم)..........14
آ گاہی کی خواہش..........(دیباچۂ طبع چہارم)..........23
دو مسلم دُشمن قومیں..........27
۞...... یہود و ہنود کی مسلمانوں سے دشمنی کے اسباب..........28
۞...... یہود و ہنود کے درمیان قدرِ مشترک..........30
عالمی یہودی تنظیمیں..........33
1- براہ راست یہودی تنظیمیں..........34
2- بالواسطہ یہودی تنظیمیں..........34
3- مسلمانوں میں مصروف کار یہودی تنظیمیں..........34
4- امریکا میں سرگرم یہودی تنظیمیں..........36
فری میسنری کا مطلب کیا ہے؟..........44
فری میسنری کا موجودہ ایجنڈا..........54
۞...... تکلف برطرف!..........54
۞...... آمدم برسر مطلب!..........54
۞...... دنیا ہمارے بارے میں کیا سوچتی ہے؟..........56
فری میسن: تعارف و طریق کار..........63

فری میسن کے اغراض و مقاصد..66
فری میسن خفیہ یہودی دستاویزات کی روشنی میں........................69
فری میسن کا نظام..72
...... اہرام کی چوٹی پر اکلوتی آنکھ..................................72
...... فری میسن کا تنظیمی ڈھانچہ.....................................73
...... فری میسن کی ذیلی تنظیموں کا نظامِ حلف برداری.............76
...... حلف کی خلاف ورزی پر سزا......................................82
فری میسن کے نشانات...88
فری میسن کی نیم علانیہ علامات..89
1- آنکھ..89
2- $..90
3- G...95
4- ڈبل اسکوائر...97
فری میسن کے خفیہ اشارات..98
1- خصوصی مصافحہ..98
2- مخصوص جملے..99
3- مخصوص اشیاء...99
4- جادوئی علامات...100
فری میسن کے پیغامات..102
فری میسن سے منسلک چند مشہور شخصیات..............................111
فری میسن سے منسلک چند مشہور تحریکیں................................120
1- قادیانی...120

2- بہائی..125
3- اسماعیلی..127
فری میسن کے جدید ترین ہرکارے............................133
ذکر کچھ جدت پسندوں کا..................................137
فری میسنری سے متعلق چند مشہور ادارے....................143
فری میسن کی مشہور ذیلی تنظیمیں..........................156
امریکا کے فری میسن صدر................................165
فری میسن کے مذہبی ایجنٹ................................173
فری میسن کے سات مخصوص ہتھکنڈے........................177
(1) بااثر حلقوں میں رسوخ حاصل کرنا........................177
(2) مذہبی طبقات میں رسوخ حاصل کرنا......................178
(3) معاشرے کے اہم طبقات کو ایک دوسرے سے دور کرنا..........178
(4) عوام میں افراتفری پھیلانا................................178
(5) مذہبی رہنماؤں میں پھوٹ ڈلوانا..........................179
(6) مخالفین کو شہید کرنا (Target Killing)..................179
(7) مخالف جماعتوں میں اپنے ایجنٹ داخل کرنا..................180
فری میسن کے سات خطرناک ترین حربے......................181
(1)...... دینی، سیاسی اور عسکری قیادت کو بے اعتبار یا ختم کر دینا... 181
(2)...... احساس محرومی، شورش و انتشار اور غیروں سے امیدیں... 182
(3)...... بے مقصد تنازعات، لایعنی مباحث اور فرضی مسائل...... 184
(4)..... قیادت کے اہل افراد کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ.......... 187
(5)..... اپنا کام نکالنے کے لیے مخلص افراد کو آپس میں لڑوانا..... 188

(6)......مذہبی واخلاقی پستی پھیلانا اور کھیل تماشوں کو فروغ دینا.. 189
(7).....مذہب کے مسلّمہ امور کو مشکوک بنانا........................ 190
فری میسن کی کامیابی کا راز.. 192
۞...... عقل پرستی کی تباہ کاریاں.. 193
تین کامیاب گُر: سیکورائزیشن، ڈیموکریٹائزیشن، کمرشلائزیشن.. 193
۞...... لادینیت کا فتنہ.. 193
جمہوریت: خالص یہودی ایجاد.. 197
انسان جانور کیوں بن گیا ہے؟.. 208
خلافتِ عثمانیہ کے سقوط میں فری میسن کا کردار........................ 210
سینٹ پیٹر کا بینکار.. 227
۞...... عیسائی صہیونیت.. 227
۞...... صہیونی عیسائیت.. 227
۞...... ایک شخص تین چہرے.. 228
کوبرا کی سرخ آنکھ.. 230
۞...... 600 میل دور.. 230
۞...... زیرِ زمین ندی.. 230
۞...... پہاڑ کو واپسی.. 231
۞...... پی ٹو کا سربراہ.. 232
۞...... آنکھ کے پیچھے.. 233
۞...... شیطان کے پجاری.. 234
سربستہ رازوں کی تلاش.. 235
۞...... فری میسن کے شکار.. 239

دھندلے شیشے کے پار.......... 241
1 فری میسن لاجوں کا ڈرامہ.......... 249
...... شہادت کا دعوت نامہ.......... 249
...... فدائی کارروائی سے پہلے.......... 250
...... چھ گھنٹے کی جنگ.......... 250
...... تیغوں کے سائے میں پرورش.......... 252
...... فری میسن لاجوں کا ڈرامہ.......... 252
...... فرعون سے شیرون تک.......... 253
سرخ ٹمپلرز کون تھے؟.......... 255
...... شائیلاک اور ٹمپلرز.......... 255
...... حکمرانوں پر حکمران.......... 257
...... آٹھ پاؤں والا شکنجہ.......... 258
...... حیوانی ضد کا علاج.......... 259
...... شاہ دولے کے چوہے.......... 260
...... عظیم ترین دھوکہ.......... 261
...... ہوس کا پیالہ.......... 261
انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) کے کارنامے.......... 263
...... انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) کیا ہے؟.......... 264
...... انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) کیسے کام کرتا ہے؟.......... 264
...... انٹرنیشنل کرائسز گروپ میں کون لوگ ہیں؟.......... 265
...... انٹرنیشنل کرائسز گروپ کہاں کہاں اپنے جال بچھائے ہوئے ہے؟. 265
پاکستان فری میسن کا ہدف کیوں؟.......... 270

کنعان سے کنٹکی کٹ تک 274
نادیدہ آنکھ کیا گھورتی ہے؟ 282
پتھر پر لکھی حقیقت 287
یہودی سازشوں کا توڑ کیسے؟ 293
...... کچھ کام پھر بھی کر جا 297
...... نرالی ادائیں 304
...... آفرین! اے مجاہدۂ فلسطین 306
...... اَچپل طریقہ 308
چند یہودی اصطلاحات 310

نظمیں

کیسے راس ہے؟ 325
نذرانہ لہو کا 326
اے ارضِ فلسطین! 327
ارضِ مقدس پہ بار 329
مؤمن ہے تو پھر مسجدِ اقصیٰ کی خبر لے 331
یہودیت کے موضوع پر چند مفید کتب 333
تصاویر ....

چوتھی اشاعت کا مقدمہ

تمہیدی باتیں، تاکیدی گذارشات

زیرِ نظر کتاب اپنی اشاعت کے فوراً بعد تیزی سے مقبول ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کے ابتدائی ایڈیشن نکل گئے۔ اس دوران کئی خطوط موصول ہوئے جن میں دیے گئے مشوروں کی روشنی میں:

1- کتاب کی زبان آسان کرنے کے لیے پوری کتاب پر نظر ثانی کی گئی اور ثقیل، بوجھل یا نامانوس الفاظ کی جگہ آسان اور عام فہم الفاظ رکھے گئے۔ علمی اصطلاحات کے متبادل عوامی استعمالات ڈھونڈ کر درج کیے گئے۔

2- کتاب میں متعدد اضافات کیے گئے۔ بعض اہم چیزوں کی طرف پہلے صرف اشارہ دیا گیا تھا۔ زیرِ نظر ایڈیشن میں ان کی مکمل تفصیل کی گئی ہے جس کی بنا پر کتاب کے حجم میں قابلِ ذکر اضافہ ہوا ہے۔ آخر میں ''چند یہودی اصطلاحات'' کے نام سے ان تمام الفاظ کی شرح کی گئی ہے جو ''یہودیت'' کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس اضافے کی وجہ سے کتاب بہت ضخیم ہوگئی تھی۔ لہٰذا کچھ مضامین...... جن کا ''فری میسنری'' سے زیادہ ''دجالی ریاست'' سے تعلق تھا، ان کو نکال کر نئی آنے والی کتاب ''عالمی دجالی ریاست'' میں شامل کردیا گیا ہے۔

3- کتاب کی مقصدیت کو ان انکشافات پر فوقیت دی گئی ہے جو اپنی سنسنی خیزی کے باعث قاری کو مرعوب کردیتے ہیں یا اپنے آپ میں الجھا لیتے ہیں۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد قارئین سے تین اہم گذارشات کرنی ہیں۔

(1)......قومِ یہود کے ساتھ ہماری جنگ روزِ اوّل سے جاری ہے اور روزِ آخر سے کچھ پہلے تک جاری رہے گی۔ امن وسکون کے ساتھ زندگی گذارنا یہود کی فطرت کے منافی

ہے۔ انہوں نے اپنی قوم، زبان اور نسل سے آنے والے انبیائے کرام علیہم السلام کو سکون کا سانس نہیں لینے دیا۔ نافرمانی کی، ستایا، مذاق اُڑایا، قتل تک گذرے۔ پیکر عفت و عصمت بی بی مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو پھانسی دینے کی کوشش کی۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بار بار معاہدے کیے اور ہر مرتبہ ان کو توڑ کر عہد شکنی اور غداری کے مرتکب ہوئے۔ اسلامی عہد خلافت میں انہیں مسلمانوں کے برابر بلکہ بعض اوقات ان سے بھی زیادہ حقوق حاصل تھے مگر انہوں نے دیمک کی طرح اسلامی سلطنتوں کی جڑوں میں گھس کر انہیں کمزور کیا۔ اندلس کی اسلامی سلطنت کے خلاف سازشیں ہوں یا فرانسیسی انقلاب...... خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کا المیہ ہو یا ارضِ حرمین میں غیر مسلم افواج کا پڑاؤ...... عراق کے ایٹمی پلانٹ کی تباہی ہو یا پاکستان ہر جگہ انہوں نے اپنی فطرت بد کا مظاہرہ کرتے ہوئے شورشیں برپا کیں۔ لہٰذا پوری انسانیت کو بالخصوص اہلِ اسلام کو ان کے طریق کار سے آگاہ رہنا اور ان کی طرف سے چوکنا و بیدار رہنا ضروری ہے۔ یہ کتاب اس دعوت الی الخیر اور تحفظ من الشر کی حقیر کوشش ہے۔

(2)...... یہودیوں کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ دنیا انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی گذارنے دے۔ نہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ فلسطین میں انہیں ان کی آبادی کے مطابق ایک خطہ (مثلاً دریائے اردن کا مغربی کنارہ جسے وہ ''یہوداہ'' اور ''سامرہ'' نامی دو علاقے قرار دیتے ہیں) مل جائے...... نہیں! ہرگز نہیں! ان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے ہر غیر یہودی کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں...... وہ صرف فلسطین میں نہیں، پوری دنیا میں ''عالمی یہودی ریاست'' قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ گلوبل ویلیج کا پریذیڈنٹ کائنات کا گرینڈ آرکیٹیکٹ ''دجال اکبر'' ہو۔ یہ دیوانے کی بڑک یا گھڑنتو افسانہ نہیں، عالمی سطح کے جرائد کی اطلاعات ہیں۔ درج ذیل رپورٹ کے آخری جملوں پر غور کیجیے۔ یہ نیویارک ٹائمز کی 11 جون 1990ء کی اشاعت میں شائع ہونے والی اس تقریر کا اقتباس ہے جو صہیونی قیادت کے اہم اجلاس کے دوران کی گئی۔ صہیونیت کے عالمی رہنما ربائی اسٹیفن وائز نے صہیونی قیادت کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''وہ دن کبھی نہیں آئے گا کہ میں لمحے بھر کے لیے بھی صہیونی مفادات کے حوالے سے غفلت کا مظاہرہ کروں۔ میں عظیم تر صہیونی مفادات کی تکمیل کی کوشش جاری رکھوں گا کیونکہ صہیونیت کی بالادستی کی مہم میں اب تک کوئی 60 لاکھ یہودی جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ ان کی نظر میں زندگی کی کوئی اہمیت نہیں اور ان کا مشن دنیاوی مفادات سے کہیں بڑھ کر ہے...... وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنی سالہا سال پر محیط تشنگی کو مٹانے کے لیے بے تاب اور دنیا کے حقوق، عدل وانصاف اور انسانیت کے رہبر ورہنما بننے کے خواہاں ہیں۔''

یہاں یقیناً آپ کے ذہن میں یہ سوال اُبھر رہا ہوگا کہ آخر یہ ربائی اسٹیفن وائز ہے کون؟ یہ دراصل کئی صہیونی تنظیموں کا رُکن اور بانی تھا اور امریکا میں عالمی صہیونی کانگریس کی بنیاد بھی اسی نے رکھی تھی۔

اس کتاب...... اور اس جیسی دیگر کتابوں...... کی اشاعت اس لیے ضروری ہے کہ یہودیت کے انسانیت کش عزائم دنیا کے سامنے لائے جائیں۔ قارئین کو انسانیت کے اس مشترکہ دُشمن سے تحفظ کے نیک مقصد کی خاطر اس مواد کو فی سبیل اللہ آگے بڑھانا چاہیے۔

(3)...... یہودی اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے جھوٹ کا سہارا لینے سے دریغ نہیں کرتے، بلکہ اس شیطانی عادت کو شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں...... لہٰذا ہمیں سچ کو ہر حال میں، ہر قیمت پر، کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولتے رہنا چاہیے۔ اس کتاب میں وہ سچائیاں ہیں جنہیں یہود نے پروپیگنڈے کی شیطانی دھند تلے چھپا رکھا ہے۔ انہیں آشکارا کرنا پورے عالمِ اسلام اور پوری بنی نوع انسان کی خدمت ہے۔ مثلاً: آپ دیکھیے کہ اسرائیل کے قیام کا جواز پیدا کرنے کے لیے یہود نے ''ہولوکاسٹ'' نامی عظیم ترین جھوٹ گھڑا۔ ''ہولوکاسٹ'' یونانی اصطلاح ''ہولوکاسٹن'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: دیوتا کے قدموں میں بھینٹ چڑھانا۔ کہا جاتا ہے کہ جرمنی میں ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کے بعد اور دوسری جنگ عظیم کے دوران یعنی 1933ء سے 1945ء کے درمیانی عرصے میں 60 لاکھ یہودی، نازیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے۔

یہودیوں کی بڑے پیمانے پر نسل کشی اور ان کی گیس چیمبرز میں ہلاکتوں کے حوالے سے کیے جانے والے اس پروپیگنڈے کا مقصد عالمی برادری کو فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے رام کرنا تھا۔ چنانچہ بعدازاں دنیا کے طاقتور ممالک نے جن میں سوویت یونین، فرانس، برطانیہ اور امریکا شامل تھے، یہ اعلان کیا کہ: ''مظلوم یہودی جنہوں نے جنگ عظیم کے دوران زبردست ظلم وستم کا سامنا کیا، انہیں فلسطین میں آزاد ریاست کے قیام کا حق حاصل ہے۔''

حقائق کی رُو سے دیکھا جائے تو 60 لاکھ افراد کے قتل عام کے حوالے سے کیے جانے والے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھل جاتی ہے...... مثلاً: آپ ورلڈ المانک (World Almanac) کو لے لیجیے۔ دوسری جنگِ عظیم سے قبل 1938ء میں طبع ہونے والے ورلڈ المانک کے صفحہ 510 پر دنیا بھر میں یہودیوں کی مجموعی آبادی ایک کروڑ 57 لاکھ 48 ہزار 91 بتائی گئی ہے جبکہ 1947ء میں دوسری جنگ عظیم کے بعد شائع ہونے والے ورلڈ المانک کے صفحہ 487 پر دنیا میں یہودیوں کی مجموعی آبادی ایک کروڑ 56 لاکھ 69 ہزار ظاہر کی گئی ہے...... یعنی...... یہ فرق صرف 58 ہزار 91 کا ہے...... 60 لاکھ کا نہیں!!! دنیا کو حق ہے کہ قوم یہود سے سوال کرے: ''بقیہ 59 لاکھ 41 ہزار 909 یہودی کہاں ہیں؟''

(2) اگر ہولوکاسٹ کا واویلا درست ہے تو پھر انتہا پسند یہودیوں کو ان سوالات کے جواب دنیا کو دینے میں کیا عار ہے کہ...... ربائی اسٹیفن وائز نے جنگ عظیم دوم سے 39 سال قبل ہی 1900ء میں 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام کا معاملہ کیوں اُٹھایا تھا؟ اور اسے جواز بناتے ہوئے صہیونی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا کیوں تھا؟

(3) اگر ہولوکاسٹ کی کوئی حقیقت ہے تو پھر اس حوالے سے گفت وشنید اور رائے زنی کو یہودیوں نے ممنوع کیوں قرار دیا ہوا ہے؟ اہلِ علم کے سامنے سیکڑوں ہزاروں سال قبل پیش آنے والے قدیم تاریخی واقعات بھی ہمیشہ زیر بحث آتے ہیں اور تحقیق کا سلسلہ جاری وساری رہتا ہے، تو محض 60 برس قبل پیش آنے والے واقعے کی تحقیق کیوں نہیں کی جاتی؟

(4) اس وقت اسرائیل اور دس کے قریب یورپی ممالک میں عوامی سطح پر

ہولوکاسٹ کو نہ ماننا یا اُسے جائز قرار دینا جرم ہے اور اس ''حرکت'' پر قید تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔ان یورپی ممالک میں جرمنی، آسٹریا، فرانس، رومانیہ، بلجیم، سوئٹزرلینڈ، جمہوری چیک، پولینڈ، لیتھوانیا اور سلوا کیہ شامل ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک برطانوی مؤرخ واشنگٹن اروِنگ کو آسٹروی قانون کے تحت 3 سال سزا سنائی گئی۔ یہ آسٹریا کا خاص معروف قانون ہے اور 2004ء کے دوران 724 افراد پر اس کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ اگر ہولوکاسٹ کا افسانہ حقیقت ہے تو اس کے ثبوت پیش کرنے سے اسرائیل کا موقف مضبوط ہوگا۔ اسرائیلی حکومت اس سے گریز کیوں کرتی ہے؟

یہ کتاب اس طرح کے جھوٹے پروپیگنڈے اور شیطانی سزاؤں کے خلاف قلمی جہاد ہے۔اور ہر مسلمان کو اپنی زبان، قلم اور تلوار سے اس وقت تک جہاد کرتے رہنا چاہیے جب تک حق غالب اور باطل مغلوب نہ ہو جائے۔ قارئین بھی اس جہاد میں حصہ لیتے ہوئے یہ کر سکتے ہیں کہ کتاب پڑھنے کے بعد کہیں رکھنے کے بجائے کسی دوسرے کو پڑھنے کے لیے دے دیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اخلاصِ کامل کے ساتھ غلبۂ حق کی جدوجہد اور باطل کے خاتمے کے لیے جہاد کی توفیق عنایت فرمائے۔ ہماری نیتوں کو صاف اور اعمال کو شریعت وسنت کے تابع بنا دے۔ ہمارے سیئات سے درگذر فرما کر حسنات کو قبول فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین.

شاہ منصور

غرۂ ذی الحجہ: 29ھ

تیسری اشاعت کا مقدمہ

اشتراک اور تضاد

عام طور پر کتاب کا مقدمہ کسی انشائی تحریر پر مشتمل ہوتا ہے...... لیکن زیر نظر تحریر تیسری اشاعت کا مقدمہ ہونے کا باوجود مقدمہ نویسی کے روایتی طرز کے بالکل برخلاف دو خطوط کا جواب ہے۔ پہلی اور دوسری اشاعت اس تیزی سے نکلی کہ اضافات اور مقدمے کا موقع ہی نہ ملا...... لہٰذا ان لوازمات کو تیسری طباعت تک مؤخر کر دیا گیا اور اب زیر نظر اشاعت متعدد اضافات اور تصحیحات کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ اس دوران بندہ کو متعدد تبصرے اور خطوط ملتے رہے۔ دو خطوط ایسے تھے کہ ان کے جواب میں وہ کچھ کہہ دیا گیا جو نئی طباعت کے مقدمے میں کہنے کا ارادہ تھا...... یہ مقدمہ انہی دو خطوط کے جوابات پر مشتمل ہے۔

ان دونوں میں قدر مشترک تو یہ ہے کہ یہ دونوں کے تحریر کنندہ کا تعلق خواتین کے طبقے سے ہے...... لیکن ان کا نکتۂ افتراق یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں۔ ان میں ایسا دلچسپ تضاد ہے جس کو پڑھ کر قارئین ضرور محظوظ ہوں گے۔ پہلا خط فیصل آباد سے ہے۔ اس میں ہمارے ان کرم فرما مکتوب نگار نے سلام دُعا کے بغیر چھوٹتے ہی جو چڑھائی کی ہے تو آخری سانس تک بگولے برسائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی اور اپنے دین کی سچی محبت اور ہدایت کی معرفت نصیب فرمائے۔ محترمہ رقم طراز ہیں:

''جناب مفتی صاحب! یہ آپ نے کیا یہود یہود کی رٹ لگا رکھی ہے؟ ہر وقت قارئین کو ان سے ڈراتے رہتے ہیں۔ آپ کو کوئی اور موضوع نہیں بھاتا کہ اسی ایک ڈفلی کو بجاتے ہیں۔ خدارا! مسلمانوں پر رحم کیجیے اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہونے دیجیے۔ ہمارے ملک میں نہ تو کوئی یہودی ہے نہ ہم فلسطین کے پڑوس میں رہتے ہیں کہ آپ ہر وقت اسی

موضوع کو لیے کوٹتے ہیں۔ علمائے کرام کی یہ بات لوگوں کو پسند نہیں ہے کہ وہ ایک چیز کے پیچھے جب پڑ جاتے ہیں تو بس پڑ جاتے ہیں۔ خدارا! اپنی تحریروں میں اعتدال پیدا کیجیے۔ علماء کی بے اعتدالی کے سبب لوگ ان سے متنفر ہو جاتے ہیں۔''

والسلام......اُم عمارہ، فیصل آباد

قارئین محترم! خط ہے کہ فل آٹومیٹک گن کا برسٹ فائر۔ اس کا فیصلہ تو آپ ہی کریں گے۔ بندہ نے خوب مزے لے لے کر اسے پڑھا اور بار بار پڑھا۔ سچ پوچھیے تو طبیعت صاف ہوگئی...... ہر مرتبہ ہر جملے کا نیا لطف آیا...... البتہ چونکہ ایک جملہ بھی حقیقت سے قریب معلوم نہ ہوا، اس لیے چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔

''میری محترم بہن! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو، ہم سب کو حق کی معرفت اور بصیرت کا نور عطا فرمائے۔ بات کچھ یوں ہے کہ یہود کی مکاریوں سے بچنے اور ان کی ٹیڑھی فطرت سے آگاہ ہو کر ان کے راستے پہ چلنے کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والے راستے کو اپنانے کی تلقین اور بار بار اس کی تاکید خود قرآن شریف میں جابجا آئی ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس سے لگالیجیے کہ قرآن شریف میں بنی اسرائیل کا جابجا ذکر ہے۔ یہود کا لفظ قرآن شریف میں 9 مرتبہ، نصاریٰ کا 14 مرتبہ اور بنی اسرائیل کا لفظ 40 مرتبہ آیا ہے۔ یہ کل 63 مرتبہ ہوگیا۔ جبکہ ان دونوں قوموں کے مقدس پیغمبروں میں سے صرف دو مشہور پیغمبروں کو لے لیں تو جناب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا نام گرامی 136 مرتبہ اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم مبارک 36 مرتبہ آیا ہے (اسم مبارک 25 مرتبہ اور لقب یعنی المسیح 11 مرتبہ)۔ جب خود خالقِ کائنات، علام الغیوب اور قادر مطلق نے ہمیں ان اقوام کی فطرت، عادتیں، حق سے انحراف، تاریخی جدلیت، مسلم دشمنی اور بالآخر ایک عظیم ترین ہولناک جنگ میں ان سے ٹکراؤ کی اطلاع دی ہے اور اس کی تیاری کی تاکید کی ہے تو پھر دین کا کوئی داعی کس طرح ان سے صرفِ نظر کر سکتا ہے؟ جہاں تک یہ بات ہے کہ ان مضامین سے بزدلی پیدا ہوتی ہے اور خود اعتمادی پروان نہیں چڑھتی تو جب تک یہ کتاب نہیں چھپی تھی، بندہ اس طرح کا

اعتراض کرنے والوں سے کہتا تھا: ''آپ شاید مضمون کا آخری پیراگراف نہیں پڑھتے؟'' آخری پیراگراف پڑھنے والا کبھی ایسی بات نہیں کہے گا۔ اب جبکہ یہ کتاب چھپ چکی ہے تو بندہ عرض کرتا ہے کہ آپ نے شاید اس کتاب کے سرورق پر لکھے تین ذیلی الفاظ نہیں پڑھے: ''تعارف، دفاعی تدابیر، جوابی اقدام'' بتایئے کہ پوری کتاب کا خلاصہ ان تین الفاظ میں سمٹ جانے کے بعد کیا کہا جاسکتا ہے کہ خود اعتمادی کے بغیر اپنا دفاع یا جوابی اقدام ہوسکتا ہے؟ بندہ نے کتاب کا نام جان بوجھ کر ''عالمی یہودی سازشیں'' کے بجائے ''عالمی یہودی تنظیمیں'' رکھا ہے۔ کیا میری محترم بہن ان دونوں ناموں میں فرق پر غور کریں گی؟

یہ بات بہت عجیب ہے کہ ''ہمارے ملک میں نہ یہودی ہیں نہ ہم فلسطین کے پڑوس میں رہتے ہیں۔'' ہمارے ملک میں یہودیوں کے جتنے ''برادرز'' اور ''ماسٹرز'' ہیں اتنے تو امریکا میں خود یہودی نہیں ہوں گے۔ اگر شبہ ہو تو روزنامہ ''جنگ'' مورخہ 15/اگست 2008ء کے صفحہ اول کی یہ تین کالمی تازہ ترین خبر پڑھ لیجیے جو مایہ ناز تجزیہ نگار حامد میر کے حوالے سے ہے: ''اسرائیلی صدر شمعون پیرز اپنے دوست پرویز مشرف کی، جو اپنی سیاسی زندگی کے مشکل ترین دور سے گزر رہے ہیں، مدد کرنے کی سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ دفتر خارجہ میں قابل بھروسہ ذرائع نے بتایا ہے کہ شمعون پیرز مختلف سفارتی چینلز کے ذریعے پاکستان کی اتحادی حکومت پر بالواسطہ دباؤ ڈلوا رہے ہیں کہ پرویز مشرف کا مواخذہ نہ کیا جائے۔ شمعون پیرز پرویز مشرف کی محفوظ رخصتی کے خواہش مند ہیں اور وہ اپنے دوست کو بیرون پاکستان تحفظ فراہم کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ ان ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ شمعون پیرز اور پرویز مشرف گزشتہ تین سال سے ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو متعدد خطوط تحریر کیے اور متعدد مرتبہ ٹیلی فون پر حال احوال پوچھتے رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اسرائیلی صدر پیرز نے پرویز مشرف کو پہلا سرکاری خط اکتوبر 2007ء میں تحریر کیا تھا اور دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے ان کی کوششوں کی تعریف کی تھی۔ پرویز مشرف نے بھی سرکاری طور پر خط تحریر کرکے اس کا جواب

دیا تھا اور اسرائیلی صدر کی حمایت اور ان کی نیک خواہشات پر شکریہ ادا کیا تھا۔ ان خطوط کا تبادلہ ترکی کے سفارتی چینل کے ذریعے کیا گیا تھا۔ پرویز مشرف کے ایک قریبی دوست ان دنوں امریکا میں اپنے باس کے لیے یہودی لابی میں لابنگ کرنے میں مصروف ہیں۔ پرویز مشرف کا یہ دوست حال ہی میں ورلڈ جیوش کانگریس کے کئی رہنماؤں سے ملاقات کر چکا ہے۔ یہ پرویز مشرف کا وہ دوست ہے جس کی خدمات کے عوض پرویز مشرف نے مکمل کر تعریف کی تھی اور اس کی وجہ سے ہی پرویز مشرف نیویارک میں یہودی لابی سے خطاب کرنے کے قابل ہو سکے تھے۔ وہ خصوصی دوست اس حقیقت کے باوجود کہ امریکی شہری ہے اور پاکستان میں کسی بھی جگہ سے منتخب نہیں ہے اب بھی پاکستان میں وزیر کے عہدے کا مزہ اٹھا رہا ہے۔ پیرز وہ پہلا اسرائیلی رہنما تھا جس نے اکتوبر 2001ء میں کھلے عام یہ کہا تھا کہ وہ ہر صبح کو پرویز مشرف کی زندگی کے لیے دعا کرتا ہے کیونکہ پرویز مشرف نے پاکستان کی افغان پالیسی تبدیل کی۔ اس کے بعد مشرف کا اسرائیلی وزیراعظم ایرل شیرون سے رابطہ ہو گیا تھا۔ پرویز مشرف نے اس سال جنوری میں پیرس میں اسرائیلی وزیر دفاع ایہود بارک سے بھی ملاقات کی تھی۔ سفارتی ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ پرویز مشرف اسرائیل میں سب سے مقبول پاکستانی رہنما ہیں۔ وہ پہلے پاکستانی رہنما تھے جنہیں 2005ء میں امریکا میں ورلڈ جیوش کانگریس سے خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ پرویز مشرف نے 2007ء کے اوائل میں دفتر خارجہ کو حکم دیا تھا کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لیے منصوبہ تیار کیا جائے لیکن مارچ 2007ء میں سیاسی گڑبڑ شروع ہو جانے کے نتیجے میں منصوبہ عملی شکل اختیار نہیں کر سکا تھا۔"

اسرائیل روزِ اول سے پاکستان کو اپنا دشمن اور پاکستان کے سب سے پہلے دشمنوں کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے مقدمے میں بن گوریان کی تقریر کا اقتباس دیکھ لیجیے جبکہ ہم اس کے پڑوس میں نہیں ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر ہیں..... تو ہم کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلسطین ہمارے پڑوس میں نہیں۔ پڑوس میں نہیں تو نہ سہی، مسجد اقصیٰ ہمارے دل

میں تو ہے۔ اس کو کون ہمارے دل میں ڈوبی خون آلود تمناؤں سے جدا کر سکتا ہے؟ اور کسے معلوم کہ وہ وقت قریب تو نہیں جب خراسان سے نمودار ہونے والا سیاہ جھنڈوں کا لشکر جوابی یلغار کرتا ہوا ارضِ مقدس تک جا پہنچے گا اور یہود کے ساتھ عالمی خونریز معرکہ میں کامیاب ہو کر بیت المقدس کو واگزار کرا کے عالمی خلافت کی بنیاد رکھے گا...... لیکن اس سے پہلے جو قیامت خیز فتنے برپا ہوں گے ان سے ہم اپنا ایمان کیسے سلامت رکھیں گے؟

امریکا سے آنے والے کئی دوستوں نے بتایا کہ وہاں مختلف جگہوں پر ''Jesus is coming'' (حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں) لکھا ہوتا ہے یا اسٹیکر چپکے ہوتے ہیں۔ خود بندہ نے کراچی میں ایک عیسائی شخص کی گاڑی پر لکھا دیکھا: ''آسمان کی بادشاہی قریب ہے۔'' تعجب ہے کہ مادیت پرست تو عیش و عشرت میں مگن ہونے کے باوجود ایسی باتوں پر یقین رکھتے اور اس کی تشہیر کرتے ہیں، لیکن ہمارے توحید پرست حضرات اس سے اس قدر غافل کیوں ہیں کہ حضرت مہدی کے نام پر مضمون کا سنتے ہی کہتے ہیں وہ حالات ابھی بہت دور ہیں۔ ابھی تو ہمارے پاس موج میلے کا خاصا وقت ہے۔ آخر ہماری قوم اپنے پڑوس میں برپا ہونے والے طاغوتی طوفان جس میں 36 عالمی طاقتیں (36 کا لفظ مبالغہ کے طور پر نہیں، حقیقت کے طور پر ہے کہ افغانستان میں نبرد آزما افواج کے مجموعے ''ایساف'' میں 36 ممالک بتائے جاتے ہیں۔ 26 ناٹو کے اور 10 نان ناٹو ممالک، اب مزید پاٹنر ملا کر نہتے طالبان سے لڑنے والے ممالک کی تعداد 43 ہو گئی ہے جبکہ سوئٹزر لینڈ اور جنوبی کوریا کے سورما جان بچا کے لاکھوں لٹا کے شام ہونے سے پہلے گھر کو چلے گئے ہیں) پھر اس طوفان کا رخ پھیرنے والی فدائی یلغار سے جو الاقصیٰ کے قریب واقع آخری عالمی جنگ کے میدان (ہرمجدون: آرمیگاڈون) تک لے جائے گی کیونکر لاتعلق رہ سکتی ہے؟ اس گلوبل ویلج میں تو ہر شخص ایک دوسرے کا پڑوسی ہے۔ اب وہ فلسطین کے مظلوموں کو دور سمجھے یا قریب؟ یہود یا ان کے گماشتوں کے خونخوار جبڑے اس کو اپنی گردن کے قریب دکھائی دیں یا دور؟ آگ اس کی دہلیز تک پہنچے، ٹخنوں کو پکڑے یا گلے تک

آجائے......وہ اس عالمی اور فیصلہ کن معرکے کی قیامت خیز ہولناکیوں سے کسی صورت بچ نہیں سکتا۔ مشہور محدث نعیم بن حماد نے اپنی علاماتِ قیامت کے حوالے سے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''کتاب الفتن'' میں روایت نقل کی ہے:"عِلَامَةُ خُرُوجِ الْمَهْدِيِّ أَلْوِيَةٌ تُقْبِلُ مِنَ الْمَغْرِبِ، عَلَيْهَا رَجُلٌ أَعْرَجُ مِنْ كِنْدَةَ." (کتاب الفتن: ص230)

''حضرت مہدی کے ظہور کی علامت وہ جھنڈے ہیں جو مغرب کی طرف سے آئیں گے اور ان کا سردار کندہ کا ایک لنگڑا شخص ہوگا۔''

اگر آپ نیٹ پر جا کر افغانستان میں برسرِ پیکار ناٹو کے 26 اور اس کے ہمنوا 17 ممالک کے یکجا لہراتے جھنڈوں کی تصویر دیکھیں اور ''کندہ'' کو کینیڈا کے مفہوم میں پڑھیں تو (واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال) آپ کو عصر حاضر کی دھندلی تصویر کچھ واضح ہوتی نظر آئے گی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اب تو ایساف کا کمانڈر امریکن جنرل ہے۔ کچھ عرصے پہلے کینیڈین جنرل تھا جس کی ٹانگ کا لنگڑے پن ہل ہل کر مسلمانوں سے کچھ کہتا نظر آتا تھا۔

تو پھر کیوں نہ ہم میں سے ہر شخص اپنے حصے کا کام کرے۔ راہِ اعتدال یہی تو ہے کہ جس کو ان فتنوں کی خبر ہے وہ دوسروں کو ان سے بچنے کی تلقین کرے اور بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ گناہوں سے توبہ اور نیکیوں پر استقامت۔ سب سے بڑا گناہ لاچار مسلمانوں کی حالتِ زار سے لاتعلقی اور سب سے بڑی نیکی علم اور جہاد کے ذریعے اُمت مسلمہ کی خدمت وحفاظت ہے۔ جو شخص کتاب وسنت میں بیان کردہ فتنوں کا علم نہیں رکھتا یا عصر حاضر پر ان کی تطبیق نہیں کرسکتا، وہ ان فتنوں کی دہائی دینے والے کی دعوت (جو شریعت کے دائرے میں ہو) مان لے اور جان، مال، علم کے ذریعے جہاد کے لیے تیار ہوجائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر تیاری کا موقع بھی نہ ملے اور ساٹھ باسٹھ جشن آزادی منا کر تھکی ہوئی قوم کو (خدانخواستہ) غلامی کا دور دوبارہ اپنے اندھیروں میں جکڑ لے''۔

☆☆☆

اب دوسرا خط ملاحظہ فرمائیے

محترم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

کافی عرصے سے ضربِ مومن میں آپ کے کالم پڑھ رہی ہوں۔ اب جو آپ کی کتب شائع ہوئی ہیں ان میں سے دو پوری پڑھ بھی لی ہیں۔ خط اس لیے لکھا ہے کہ آپ کو ایک مشورہ دینا ہے۔ درخواست بھی کرنی ہے۔ آپ کی کتاب "عالمی یہودی تنظیمیں" ایک ایسی کتاب ہے جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو کرنا چاہیے تاکہ اپنے دشمن کو پہچان سکے۔ دل تو یہ چاہتا ہے کہ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچاؤں، لیکن آپ کی اس بات سے اتفاق کرتی ہوں کہ مفت میں ملی چیز کی انسان اتنی قدر نہیں کرتا۔ اب آتی ہوں اس بات کی طرف جس کے لیے خط لکھا۔

مسئلہ یہ ہے کہ آپ مفتی حضرات کی اُردو بہت اچھی ہوتی ہے۔ جس پر مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ مجھ جیسے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھے ہوئے لوگوں کے لیے ایسی اُردو پڑھنا اور پھر اس کو سمجھنا کافی مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر بھی میں اپنے شوق کی وجہ سے کتاب پڑھ لوں گی لیکن آج کل کی نوجوان نسل کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو اُردو کتابیں خریدتے ہیں نہ پڑھتے ہیں۔ خود میرے خاندان کی مثال ہے۔ میرے علاوہ کسی نے یہ کتاب نہیں پڑھی۔ اس لیے نہیں کہ انہیں پسند نہیں آئی بلکہ اس لیے کہ ان کو یہ کتاب مشکل لگی ہے۔ ہے تو یہ بدقسمتی کی بات کہ اپنی مادری زبان انسان کو مشکل لگے اور غیر کی زبان آسان، لیکن ہمارے ملک میں یہی حقیقت ہے۔

اگر آپ مناسب سمجھیں اور اجازت دیں تو میں اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ مشورہ مجھے میرے شوہر صاحب نے دیا جب میں نے یہ کتاب انہیں پڑھنے کے لیے دی۔ ان کی اُردو مجھ سے بہتر ہے لیکن ان کو بھی پڑھتے ہوئے کچھ دقت محسوس ہوئی۔ میں بھی بار بار ان سے الفاظ کے معنی پوچھ رہی تھی تو انہوں نے کہا کہ یہ اتنی اہم کتاب ہے۔ اس کو انگریزی زبان میں بھی ہونا چاہیے۔ ویسے میرے مشورے کے مطابق

تو آسان اُردو میں بھی ہونا چاہیے۔

میں آپ کو یہ بھی بتلاتی چلوں کہ میں نے لاہور کالج فور ویمن (اب یونیورسٹی) سے 2001ء میں انگلش میں ماسٹر کیا ہوا ہے۔اپنی انگریزی کی میں خود کیا تعریف کروں بس اتنا بتادیتی ہوں کہ اپنی تمام اساتذہ کی پسندیدہ طالبہ تھی۔اب اسلام آباد کے ایک انگلش میڈیم اسکول میں ٹیچر ہوں۔اگر آپ چاہیں تو نمونہ کے طور پر ''عالمی یہودی تنظیمیں'' کا مقدمہ یا پھر پہلے مضمون کا ترجمہ کر کے آپ کو بھیج دوں گی تا کہ آپ کچھ اندازہ کر سکیں۔جواب ضرور دیجیے گا۔

والسلام......س-ق-اسلام آباد

آپ نے اُردو داں طبقے کا جو مسئلہ لکھا ہے، اس کا ہمیں بخوبی احساس ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اب اُردو کے بجائے اینگلو اُردو رائج ہوتی جارہی ہے۔ڈرائیور طبقہ بھی جب گاڑی یا سواری کی قیمت بڑھانا چاہے تو یوں بات کرتا ہے: ''اتنا لوڈ الاؤ نہیں ہے۔'' ''اس سے زیادہ پسنجر بٹھانا ال لیگل ہے۔'' اُردو جو عربی اور انگریزی کے بعد عالمی زبان بننے کی پوری استعداد اور اس کی صلاحیت رکھتی ہے، اپنے دیس میں اجنبی ہے۔ہم دنیا کے ان بدنصیب اور غلام ذہنیت کے مالک ممالک میں سے ہیں جن کی قومی زبان اور ہے اور سرکاری اور۔ بھارت میں اگر اُردو کو مٹا کر ہندی کو رائج کیا جارہا ہے تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ہمارے ہاں اُردو کا حلیہ بگاڑ کر انگلش کو رائج کرنا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔دراصل ٹھیٹھ اُردو بولنے سمجھنے کو مشکل ترین کر کے ہمیں علمائے کرام سے دور کیا جارہا ہے جو اُردو بولتے ہیں نیز اس دینی لٹریچر سے محروم کیا جارہا ہے جو مستند علمائے کرام کا تحریر کردہ ہے۔ جو نسل اخبار کی صحافتی اُردو نہیں پڑھ سکتی وہ علمی کتابوں کی ادبی اُردو کیسے پڑھے گی؟ جدید تعلیم یافتہ طبقے اور نئی نسل کو دین اور دین دار طبقے سے دور کرنے کی اس مہم میں این جی اوز کے علاوہ ایف ایم ریڈیوز اور مختلف ٹی وی چینلز کا بہت دخل ہے۔سب مل کر اس زبان کو جس کی دھوم سارے جہاں میں ہے، خود اپنے گھر میں نابود کرنا چاہتے ہیں۔اس کے مقابلے کی صورت ایک تو یہ ہے کہ ہم ایک تو اُردو کی ترویج

کریں اور اردو ادب کی تعلیم کو عام کریں۔ بندہ کی کتاب ''تحریر کیسے سیکھیں؟'' کا نام پہلے ''اردو تحریر کے آداب'' تھا پھر پانچویں باب کا نام آدابِ تحریر ہو گیا اور کتاب کا نام کچھ احباب کے مشورے سے بدل کر ''تحریر کیسے سیکھیں؟'' رکھ دیا گیا۔ دوسرے ہمیں چاہیے کہ علمائے کرام کو انگلش سکھانے کی کوشش کریں تاکہ جب وہ اُردو بولیں تو ٹھیٹھ اُردو بولیں اور جب کوئی ان سے اینگلو اُردو میں بات کرے تو وہ معیاری انگلش میں اس سے گفتگو شروع کر دیں۔ جامعۃ الرشید کا انگلش کورس اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے ہے اور الحمدللہ! ہمارے یہاں کے تربیت یافتہ فضلائے کرام شہر میں لینگویج انسٹی ٹیوٹ کھول کر یونیورسٹی کے گریجویٹ حضرات کو انگلش (اور عربی) پڑھا رہے ہیں۔

ضربِ مومن کے مضامین سے ہم اہتمام اور احتیاط کے ساتھ اُردو کے تحصیل اور نامانوس یا مشکل الفاظ چن چن کر نکالتے ہیں لیکن پھر بھی ہمارے قارئین کا شکوہ رہتا ہے کہ بعض الفاظ سر پر سے گزر جاتے ہیں۔ شکر ہے کہ سارا اخبار سر سے نہیں گزرتا۔ اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ اس کتاب کو اور ''خواتین کا دینی معلم'' کو بہت سے احباب زیادہ تعداد میں سستا خرید کر واجبی قیمت پر یا مفت تقسیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ان کتابوں کے اشتہار میں ایک نمبر اسی غرض کے لیے دیا گیا ہے کہ جو صاحب تقسیم کی غرض سے کتاب لینا چاہیں انہیں براہِ راست رابطے میں دقت نہ ہو۔ بہت سے احباب نے بتایا کہ لوگ کتاب کو ''اُلٹے ورقوں'' شروع کرتے ہیں یعنی پہلے کتاب کے آخر میں دی گئی نظم پڑھتے ہیں پھر آخر میں دی گئی تصویریں دیکھتے ہیں پھر دلچسپی ایسی بڑھتی ہے کہ کتاب ختم کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ آپ کی پیش کش قلبی خلوص اور دین سے لگن کی آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو روحانی ترقیات سے نوازے۔ مقدمے اور پہلے مضمون کا ترجمہ کر کے بھیج دیجیے۔ پھر ہم ان شاء اللہ آپ کو اس کتاب میں جو اضافات وغیرہ ہوئے ہیں ان کا پرنٹ بھیج دیں گے تاکہ ترجمہ نئے ایڈیشن کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاص اور دین سے تعلق میں ترقی نصیب فرمائے۔ آمین

پہلی اشاعت کا مقدمہ

آگاہی کی خواہش

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے احوال اور ان کے قصص و امثال کو مختلف پیرایوں اور متنوع اسلوب میں بار بار بیان کیا گیا ہے...... حتیٰ کہ اس ضمن میں ان کے پاک پیغمبر سیدنا حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی 136 مرتبہ آیا ہے۔ اتنی کثرت اور اہمیت سے کسی اور قوم کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں جبکہ اس مقدس کلام کا حرف حرف اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ عام لوگوں کے لیے یہ تکرار باعث تعجب ہوگا مگر علمائے قرآن اور طلبہ تفسیر کے لیے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ دراصل دو وجہ سے اس قوم کا تذکرہ بار بار کتاب اللہ میں کیا گیا ہے (ان دو کے علاوہ دیگر وجوہ بھی ہیں جو اہلِ علم پر مخفی نہیں مگر مشہور یہی دو ہیں)۔ ایک تو یہ کہ اس قوم سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قیامت تک یعنی دجال کے قتل تک سابقہ پڑتا رہے گا۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے متعلق اندیشہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے کھوٹے راستے پر چلنا نہ شروع کردیں۔ اس واسطے یہودیوں کی غلیظ روحانی بیماریوں اور باطنی امراض کا ذکر اسلوب بدل بدل کر اور دلنشین انداز میں کیا گیا ہے تا کہ ان سے بچنے اور ان میں مبتلا بدنصیب یہودیوں کا مقابلہ کرنے کی سکت پیدا ہو سکے۔

انسان جب تک اپنے دُشمنوں کو نہیں پہچانتا اس وقت تک اس کے راستے کی رکاوٹیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ وہ ترقی کی طرف ایک قدم بڑھائے گا تو دشمن کی چالیں اسے دس قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیں گی۔ قومِ یہود، امت مسلمہ کی وہ نادیدہ دُشمن ہے جو خود تو مسلمانوں کی جوابی دُشمنی سے ڈرتی ہے لیکن کسی مرحلے پر بھی دشمنانہ رویے سے باز نہیں آتی۔ کسی کے کندھوں کے پیچھے چھپ کر وار کرنے کی یہ عادت اس کی جبلّت میں اس قدر

رچ بس گئی ہے کہ فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

قومِ یہود کی امت مسلمہ سے یہ ”تاریخی جدلیت“ حضور نبی کریم جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کے روزِ اوّل سے ہے اور اس دنیا کے آخری دنوں تک چلے گی تا آن کہ یہ قوم اپنے مسیحائے موعود دجال اکبر سمیت فنا کے گھاٹ اُتر جائے گی۔ اس قوم کا سرغنہ ”دجال اعظم“ جس طرح بدی کی قوتوں کا محور ہے اسی طرح یہ قوم بدی کی قوتوں کا منبع ہے، لہٰذا فطری طور پر اس کی جنگ خیر کے داعیوں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے سعادت مند امتیوں کے خلاف ہے۔ جب تک قومِ یہود زندہ ہے مسلمان حالت جنگ میں رہیں گے اور ان پر یہ لازم رہے گا کہ معرکے میں شامل فریق مخالف سے اور اس کے عیار و مکار طریق جنگ سے خود کو آگاہ کریں۔ آگاہی کی یہ خواہش اس کتاب کی محرّک و موجد ہے۔

ملت پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کی سب سے بڑی کوتاہی، بلکہ ان کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنے سب سے بڑے اور ازلی دشمن کے عزائم، وسائل اور ہتھکنڈوں بلکہ اس کی شناخت سے ہی بے خبر ہیں!

صہیونی ریاست اسرائیل کے پہلے وزیراعظم ”ڈیوڈ بن گوریان“ نے عرب اسرائیل جنگ کے فوراً بعد پیرس میں صہیونیوں کے ایک اجلاس میں (جولندن کے ”جیوش کرانیکل“ میں 9 اگست 1967ء کو شائع ہوا) کہا:

”عالمی صہیونی تحریک (World Zionist Movement) کو پاکستان کی طرف سے لاحق خطرات سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے اور اب پاکستان اس کا پہلا ہدف ہونا چاہیے کیونکہ یہ نظریاتی مملکت ہمارے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ تمام پاکستانی تمام یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ یہ عرب سے محبت کرنے والے ہمارے لیے عربوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لیے عالمی صہیونیت پر لازم ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔ چونکہ بھارت میں ہندو آباد ہیں جن کے دل مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے ہیں، اس لیے پاکستان کے خلاف کارروائیوں کے لیے

بھارت بہترین اڈہ ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اس اڈے کو استعمال کریں اور اپنی خفیہ منصوبہ بندی کے ذریعے پاکستان پر کاری ترین ضرب لگائیں اور اسے کچل دیں۔''

اس کتاب میں وہ مضامین ہیں جو وطنِ عزیز پاکستان کی (خاکم بدہن) تباہی کے لیے کی جانے والی سازشوں اور یہود کے عالمی غلبے کے لیے برسرپیکار صہیونی تنظیموں کے تعارف اور ان کے طریق کار کے حوالے سے لکھے گئے۔ ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ''دشمن آرہا ہے'' کا واویلا مچادیا جائے بلکہ یہ اس غیرت وحمیت کی نمو کے لیے ہیں جو جذبۂ حریت کو جنم دیتی ہے اور کسے شک ہے کہ اس جذبے کے اظہار کی واحد صورت ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔ سرورق پر کتاب کے نام کے نیچے درج تین الفاظ اسی حقیقت کی طرف اشارہ اور اسی پیغام کی ترجمانی کررہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہود کی تمام تر مکاریوں اور سازشوں کا واحد حل تقویٰ وطہارت سے مزین روحوں کا وہ جہاد ہے جس کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسی صفت ساتھیوں کے ہاتھوں یادگار مظاہرہ غزوہ بنو قریظہ وخیبر میں ہوا اور جس کا نقش ثانی سچے مسیح سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تقویٰ وجہاد کے پیکر حضرت مہدی کے جانباز فدائیوں کے ہاتھوں دنیا دیکھے گی۔

قومِ یہود کی خواہش ہے کہ دنیا کا ہر شخص حرام میں ملوث ہوجائے۔ ہر مسلمان کے جسم میں حرام کا لقمہ جائے اور حرام کے ذرات اس کے قلب میں موجود ایمانی انوارات پر دھند بن کر چھاجائیں۔ اس کی آنکھ، کان، دماغ، منہ اور شرم گاہ حرام سے آلودہ ہو۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا ان کے خیال میں ''دجالِ اکبر'' کا ظہور نہیں ہوگا اور جب تک دجال کا ظہور نہیں ہوگا یہود کو ذلت سے نجات یا دنیا پر غلبہ نہیں مل سکتا۔ یہود کی تمام تر کاوش اسی مذموم مقصد کی خاطر ہے۔ پس خوش خبری ہے ان لوگوں کے لیے جو گناہوں سے بچ کر تقویٰ والی زندگی اپناتے ہوئے حق کے غلبے کے لیے خود کو پیش کریں اور سعادت مند ہیں وہ لوگ جو استقامت کے ساتھ جہاد بالنفس والمال کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ اس کتاب کا حاصل یہی پیغام ہے۔

یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ یہ باقاعدہ کتاب نہیں، اس لیے اس میں مربوط ابواب وفصول اور اس کے مضامین میں منضبط ربط پایا جانا ممکن نہیں۔ یہ تو مختلف اوقات میں

لکھے گئے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جنہیں حتیٰ الامکان ترتیب دے کر کتابی تسلسل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس موقع پر ناسپاسی ہوگی اگر ان مصنفین کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جن کی وقیع کتابوں سے استفادہ کے ذریعے ان مضامین کی تیاری ممکن ہوئی۔ خصوصاً مصباح الاسلام فاروقی، اسرار عالم، رضی الدین سید، ذکی الدین اشرفی، عبدالرشید ارشد اور ڈاکٹر سفر عبدالرحمٰن الحوالی۔ بندہ نے کتابیات میں ان حضرات کے علاوہ اس موضوع پر دوسرے لکھنے والوں کی فہرست بھی دی ہے جو کتاب کے آخر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی محنتوں کو قبول و منظور فرمائے اور سب کو دارین میں بہترین جزائے خیر دے۔ وصلی اللہ وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

شاہ منصور

ابتدائے رمضان: 28ھ

دو مسلم دُشمن قومیں

یوں تو مسلمان روزِ اول سے کفار کی دُشمنی اور سازشوں کا شکار رہے ہیں۔ عالمِ کفر انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلام کے روشن چراغ کو بجھانے کی فکر میں رہا ہے۔ یہودی ہوں یا عیسائی، مشرک ہوں یا مجوسی، دہریے ہوں یا ملحد کسی نے اللہ کے بھیجے ہوئے سچے دین کو مٹانے کی کوشش میں کسر نہیں چھوڑی۔ ہر ایک نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کو فکری، جسمانی، مالی، روحانی ہر اعتبار سے گزند پہنچانے کی اپنی سی کوشش کی ہے......لیکن اس دور میں کفار کے دو فرقے ایسے ہیں جنھوں نے اسلام دُشمنی میں اپنے پیش روؤں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور اس سلسلے میں ان کی چالوں اور سازشوں نے شیطان کے مکروفریب کو بھی مات کر دیا ہے۔ یہ دو فرقے یہود اور ہنود (ہندو) ہیں۔ خصوصاً مسلمانانِ پاکستان آج کل جس گھمبیر صورتحال سے دوچار ہیں اس کے پیچھے ان دونوں بد بخت قوموں کے خفیہ ہاتھ کی کارفرمائی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس تناظر میں اس بات کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے کہ مسلمان ان کے آپس میں اتحاد، ان کے لیے کام کرنے والی تنظیموں اور ان کے طریقِ کار کو سمجھیں۔ زیرِ نظر مضمون میں نہایت عرق ریزی سے ان کے بارے میں خفیہ ترین معلومات جمع کی گئی ہیں۔ مسلم معاشرے میں ان کے اثر و نفوذ، ان کے کام کرنے کے طریق کار، ان کے مکروفریب اور عیاری و مکاری کا پردہ چاک کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ مضمون معلومات افزا اور بصیرت افروز ثابت ہوگا۔ اس کو پڑھ کر بہت سوں کی آنکھیں کھل جائیں گی اور انہیں ہوش میں آنے اور اپنا مقصدِ زندگی متعین کرنے میں مدد ملے گی۔

یہود و ہنود کی مسلمانوں سے دشمنی کے اسباب:

اقوام عالم میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے دشمنی کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں: دائمی اور وقتی۔ دنیا میں کسی گروہ یا قوم کو اسلام یا مسلمانوں سے ممکن ہے کہ وقتی طور پر کوئی تکلیف پہنچ جائے یا شکایت ہو جائے اور یہ جذبہ دُشمنی اور انتقام کی شکل اختیار کر لے۔ ایسی دشمنی وقتی ہوا کرتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس ایک دوسری صورت حال ہے جس کا تعلق حیاتِ ارضی اور تاریخ انسانی میں قوموں کی تقدیر سے ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دشمنی کی یہ لکیر خط مستقیم میں رواں ہوتی ہے۔ ایسی عداوت کے اسباب دائمی ہوتے ہیں اور قوموں کی تاریخ کے ساتھ ہی ختم ہوتے ہیں۔ وقتی دشمنی اگر دائروں کے مانند ہے تو دائمی دشمنی خط مستقیم کی طرح ہے۔

اسلام اور مسلمانوں سے وقتی دشمنی تو کسی بھی قوم یا گروہ کو ہو سکتی ہے، لیکن ان سے دائمی دشمنی صرف دو قوموں میں پائی جاتی ہے۔ تاریخ کا یہ تجزیہ خود قرآن نے کیا ہے:

ترجمہ: ''تمام انسانوں سے زیادہ ایمان والوں کے ساتھ دُشمنی رکھنے والے آپ یہود اور ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے شرک کیا۔'' (المائدہ:82)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو قومیں دنیا میں ایسی ہیں جنہیں اہل ایمان سے سخت عداوت ہو گی۔ یہ دو قومیں یہود اور ہنود ہیں۔ مذکورہ آیت سے اہل ایمان اور یہود و ہنود کے مابین صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے نیز یہود کی روش، ان کے پیدا کردہ فتنوں اور ان سے امت مسلمہ کی آخری جنگ کی تفصیل ان احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو کتبِ احادیث میں ''ابواب الفتن'' میں مذکور ہیں۔

سورۃ المائدہ آیت 82 میں مذکورہ مشرکین کا لفظ اگرچہ عام اور خاص، محدود اور غیر محدود دونوں ہی معنی میں لیا گیا ہے...... لیکن تمام دلائل و قرائن پر غور کرنے سے یہ اصطلاح ہنود کے لیے اسی طرح خاص معلوم ہوتی ہے جس طرح یہود کے لیے اسی آیت میں مذکور لفظ الیھود، یہاں چونکہ اس کا موقع نہیں کہ دلائل و قرائن بیان کیے جائیں۔ لہٰذا ان سے

صرف نظر کرتے ہوئے صرف تین باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو موجودہ صورت حال اور مسائل کے سمجھنے میں معاون ہو سکتی ہیں:

(1) یہود و ہنود دونوں بنیادی طور پر نسلی امتیاز کے نظریے پر قائم ہیں۔

(2) دونوں کی اسلام اور مسلمانوں سے کشمکش وقتی ہونے کے بجائے دائمی نوعیت کی رہی ہے۔

(3) یہودیت اور برہمنیت صرف مزاجاً ہی یکساں نہیں بلکہ وہ سیکڑوں سال سے ایک دوسرے کے حلیف اور بدد گار رہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ان دونوں کے درمیان باہمی تعاون کا اندازہ اس وقت واضح طریقے سے ہو جاتا ہے جب اٹھارہویں صدی کی ہندوستان کی تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے۔ مشہور ہندو لیڈر مہاتما گاندھی اور مشہور شاعر سریندر ناتھ ٹھاکر (المعروف بہ ٹیگور) کے مراسم یہودیوں سے انتہا درجے کے تھے۔ ہندوؤں کی مسلمانوں پر برتری قائم کرنے کے لیے سرتاسر یہودی تنظیمیں متحرک اور فعال رہی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو حضرات یورپ کی تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یورپ کی تمام حکومتوں پر یہودیوں کا غلبہ ہو چکا تھا لیکن ان میں سلطنتِ برطانیہ کو وہ خصوصی مقام حاصل ہے جو کسی اور کو نہیں اور سلطنتِ برطانیہ نے جاتے جاتے بھی برصغیر کے مسلمانوں سے جس بغض وعداوت کا مظاہرہ کیا اور جو ناسور یہاں رِستے چھوڑ گئی وہ بھی کسی پر مخفی نہیں۔ ماضی قریب میں بھارت اور اسرائیل کے درمیان مختلف سطحوں پر جو کھلم کھلا گٹھ جوڑ دیکھنے میں آیا ہے اس سے بھی ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بخوبی واقف ہے۔ دونوں کے درمیان اقتصادی وفوجی تعاون، مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین پر قابو پانے کے لیے بھارت کا اسرائیل سے مدد لینا، حال ہی میں پاکستان کے ایٹمی مرکز پر حملہ کے لیے اسرائیلی طیاروں اور پائلٹوں کو ہوائی اڈے کی سہولت فراہم کرنا، یہ سب ایسی باتیں ہیں جو ہمارے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہیں۔

گزشتہ تین سو سال سے دونوں کے درمیان مقامی اور عالمی دونوں سطح پر اسلام اور

مسلمانوں کے خلاف اتحاد ہے بلکہ ہنود کی علمی وفکری نشأۃ ثانیہ جو ہندوستان میں برطانوی تسلط کے زمانے میں ہوئی، دراصل یہودی مستشرقین کی مرہون منت ہے۔

یہود وہنود کے درمیان قدرِ مشترک:

یہود وہنود کے درمیان اس قدرِ مشترک کو سمجھنے کے لیے ان کے تاریخی پس منظر کو دیکھنا ہوگا، دنیا میں یوں تو سیکڑوں قومیں آباد ہیں لیکن ان میں تین ایسی ہیں جن کے مزاج میں ایک مخصوص بات پائی جاتی ہے۔ ماہرینِ نسلیات کی اصطلاح میں اس مزاج کا نام انسولر (Insular) ہے۔ انسولر مزاج سے کسی قوم کی وہ خصوصیت مراد ہے جس کی بنیاد خالصتاً خون اور نسل پر ہے اور جس کا رخ اپنے اندرون کی طرف ہوتا ہے اور ہر معاملے میں وہ قوم نسلی اور خونی اعتبار سے دیگر قوموں سے خود کو ممتاز رکھتی ہے۔ غالب، ہم رتبہ اور مغلوب ہر صورت میں اور ہر حالت میں یہ عصبیت برقرار رہتی ہے۔ دنیا کی وہ تین قابل ذکر انسولر قومیں درج ذیل ہیں:

(1) یہود (2) ہنود (3) پارسی (مجوسی)

تیسری قوم یعنی مجوسی قلت تعداد کے سبب تاریخ عالم میں اب تقریباً غیر مؤثر ہے۔ اس اعتبار سے دنیا میں دو ہی قومیں باقی رہتی ہیں: (1) یہود (2) ہنود۔ یعنی برہمن، برہمن ہی دراصل بنیادی طور پر ہندو ہیں باقی دیگر قومیں خواہ وہ خود کو ہندوؤں کا حصہ ہی کیوں نہ سمجھتی ہوں یا بتائی جاتی ہوں، ان کی آلہ کار ہیں یا غلام۔ یہ دونوں قومیں نسلی حقوق کی بنیاد پر قائم ہیں۔ کوئی شودر، ویش یا کھتری خواہ کتنا ہی کھرا ہندو ہو جائے، وہ نہ برہمن ہو سکتا ہے نہ برہمن کی مذہبی مراعات پا سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی غیر ہندو اگر ہندو مذہب قبول کر لے تو وہ ممکن ہے کھتری، ویش یا شودر میں سے کسی طبقے میں شامل کر لیا جائے، لیکن وہ برہمن نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہنود کی بنیاد عقیدہ نہیں بلکہ نسل ہے۔ اسی طرح یہود کی بنیاد بھی نسل ہے۔ یہود کسی کو یہودی نہیں بناتے۔ اگر کوئی یہودیت قبول بھی کر لے تو یہودی نہیں بن سکتا۔ ہاں! اصل یہودی اسے کوئی نام دے کر اپنا آلۂ کار ضرور بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے کچھ

قوموں کے افراد کو یہودی قرار دے کر اسرائیل میں آباد کیا ہے خود اس تلاش کے سلسلے میں جو یہودی ساری دنیا میں اپنے گمشدہ قبیلوں کے لیے کر رہے ہیں، ان کی تحقیق کی بنیاد کسی قوم کی نسلی مشابہت ہے۔ مثلاً: سوڈان کی ایک قوم کو انہوں نے یہودی قرار دیا اور انہیں فلاشا (Falasha) کا نام دے کر لاکھوں کی تعداد میں اسرائیل میں آباد کر رہے ہیں۔ ابھی چند ماہ قبل شمال مشرقی ہندوستان کے صوبے میزورم میں بعض قبیلوں کو انہوں نے یہودی قرار دیا ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ انہیں اسرائیل منتقل کیا جائے۔ شاید یہ ان کی ایک ضرورت بھی ہو، اس لیے کہ اسرائیل کی حفاظت کے لیے جان کی قربانی کی ضرورت ہے اور یہودی موت سے گھبراتے ہیں۔ اس صدی میں فلسطین میں آباد ہونے والے یہودیوں کی ابتدائی آبادی دو طرح کے یہودیوں پر مشتمل ہے:

(1) سفرڈم (Sephardim)۔ (2) اش کے نازم (Ashkenazim)۔

یہ دونوں اگرچہ موجودہ یہودیوں کی طبقۂ اشرافیہ ہے، لیکن ''اش کے نازم'' وہ یہودی ہیں جو اسرائیل کے مالک ہیں۔ یہاں ایک حدیث کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کا ذکر علامہ محمد طاہر بن علی گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں کیا ہے:

"اتقوا الیھود والھنود، ولو بسبعین بطنا".

علامہ حسین بن محمد صنعانی نے اسے موضوع یعنی من گھڑت حدیث قرار دیا ہے، لیکن یہاں دو باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث کی سند اور متن کی مزید تحقیق کی ضرورت ہے:

(1) پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث آٹھویں صدی ہجری سے قبل مشہور چلی آئی ہے۔ اس زمانے میں اس حدیث کے گھڑنے کی ضرورت (اگر یہ فی الواقع گھڑی ہوئی ہے) کیوں پیش آئی؟ اس کے پیچھے کیا عوامل ہو سکتے ہیں؟ بغیر کسی خاص محرک کے حدیث گھڑنے کی کوشش سمجھ میں آنے والی بات نہیں اور تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس دور میں ایسا کوئی عامل یا محرک نظر نہیں آتا جو اس حدیث کے گھڑنے کا باعث بن سکے کیونکہ اس وقت یہود و ہنود کی ریشہ دوانیاں اس درجے کی نہ تھیں اور نہ ہی مسلمان ان کی سازشوں سے اتنے نالاں تھے جتنے آج ہیں۔

(2) ایک حدیث جو آج سے چھ سو سال قبل مشہور ہوا اس میں یہود و ہنود کی یکجا روایت اور ان کے مزاج و طبع کی موافقت کا بیان کیا معنی رکھتا ہے؟ آج کے دور میں دونوں کی یکسانیت کے کچھ خارجی عوامل ہیں لیکن ماضی بعید میں یہ عوامل بظاہر مفقود نظر آتے ہیں، پھر اس وقت مسلمان غالب و فاتح اور حاکم تھے ان کی قوت قاہرہ کے ہوتے ہوئے ایسی حدیثوں کے گھڑنے کی وجہ جو عام لوگوں میں درجۂ قبول نہ پا سکیں بلکہ ان کے قلوب و اذہان کے لحاظ سے بے معنی ہوں، اور بھی معدوم ہو جاتی ہے۔

خود اس حدیث میں چند ایسے داخلی شواہد موجود ہیں جو از سر نو غور کرنے کی طرف لے جاتے ہیں چنانچہ دُنیا میں اسلام اور مُسلمانوں کو دائمی طور پر انہیں دو قوموں سے سابقہ پیش آتا رہا ہے۔ ہر چند کہ عیسائی بھی مسلمانوں کے دشمن رہے، ان سے عہد خلافت راشدہ سے لے کر بہت بعد کے دنوں تک معرکہ آرائی رہی لیکن بایں ہمہ متعدد وجوہ کی بنا پر ان کی عداوت اگر وقتی قرار نہیں دی جا سکتی تو ایسے دائمی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

(1) عیسائیوں کی مُسلمانوں سے اصل عداوت تاریخ عالم کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ 1453ء تک تسلیم کی جا سکتی ہے۔ مشرقی رومی سلطنت اور صلیبی جنگوں کے خاتمے کے ساتھ اصل عیسائی قوت جاتی رہی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث: "وَلَيَهْلِكَنَّ قَيْصَرُ، ثُمَّ لَاقَيْصَرَ بَعْدَهٗ" اسی کی پیش گوئی ہے۔

(2) قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی عیسائی بالآخر ایمان لے آئیں گے۔ پہلے فتح قسطنطنیہ اور پھر صلیبی جنگوں میں عبرتناک شکست نے عیسائی قسمت آزماؤں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اب بچی کھچی عیسائیت، یہودیوں کی روندی ہوئی اور ان کے قرضوں میں جکڑی ہوئی دنیا ہے جو یہودیوں کی منشا کے مطابق مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ حتی کہ عیسائیوں میں عیسائیت کے بجائے ''صہیونی عیسائیت'' یا ''عیسائی صہیونیت'' بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس لیے بیدار مغز مسلمانوں کو اسی فتنہ انگیز فرقے (یہودیت یا صہیونیت) پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

عالمی یہودی تنظیمیں

دنیا میں یہودیت کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں اور ان کی آلۂ کار تنظیمیں بے شمار ہیں جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ ان تمام تنظیموں کی اعلیٰ ترین باڈی کا ایک نام آسانی کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔ آیندہ اسی کا حوالہ دیا جائے گا۔ یہ نام یہودی سازشوں پر غور کرنے والے ماہرین نے تجویز کیا ہے۔ یہودیوں کی اعلیٰ ترین تنظیم کا نام زنجری (Zinjry) ہے جو بین الاقوامی صہیونی یہودیت (Zionist International Jewry) کا مخفف ہے۔ اسی اعلیٰ ترین باڈی کے تحت بلا مبالغہ سیکڑوں یہودی تنظیمیں کام کرتی ہیں جو دنیا کے ہر گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان تحریکوں اور تنظیموں کی ہیئت کے اعتبار سے کم از کم دس اہم قسمیں ہیں:

(1) فکری (IDEOLOGICAL)
(2) سیاسی (POLITICAL)
(3) انتظامی (ADMINISTRATIVE)
(4) معاشرتی (SOCIAL)
(5) علمی (INTELLECTUAL)
(6) سائنسی (SCIENTIFIC)
(7) ثقافتی (CULTURAL)
(8) مذہبی (RELIGIOUS)
(9) تدبیری (STRATEGIC)
(10) ترسیلی (LOGISTIC)

ان کی ذیلی تنظیموں کا تفصیلی تذکرہ سرِ دست ممکن نہیں۔ ایک امریکی مصنفہ ''لی اوبرائن'' نے صرف امریکا میں کام کرنے والی یہودی تنظیموں پر کام کیا تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو گئی۔ تاہم بطور نمونہ چار ایسی تنظیموں، تحریکوں اور اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو یا تو براہ راست یہودیوں پر مشتمل ہیں یا جن کے تعلقات یہودیوں سے ہیں یا جنہیں یہودی کنٹرول کرتے ہیں یا جن پر یہودیوں کا اثر ہے۔ اس وقت یہ تمام تحریکیں، تنظیمیں اور

ادارے بنیادی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل بلکہ برسر پیکار ہیں۔

1- براہ راست یہودی تنظیمیں:

(1) انٹرنیشنل جیوش کانگریس (جس کے فورم سے صدر مشرف نے دورۂ امریکا کے دوران خطاب کا ''اعزاز'' حاصل کیا تھا۔) (2) انٹرنیشنل زایونسٹ لیگ (3) بیری حاہ تحریک (4) بینائی موشے (5) اگودت اسرائیل (6) کینست اسرائیل (7) لوحامی حیروت اسرائیل (8) جیوش کلونیل ٹرسٹ (9) جیوش لیجن (10) جیوش نیشنل فنڈ

2- بالواسطہ یہودی تنظیمیں:

یعنی وہ ادارے جو یہودیوں کے زیر اثر ہیں یا جنہیں یہودی کنٹرول کرتے ہیں: یہاں صرف دس مشہور اداروں کے نام دیے جا رہے ہیں ورنہ اداروں کی کل تعداد بے حد و حساب ہے۔

(1) اقوام متحدہ (2) سلامتی کونسل (3) انٹرنیشنل منی مارکیٹ (4) انٹرنیشنل اسٹاک ایکسچینج (5) عالمی مالیاتی فنڈ (6) عالمی بینک (7) انٹرنیشنل ریڈ کراس (8) آکس نیم (9) ایمنسٹی انٹرنیشنل (10) مختلف ملٹی نیشنل کارپوریشنز۔

3- مسلمانوں میں مصروف کار یہودی تنظیمیں:

درج ذیل تنظیمیں مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر مسلم معاشروں میں یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کرتی ہیں:

(1) قادیانیت (2) بہائیت (3) دروزیت (4) اسمٰعیلی (5) نصیری (6) مسلم ملکوں میں کام کرنے والی تمام کمیونسٹ، سوشلسٹ (SOCILIST)، سیکولر (SECULAR)، فری تھنکنگ (FREE THINGING)، اباحی (PERMISSIVE)، ترقی پسند (PROGRESSIVE)، تعقلی (RATIONALIST)، انسانی (HUMANIST) تنظیمیں۔

(7) نام نہاد جدت پسند تحریکیں، ادارے، حلقے اور خفیہ لاجز وکلب۔

(8) اسلام کی صحیح تنظیموں اور تحریکوں میں داخل انفرادی حیثیت سے کام کرنے والے افراد اور حلقے۔

(9) مسلم معاشرے میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں ابھرنے والی تمام ''باطنی'' تحریکیں، تنظیمیں اور حلقے (اس کی تازہ ترین مثال فتنۂ گوہر شاہی ہے)

(10) متجددین یعنی وہ تمام جدت پسند ڈاکٹر، پروفیسر، اسکالر اور نام نہاد علمأ و محققین جو دین کے نام پر بے دینی اور آزاد خیالی پھیلا رہے ہیں۔

4-امریکا میں سرگرم یہودی تنظیمیں

اس مضمون کے ذریعے ان نمایاں یہودی تنظیموں کا تعارف پیش کیا جارہا ہے جو امریکا میں اسرائیل کے مفادات کی حفاظت کرنے اور اسرائیلی مقاصد کے لیے امریکی قوم کے مفادات قربان کردینے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ اسرائیل اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان میں سے کسی ایک یا زائد تنظیموں کو لازماً استعمال کرتا ہے:

(1)World Zionist Organization(WZO):

سالِ قیام: 1897ء

بانی اور پہلا صدر: تھیوڈور ہرٹزل۔ دوسرا صدر: ڈاکٹر وائز مین

سرگرمیاں: اسرائیل کو ہجرت، عبرانی زبان کی تعلیم، اسرائیل کی سیاسی و مالی امداد اور اسرائیل میں زرعی بستیوں کا قیام۔

نمایاں خدمات: اسرائیل کا قیام، اس کے لیے ہر سطح پر لابنگ کرنا۔ اس ادارے کی کانگریس کا ہر چار سال بعد اجلاس ہوتا ہے جس کی سربراہی اسرائیلی وزیر اعظم کرتا ہے۔ اس میں تمام دنیا کی یہودی تنظیموں کی تنظیم نو، ان کا آپس میں جوڑ اور تنازعات کا حل کیا جاتا ہے۔

(2)Jewish Agency For Israel(J.A):

سالِ قیام: 1960ء

سربراہ: رلنس یٹن بوم

سرگرمیاں: روس اور مشرقی یورپ سے ترکِ سکونت کرکے اسرائیل آنے والے یہودیوں کی آبادکاری۔

نمایاں خدمت: گزشتہ 54 برسوں میں یہ تنظیم اسرائیل میں 6 ارب 50 کروڑ ڈالر

بھجوا چکی ہے۔ اس کی کوششوں سے سوویت یونین ٹوٹنے کے بعد سے اب تک دس لاکھ یہودی اسرائیل منتقل ہو چکے ہیں۔

:(America Section)World Zionist Organization(3)

سالِ قیام: 1971ء

ایگزیکٹو چیئر مین: اساڈور ہملین

سرگرمیاں: زراعت، تجارت، سائنس، فنون لطیفہ اور اسرائیل کے دیگر شعبوں کی حوصلہ افزائی۔

نمایاں خدمت: 12 امریکی یونیورسٹیوں کے سربراہوں کو اسرائیل کے مطالعاتی و خیر سگالی دورے پر بھیجا گیا۔ تعلیمی ورکشاپس کا انعقاد۔ لاطینی امریکا اور کینیڈا میں اس تنظیم کے ملازمین کو 8 لاکھ 19 ہزار ڈالر کی رقم ادا کی۔ اس تنظیم کے ممبران کم از کم ایک ہزار ڈالر اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ڈالر تک عطیہ دیتے ہیں پابندی کے ساتھ۔

:(AZF)American Zionist Federation(4)

سالِ قیام: 1970ء　　　ایگزیکٹو ڈائریکٹر: کیرن جے روسبیٹن

سرگرمیاں: امریکی معاشرے میں یہودی ثقافت کو بہتر انداز میں پیش کرنا، یہودیوں کو خالص صہیونی ثقافت سے روشناس کرانا، اسرائیل کا یومِ آزادی پُر جوش طریقے سے منانا، یونیورسٹیوں کے مختلف شعبوں کے اہم اساتذہ کو اسرائیل کے بارے میں معلومات کی فراہمی اور رائے کی ہمواری، کانفرنسیں، میلے اور نمائشیں۔

نمایاں خدمت: 1985ء میں اس تنظیم نے امریکا کے 86 شہروں میں ''یروشلم ڈے'' منایا۔

The Women's Zionist Organization Of America (5)
:(WZOA)Hadssah?

سالِ قیام: 1912ء

چیئرمین: روتھ یوبکن

سرگرمیاں: یہودی لڑکیوں کو نرسنگ کے شعبے کی تربیت۔ 9 سال کی عمر تک کے بچے اور بچیوں کی تنظیم کا قیام، 13 سال سے زائد عمر کے بچوں کے لیے اسرائیل کی سیر کا بندوبست اور اسرائیل کے اندر خصوصی منصوبوں کے لیے فنڈز کی فراہمی۔

نمایاں خدمات: رکنیت کے اعتبار سے دنیا کی یہ عورتوں کی سب سے بڑی تنظیم شمار کی جاتی ہے۔ اس کی رکن خواتین کی تعداد 4 لاکھ سے متجاوز ہے۔ مختلف شعبوں اور گروہوں سے تعلق رکھنے والی 1400 تنظیمیں اس کی ممبر ہیں۔

(6) Zionist Organization Of America (ZOA):

سالِ قیام: 1897ء

صدر: ایلک ریزنک

سرگرمیاں: امریکی کانگریس، وہائٹ ہاؤس اور دیگر اہم سرکاری دفاتر کی خبر گیری، ہفتہ وار اطلاعاتی پمفلٹ، جس میں اہم سرکاری اطلاعات شامل ہوتی ہیں جو کسی اور اخبار یا جریدے میں نہیں ملتی۔ تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک کے خلاف پروپیگنڈہ، ہمہ ریک حملے، انگریزی زبان سکھانے کے پروگرام اور ماہانہ ڈنر کیمپ۔

خصوصی خدمات: سہ ماہی رسالہ "A look at Zion"

(7) Association Of Reform, Zionist Of America:

سالِ قیام: 1977ء

صدر: پی چارلس کرولوف

سرگرمیاں: اسرائیل سے آنے والے دانشوروں کے امریکا میں لیکچر کا بندوبست کرنا، اسرائیل میں سماجی خدمات کے لیے رضاکار دستوں کا قیام اور امریکا سے اسرائیل ہجرت کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اس کے ارکان کی تعداد 70 ہزار ہے۔

خصوصی خدمات: امریکا میں اس کے 250 علاقائی دفاتر ہیں۔ 1979ء میں

امریکی ایوانِ صدر کو یہ تجویز پیش کی کہ امریکا ایسے متحد یروشلم کی ضمانت فراہم کرے جس پر اسرائیل کا اقتدار ہو۔

:(CJF)Council Of Jewish Federation(8)

سالِ قیام:1932ء

صدر:شوشانا ایس گارڈن

سرگرمیاں: فنڈز جمع کرنے والی تنظیموں کے درمیان رابطہ، طویل المیعاد منصوبوں کی تیاری، امریکا کے دور دراز علاقوں میں تعلیم وتدریس، ٹیلی ویژن کے ایسے پروگرام تیار کرنا جو یہودی آبادی کے مسائل اور یہود سے متعلق ہوں۔ بڑے شہروں کی بجٹ، کانفرنس اور کسی پیشہ یا تجارتی حلقوں میں اعلیٰ پوزیشن کے حامل لوگوں کو یہودی تنظیموں میں قیادت دلانا۔

نمایاں خدمات: مسلمانوں اور عربوں سے متعلق تحقیقی مقالہ جات کی تیاری۔

CJF کی ملحقہ سماجی انجمنوں کا وسیع جال پورے امریکا میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا سالانہ اجلاس امریکی یہودیوں کی سب سے بڑی تقریب ہوتی ہے۔ 1973ء میں اسرائیل کی امداد کے لیے خصوصی ٹاسک فورس قائم کی گئی۔ اس کا ابتدائی بجٹ 10 لاکھ ڈالر تھا۔

CJF کی درخواست اور دباؤ پر امریکا کی ریگن انتظامیہ نے اسرائیل کی مستقل تکنیکی امداد منظور کر لی۔

National Jewish Community Relations (9) :(NJCRAC)Advisory Council

سالِ قیام:1944ء

چیئر مین:جیکولین کے لیوین

سرگرمیاں: کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مشاورتی کونسلوں کا قیام، عرب ممالک کی پالیسیوں پر تنقید، امریکا کے مختلف حصوں میں اسرائیل کے حق میں تقریر کرنے والے افراد کے درمیان رابطہ مہم، واشنگٹن میں مقیم اخباری نامہ نگاروں، تجزیہ نگاروں اور مبصروں کے

لیے اسرائیل کے بارے میں تشریح مواد کی فراہمی، تجارت، ٹیکنالوجی اور سائنس کے رسائل کے ایڈیٹروں سے رابطہ، امریکی اور اسرائیلی سائنسدانوں کے درمیان باہم رابطہ اور اشتراک سیاہ فام رہنما مارٹن لوتھر کنگ کی یاد میں 1983ء میں ہونے والے مارچ میں یہودیوں نے اس تنظیم کی ہدایت پر شرکت نہ کی۔

:American Jewish Community(10)

سالِ قیام:1906ء

صدر:ہاورڈ آئی فریڈمین

سرگرمیاں: دولت مند، صاحب حیثیت اور معاشرے میں اہمیت کے حامل افراد کی تنظیم، اس کے صدر دفتر میں ڈھائی سو سے زائد پیشہ ور افراد کام کرتے ہیں جو سماجی تعلقات، تعلیم، قانون، عمرانی علوم، خدمات، مذہب، خارجہ تعلقات اور ذرائع ابلاغ کے ماہرین ہیں۔ امریکی یہود، اسرائیل تعلقات کے ادارے کا قیام، یہودی تنظیموں میں یہ تنظیم سب سے زیادہ کتابیں، رسالے اور پمفلٹ شائع کرتی ہے۔ معروف جریدے "Commentary" کی اشاعت۔ جیکب بلوسٹین انسٹیٹیوٹ برائے فروغ حقوق انسانی، جیکب اینڈ ہلڈا اسنٹر برائے تحقیقات انسانی حقوق، خواتین کے کردار کی قومی کمیٹی، فورس اینڈ ایڈل برگ انسٹیٹیوٹ برائے مطالعہ خارجہ حکمت عملی، ولیم ای ویز، اول ہسٹری لائبریری، نیو انسٹیٹیوٹ برائے امریکا، اسرائیل تعلقات، اسرائیل کے حق میں مضامین لکھوانا، ایوانِ صدر میں رابطہ رکھنا۔

خصوصی خدمات: جریدہ نیوز اینڈ ویوز، جریدہ In the Communities بین الاقوامی امور پر یادداشتوں کی تیاری۔

:(ATC)American Jewish Congress(11)

سالِ قیام:1918ء

صدر: تھیوڈور مان

سرگرمیاں: ذرائع ابلاغ کی مؤثر مانیٹرنگ، حسبِ ضرورت قومی اخبارات کو پریس ریلیز کی فراہمی، اشتہاری ایجنسی کے ذریعے اخبار کے ادارتی عملہ پر دباؤ اور اسرائیل کے لیے حمایت حاصل کرنے کے لیے عدالتوں سے رجوع۔

خصوصی خدمات: عرب ممالک کو امریکی اسلحہ کی فروخت رکوانے کے لیے خصوصی مہم

(12) Anti Defamation League (ADL):

سالِ قیام: 1913ء

چیئرمین: کینتھ جے بیالکن

سرگرمیاں: اخلاقی اپیل اور عدالتوں کے ذریعے یہودیوں کی توہین کو روکنا، یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان بہتر تعلقات کا فروغ، امریکا کے سیاہ فام باشندوں سے تعلقات کی بحالی، بین المذاہبی مفاہمت کا فروغ اور مسلمانوں کے اپنی عورتوں کے ساتھ ''ظالمانہ'' سلوک کی فلموں کی تیاری۔

خصوصی خدمات: اردن اسرائیل جنگ کے دوران اردن کی مذمت کے مضامین اور لبنان اسرائیل جنگ کے دوران عربوں کے خلاف کتابوں کی تیاری اور اشاعت۔ مشہور امریکی صنعت کار ہنری فورڈ کی شاہکار تحریر ''دی انٹرنیشنل جیو'' کے خلاف اس تنظیم نے محاذ کھول دیا تھا اور بالآخر ایک فرضی معافی نامے کے ذریعے جس پر اس کے سیکریٹری نے جعلی دستخط کیے تھے، معاملے کو دبایا گیا۔ یہ معاملہ عدالت میں کئی سال تک زیر بحث رہا تھا۔ ہنری فورڈ کی اس کتاب کا ترجمہ ''بین الاقوامی یہودیت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس موضوع پر چھپنے والی دوسری کتابوں کی طرح یہ بھی منظرِ عام سے جلد ہی غائب ہو جاتا ہے۔

(13) United Jewish Appeal (UJA):

سالِ قیام: 1939ء

صدر: سٹینلے بی ہورووتز

پروگرام: مختلف گروہوں سے عطیات اکٹھے کرنا اور عطیات کی مہم چلانے والے رضا کاروں کی تربیت۔

اس کے علاوہ دیگر نمایاں تنظیمیں حسب ذیل ہیں:

United Israel Appeal
American Jewish Joint
Distribution Committee
Jewish National Fund (JNF)
Pee Israel Endowmeny Fund
State Of Israel Bonds Organization (IBO)
American Israel Corporation (AMPAP)
New Israel Fund (NIF)
American Israeli Public Affairs Committee (AIPAC)
National Political Action Committee (NPAC)
Conterence Of Presidents Of Major American Jewish Organizations
Jewish Institute For National Security Affairs (JINSA)
Jewish Professors Aceelamic Commihel
Aberican Professors For Peale In the Middle East (APPME)
American Israel Friendship Leajue (AIFL)
Uour Insitute For Peace In the Middle Peace (YIPME)
National Committee For Laboyr Israel (NCLI)
American Trade Union Council For Histardret (ATUCH)
Americans For a Safe Israel (AFSI)
National Council Of Young Israel (NCYI)

امریکی صدر نے حال ہی میں 38 تنظیموں کے مالی اثاثے منجمد کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اصل معاملات کی طرف سے نگاہیں ہٹانے کے مترادف ہے۔ گویا سانپ کو چھوڑ کر لکیر کو پیٹا جا رہا ہے۔ اسرائیل کے قیام 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ، 1973ء کی

عرب اسرائیل جنگ، کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے، اوسلو معاہدے اور تازہ ترین فلسطینی تحریک مزاحمت کے دوران امریکا میں قیام پذیر یہودی اسرائیل کے دست راست رہے ہیں اور امریکی یہودی تنظیموں نے اس میں امریکی مفاد پر اسرائیلی مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے بھرپور حصہ لیا ہے۔ اگر صورت حال اسی طرح رہی تو کوئی بعید نہیں کہ سارا امریکا اسرائیلی مفادات کی بھینٹ چڑھ جائے۔

امریکا میں قیام پذیر یہودیوں نے گزشتہ نصف صدی میں جتنا پیسہ اسرائیل منتقل کیا ہے اور سیکڑوں تنظیمیں بنا کر جس طرح اسرائیل کے لیے لابنگ کی ہے، کانگریس اور سینیٹ کے ممبران کی ہمدردیاں حاصل کی ہیں اور اسرائیل کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا ہے، اس کا ادنیٰ سا مظاہرہ بھی امریکا میں مقیم دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں نہیں ملتا۔

حالات کے معروضی تجزیے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اپنے قیام کے پہلے دن سے اسرائیل اس قسم کے اعلانیہ اور خفیہ منصوبے بناتا رہا ہے جس کے باعث وہ بآسانی مصر، اردن، شام، لیبیا اور عراق کو اسلحے کے محاذ پر اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو پروپیگنڈے کے محاذ پر دھوکا دیتا رہا ہے۔ یہ سارا کام امریکا میں موجود معاشی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، طبی، قانونی اور پیشہ ورانہ یہودی تنظیموں کے تعاون کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

واشنگٹن کے سرکاری اہلکار اور اعلیٰ افسران، تعصب اور مسلم دشمنی کی عینک اُتار کر یہودی تنظیموں کی کارگزاری اور ماضی میں اسرائیل سے قرب کا جائزہ لیں گے تو امریکا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں تل ابیب یا یہودی تنظیموں سے ضرور مل جائیں گے۔ کاش! وہ یہ حقیقت جاننے کی کوشش کریں۔

فری میسنری کا مطلب کیا ہے؟

یہود کی مشہور زمانہ (آپ بدنام زمانہ بھی کہہ سکتے ہیں) عالمی تنظیم فری میسنری کے متعلق سلسلہ وار مضامین شائع ہونے کے بعد اکثر قارئین یہ پوچھ رہے ہیں کہ اب تک فری میسنز کا تعارف، اس کے نام کی تشریح، پس منظر، طریق کار اور اغراض و مقاصد بیان نہیں کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے ابہام باقی ہے اور تشنگی سی محسوس ہوتی ہے۔ ان قارئین کا یہ کہنا بالکل درست ہے۔ یہ ابہام فی الواقع موجود ہے اور واقعہ یہ ہے کہ آپ اس موضوع کو جتنا بھی کھول لیں یہ ابہام باقی رہے گا۔ ابہام کے حصار میں پردوں کے پیچھے چھپے رہنا فری میسنری کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود سے متعلق ہر چیز کے متعلق اس قدر اضطراب پیدا کر دیتے ہیں کہ کوئی ان ناموں، اصطلاحات اور مخصوص الفاظ کی حقیقی معنویت تک نہ پہنچ سکے۔

بہر حال ہم اپنے علم کی حد تک اس موضوع کو چھیڑنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس وقت فری میسن اپنی تاریخ کا سب سے بڑا معرکہ لڑ رہے ہیں۔ آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ اس سے مراد مسلم ممالک خصوصاً پاکستان اور سعودی عرب سے اسرائیل کو تسلیم کروانا ہے تاکہ وہ اپنے حقیقی ہدف: عالمی دجالی ریاست کے قیام اور بیت المقدس میں مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں موجود مقدس چٹان کے قریب دجال کے قصرِ صدارت کی تعمیر کی راہ ہموار کر لیں۔

''فری میسن'' نام کا سب سے پہلا استعمال (بعض ممتاز تحقیق کاروں کے علم کی حد تک) آج سے تقریباً ساڑھے چھ سو سال پہلے برطانیہ میں 1376ء میں ہوا۔ تازہ ترین 'کنسائز آکسفورڈ ڈکشنری مرتبہ جوڈی پیرسل اس کا مفہوم یوں درج کرتی ہے:

1. Freemasonry: n a member of an international order established for mutual help and fellowship, which holds elaborate secret ceremonies.

2. Freemasonry: (1) the system and institution of the freemasons. (2) Instinctive sympathy or fellow feeling between people with something in common.

آکسفورڈ ڈکشنری کا حوالہ اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں فری میسنری کی وہ تعریف اور تعبیر درج کی گئی ہے جو اس کی سب سے مختصر اور سب سے مشہور تعبیر ہے۔ ورنہ اس کی دیگر تعبیروں کی تعداد جو صرف نام کے حوالے سے ہے...... یعنی لفظ میسن یا فری میسن کیسے وجود میں آیا ہے اور اس کے کیا معانی ہیں؟...... پچاس سے متجاوز ہیں اور تعبیروں کی کثرت اصل معنی پر پردہ ڈالنے کے لیے پھیلائی گئی ہے۔ ہم یہاں حتی الامکان کھوج لگایا گیا اصل مطلب بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فری میسن کا لفظی مطلب تو سب ہی قارئین جانتے ہوں گے: ''آزاد معمار''...... لیکن یہود نے اپنی خفیہ تنظیم کے لیے یہ لفظ کیوں چنا اور کس مناسبت سے اس کا انتخاب کیا؟ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ چونکہ فری میسن تنظیم میں داخلہ پانے والوں کی دوسرے اور تیسرے گریڈ میں ترقی کے وقت انہیں اس لفظ کا پس منظر ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہانی کی شکل میں بتایا جاتا ہے اس لیے اس سے صرف فری میسن کے اعلیٰ عہدیدار ہی واقف ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی منحرف ہو جائے...... اور مرنے سے پہلے...... بیرونی دنیا کو اس سے آگاہ کر دے تب ہی کوئی دوسرا اس سے واقف ہو سکتا ہے۔ آیئے! آج اس کہانی کو بھی سن لیتے ہیں جو جان جوکھوں کے بعد ہاتھ لگی ہے۔ درمیان میں اسکوائر بریکٹ میں دیے گئے الفاظ تشریحی اضافہ اور تبصرہ ہیں۔ فری میسنوں کو اگلے گریڈ میں ترقی دینے کی تقریب میں یہ کہانی مختلف مرحلوں میں یوں سنائی جاتی ہے:

''اسرائیل کے بادشاہ سلیمان نے جب یروشلم میں ''ہیکل'' مکمل کر لیا تو اس کی تعمیر کے حسن اور فن کی بلندی کے چرچے روئے زمین پر قریہ قریہ پہنچ گئے۔ [یہود کی بدبختی ہے کہ وہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام ''سلیمان بادشاہ'' کہہ کر لیتے ہیں۔ اس لفظ میں نبی یا مقدس روحانی شخصیت کا شائبہ بھی نہیں، جبکہ ''حیرم آبیف'' نامی جناتی شیطان کو وہ عزت و

احترام سے آقا کہہ کر پکارتے ہیں جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ملازم تھا۔] فی الواقع اس پوری عمارت کی تعمیر میں قابلِ تعریف صرف ہیکل میں داخلے کی راہداری کی دائیں بائیں دو عظیم ترین ستون تھے [یہ بات درست نہیں کیونکہ ایک برگزیدہ نبی کے متعلق ہم یہ کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ پوری عبادت گاہ میں مرکزی عمارت، گنبد و محراب وغیرہ کو چھوڑ کر دو دروازے کے دوستونوں پر توجہ دیں گے۔]

دائیں ستون کا نام ''بوآز'' (BOAZ) تھا جو قوت کی علامت تھا اور بائیں جانب کا ستون ''جاچن'' (JACHIN) کے نام سے معروف ہونے کے ساتھ استحکام کا مظہر خیال کیا جاتا تھا۔ ان ستونوں کی بلندی ساڑھے سترہ (17.5) ہاتھ (کہنی سے بڑی انگلی کی پور تک کا فاصلہ۔ پیمائش کے پرانے طریقہ کے مطابق) محیط بارہ ہاتھ اور قطر چار ہاتھ تھا۔ یہ اندر سے کھوکھلے رکھے گئے تھے کہ ان کے اندر فن تعمیر کے سربستہ راز محفوظ کیے جائیں گے [یہ قطعاً غیر معقول اور لغو بات ہے کیونکہ ایک جلیل القدر نبی کی زیرِ نگرانی عبادت گاہ کی تعمیر میں سربستہ رازوں کا آخر کیا دخل ہو سکتا ہے؟] لہٰذا باہر کی دیوار صرف چار انچ موٹی تھی۔ یہ تانبا ڈھال کر بنائے گئے تھے اور ڈھلائی کا یہ کام اردن کے میدانوں میں ہوا تھا۔ [اس سے مراد دریائے اردن کا مغربی کنارہ ہے جہاں تین ہفتے قبل غزہ سے انخلا کرنے والے یہودیوں کو بسایا گیا ہے۔ ڈھلائی کے اس کام کا نگراں ''حیرم آبیف'' تھا۔

ہر ستون دو الگ الگ حصوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا جو اتحاد کا درس ہے اور ستونوں پر گلکاری میں کنول کا پھول امن و آشتی کا مظہر ہے جبکہ انار اپنے بے بہا بیج رکھنے کے سبب کثرت کی علامت ہے۔ ہر ستون کے ہر حصے پر اناروں کی ایک سو قطاریں ہیں۔ مزید یہ کہ ہر ستون کے اوپر ایک گول فٹ بال نما پتھر لگا دیا گیا ہے جس پر اس وقت کی معلوم دنیا کا نقشہ بنایا گیا تھا۔ یہ ہمارے لیے اس بات کی علامت ٹھہرا کہ فری میسن دنیا کے ہر کونے میں ہے اور یہ مسلّمہ حقیقت ہے۔ ان کی تکمیل اس وقت ہوئی جب پھول دار چھت نے ان کو ڈھانپ لیا۔ یہ دونوں ستون بنی اسرائیل کو اس وقت کی یاد دلاتے ہیں جب وہ مصر سے

بھاگ کر آئے اور فرعون کی فوج نے پیچھا کیا تو گہرے سیاہ بادلوں نے ان مظلوموں کو ڈھانپ لیا اور یوں وہ فرعونی لشکر سے محفوظ رہے [یہ بات خود تورات کی رو سے غلط ہے۔ تورات میں صاف درج ہے کہ بنی اسرائیل کے دریا سے پار ہونے اور فرعونی لشکر اس دریا میں غرق ہونے کی وجہ سے قوم بنی اسرائیل محفوظ رہی تھی] اور دھوئیں کے سیاہ بادلوں کے ساتھ بنی اسرائیل کے لیے اہم چیز آگ ہے جس سے انہیں رہنمائی ملتی تھی۔

اس اہمیت کے پیشِ نظر اور ان دو واقعات کی یاد تازہ رکھنے کے لیے سلیمان بادشاہ نے ان دونوں عظیم الشان ستونوں کو یروشلم کے ہیکل میں داخلے کی راہداری میں نصب کروایا کہ یہی مناسب ترین مقام تھا جہاں پر معبد میں داخلے اور عبادت سے فارغ ہو کر جاتے وقت بنی اسرائیل اپنی آنکھیں ان کی دید سے ٹھنڈی کرتے [آج کے بنی اسرائیل پھر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی مہم چلا کر آنکھوں کی اس ٹھنڈک کی تلاش میں ہیں جو جہنم کی تپش بن کر انہیں راکھ کر ڈالے گی۔]

ان ستونوں سے گزرنے کے بعد گولائی میں تعمیر کی گئی سیڑھی ہے جو درمیانی کمرے تک جاتی ہے جہاں جانے کی ممانعت تھی اور جہاں داخلے کے لیے مخصوص مصافحہ اور مخصوص لفظ ''پاس ورڈ'' (Password) کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاس ورڈ ''شبولیتھ'' ہے جس کے معنی ''کثرت'' کے ہیں اور جو ٹریسنگ بورڈ میں پانی کی آبشار کے نزدیک مکئی کی بالی سے ظاہر کیا گیا ہے [ٹریسنگ بورڈ کی تصویر کتاب کے آخر میں دیکھیے۔

بعد ازاں یہ سیڑھیاں طے کی جاتی ہیں۔ ان میں سے تین سیڑھیاں لاج کے نظام کو چلانے کے لیے، پانچ لاج قائم رکھنے کے لیے اور سات یا اس سے زیادہ لاج کو ہمہ وقت درست رکھنے کے لیے بطور علامت استعمال ہوتی ہیں۔

ہمارے پیشرو برادران جب ان گھومتی سیڑھیوں پر قدم مکمل کر لیتے تو درمیانی چیمبر کے دروازے تک پہنچ جاتے۔ پھر وہ معبد کے بڑے ہال میں داخل ہوتے تھے جہاں وہ اپنے اپنے کام کا معاوضہ پاتے تھے جو فی الواقع آقا سے وفاداری نبھانے کا صلہ ہوتا تھا۔

جب وہ درمیانی ہال کمرے میں ہوتے تو ان کی نظر عبرانی انداز میں بنائے گئے تعمیری نقش ونگار پر ٹکتی رہتی جس کو یہاں لفظ "G" سے ظاہر کیا گیا ہے جو ہمارے ہاں یہ معنی رکھتا ہے کہ خدا ہے، جو اس کائنات کا عظیم صانع (جیومیٹرین) ہے۔ [واہ میرے مولا! تیری مخلوق نے تجھے بھی اپنے ساتھ ظاہر کرنے کے لیے طرح طرح کے نام دیے ہیں]

فری میسن کے خفیہ مرکزوں کی حفاظت کی تائید اور ہمت ہمیں ہمارے آقا حیرم آبیف کی وفادارانہ رازداری کی مثال سے ملتی ہے جس کے سبب سلیمان بادشاہ کے معبد کی تکمیل سے تھوڑا عرصہ پہلے، اسے بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کی موت کے واقعہ کی تفصیل یوں ہے:

''یہ دیکھتے ہوئے کہ کام ختم ہوا چاہتا ہے اور وہ تیسرے درجے کے رازوں کو حاصل نہیں کر پائے، [خدا جانے اس ''وہ'' سے کیا مراد ہے؟ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہوتے ہوئے یہ سازشی گروہ کہاں سے اور کیسے وجود میں آ گیا؟ ''مسلم دہشت گرد'' تو بہت بعد میں پیدا ہوئے۔] سازش کے ذریعے پندرہ فیلو کرافٹ میسنوں کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ ہر طریقے سے ان رازوں کو پانے کی کوشش کریں۔ پندرہ میں سے بارہ فیلو کرافٹ تو اس سازش سے تائب ہو گئے مگر تین اس کام کو مکمل کرنے کے لیے اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ انہوں نے معبد کے شمال، جنوب اور مشرق میں اپنی اپنی جگہ متعین کر لی۔ بارہ بجے، جب ہمارے آقا اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لیے آئے، تو خدا کی حاضری سے فارغ ہو کر جنوبی دروازے سے باہر جانے کی نیت سے دروازے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ پہلے باغی نے انہیں روکا، جس کے ہاتھ میں بھاری ''گرمالا'' (پلمب رول، لمبی چپٹی لکڑی جو پلستر کے لیے استعمال ہوتی ہے) تھا اور انہیں دھمکانے کے انداز میں تیسرے درجے کے رازوں کا مطالبہ کیا، انکار کی صورت میں قتل کی دھمکی بھی دی۔ اس پر ہمارے آقا نے جو حلفِ وفاداری سے پابند تھے، اسے کہا کہ مطلوبہ راز تین افراد کے مشترکہ کنٹرول میں ہیں۔ جب تک تینوں اکٹھے نہ ہوں، ایک کے بتانے سے بات مکمل نہیں ہوتی۔ تاہم اگر وہ جانتا بھی تو بتانے کے بجائے موت کو ترجیح دیتا۔

اس پر مشتعل ہو کر پہلے سازشی نے پلمب رول سے ان کے سر پر بھرپور حملہ کیا، سر تو بچ گیا مگر دائیں کندھے کو یہ ضرب زخمی کر گئی پھر یہ ضرب اچٹتی ہوئی بائیں گھٹنے کو بھی متاثر کر گئی [جب ترقی پانے والے امیدوار کو یہ کہانی سنائی جارہی ہوتی ہے تو اس کے کندھے اور گھٹنے پر علامتی ضرب لگائی جاتی ہے۔] اس حملے سے بچ کر آقا نے شمالی دروازے کا رُخ کیا، جہاں اسے دوسرے سازشی سے واسطہ پڑا اور اس کی دھمکی کے جواب میں وہی جواب پورے صبر واستقلال سے دیا گیا۔ جواب سے مشتعل ہو کر سازشی نے لیول سے شدید ضرب لگائی جس نے آقا کا بایاں کندھا بھی زخمی کر دیا، جس کے سبب آقا دائیں گھٹنے کے بل زمین پر جھک گیا [یہاں حلف اٹھانے والا گنہگار امیدوار قدموں کے بل جھک جاتا ہے۔] فرار کی یہ دونوں راہیں بند پا کر ہمارے آقا نے مشرق کا رخ کیا جہاں تیسرے سازشی سے واسطہ پڑا، جس کے ہاتھ میں لکڑی کا ہتھوڑا تھا۔ زخمی حالت میں بھی آقا نے پوری ہمت وجرأت کے ساتھ پہلا جواب ہی دہرایا جس پر اس سازشی نے آقا کے سر پر ہتھوڑا دے مارا۔ یہ ضرب اس قدر شدید تھی کہ آقا وہیں ڈھیر ہو گئے [جب کہانی یہاں تک پہنچتی ہے تو حلف اُٹھانے والا ترقی کا امیدوار مصنوعی طور پر مردہ ہو کر گر جاتا ہے اور کہانی سنانے والا ورشپ فل ماسٹر اسے داد دیتا ہے کہ اس نے عظیم کردار کی یاد تازہ کر دی۔ اب آگے کی داستان سنیے]

تعمیر اور فن تعمیر کے لیے آقا کا اچانک غائب ہو جانا ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔ سلیمان بادشاہ نے بہت سے ماہرین اور نگران حضرات کو اس خلا کے پُر کرنے پر متعین کیا اور ساتھ ہی ساتھ تمام عملے کو مزدوروں سمیت ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس موقع پر تینوں قاتل غائب پائے گئے اور پھر اسی دن ضمیر کی خلش سے مجروح سازش سے تائب ہونے والے بارہ کاریگروں نے رضاکارانہ طور پر سلیمان بادشاہ کے سامنے شریکِ سازش ہونے کا اقرار کرتے ہوئے اپنے تائب ہونے تک کے واقعات بیان کر دیے اور سازشیوں کی تفصیلات بتا دیں۔ اس صورتِ حال نے سلیمان بادشاہ کو اپنے سب سے بڑے ڈیزائنر کی جان کے خطرے سے چوکنا کر دیا لہٰذا اس نے کاریگروں میں سے پندرہ قابلِ اعتماد افراد کا چناؤ کیا کہ وہ اس بات کی ٹوہ لگائیں کہ حیرم آبیف زندہ ہے یا سازش

کرنے والوں کے ہاتھوں ختم ہو چکا ہے اور اس سے متعلقہ رازوں کا کیا بنا۔

پس ان پندرہ افراد نے اپنے آپ کو تین مختلف لاجوں میں بانٹ لیا [فری میسن کے مراکز کے لیے لاج کے لفظ کا استعمال یہاں سے لیا گیا ہے] اور معبد کے تینوں دروازوں سے الگ الگ راستے پر ہو لیے۔ کئی روز تک یہ سب بے کار بھٹکتے رہے۔ پھر ایک گروہ مقصد حاصل کیے بغیر پلٹ آیا۔ دوسرے گروہ نے بہت زیادہ مشقت اٹھائی اور ایک شام ان میں سے ایک شخص کو زمین میں تازہ دبی ہوئی شاخ ملی۔ اس نے تجسس سے شاخ کو اوپر کھینچتے ہوئے دوسرے ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ سب نے مٹی ادھر ادھر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آقا کی لاش دبی ہے اور بری طرح مسخ ہے۔ انہوں نے مناسب طریقے سے دوبارہ آقا کو دفن کرنے کے بعد قبر کی شناخت کے لیے سر کی سمت، اس جگہ کیکر کے درخت کی شاخ گاڑ دی۔ پھر انہوں نے تیزی سے یروشلم کا رُخ کیا تا کہ سلیمان بادشاہ کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کریں۔

بادشاہ نے یہ افسوسناک خبر سننے کے بعد ان کو واپس جا کر آقا کو بہترین تعظیم دینے کا حکم دیا اور یہ بھی بتایا کہ تعمیر کے سلسلے میں بیش بہا راز ضائع ہو چکے ہیں۔ تاہم یہ بھی تاکید کی کہ وہ موقع پر مزید علامات اور نشانات کی تلاش پر توجہ دیں۔ واپس جا کر انہوں نے پوری وفاداری سے قبر کو دوبارہ کھولا جبکہ ایک شخص نے جو چاروں طرف نظر رکھے ہوئے تھا، دیکھا کہ اس کے کچھ ساتھی اس حال میں ہیں کہ ڈرے سہمے اور چند لاش پر جھکے ماتھے کے بڑے زخم کو دیکھ رہے ہیں۔ بعد ازاں دو برادران نے آقا کو قبر سے اینٹرڈ اپرنٹس کے مصافحے کے انداز میں اٹھانا چاہا جو ناکام رہا، پھر انہوں نے فیلو کرافٹ کے مصافحے کا انداز آزمایا جو پہلے کی طرح ناکام رہا۔

پہلے اور دوسرے طریقے کی ناکامی کے بعد ایک زیادہ سمجھ دار برادر نے آقا کی کلائی کو مضبوطی سے پکڑا اور دوسرے برادران کے تعاون سے اسے فیلو کرافٹ کے پانچ نقاط پر اٹھا لیا [یہ تینوں اصطلاحات فری میسن کے مصافحے کے تین مختلف انداز کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ ہر ڈگری کا فری میسن الگ انداز میں مصافحہ کرتا ہے۔ اس کا تذکرہ اسی کتاب میں شامل ایک مضمون میں کیا جا چکا ہے۔] اس وقت سبھی نے "میکیناک" یا "مہابون" کا نعرہ بلند کیا۔ ان میں سے پہلے لفظ کا مطلب "معمار کی موت" ہے جبکہ دوسرے کے معنی مضروب برادر کے

ہیں۔سلیمان بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ پوری دنیا میں آیندہ کے لیے یہ دونوں الفاظ ماسٹر میسن بننے کے لیے مخصوص کر لیے جائیں [یہ سیدنا سلیمان علیہ السلام پر تہمت کے سوا کچھ نہیں۔]

یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ ہمارے آقا کو فنِ تعمیر میں استعمال ہونے والے کن اوزاروں سے ہلاک کیا گیا تھا تاہم یہ لیول، پلمب رول یا گرمالا اور بھاری ہتھوڑا تھے۔ماسٹر میسن لاج کی سجاوٹ کے لیے پورچ، کھلی کھڑکی اور مربع ٹائلوں کا فرش پسند کیے گئے ہیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ پورچ مقبرے میں داخلے کا راستہ ہے۔"ڈورمر" یا کھلی کھڑکی مقبرے میں روشنی کے لیے اور فرش، مقدس پیشوا کے قدموں تلے بطورِ احترام واعزاز۔ماسٹر میسن کے اوزار، اس انداز میں، ہمیں احکام بجالانے کی ترغیب کا ایک مستقل ذریعہ ہیں، یہ ایک مسلسل یاددہانی ہے کہ اس لاج کے اوپر ایک گرینڈ لاج کا کنٹرول ہے۔"

حضرات کرام! اس داستان سے آپ کو کسی حد تک یہ نام منتخب کرنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی ہو گی۔یہاں تک تو اس لفظ کے پس منظر کا تذکرہ تھا جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ فری میسن کی پہچان کیا ہے؟ تو یہ شاید ہماری فانی دنیا کا مشکل ترین سوال ہے اس لیے کہ آج کی اس (اکیسویں صدی) دنیا میں کروڑوں لوگ ایسے ہوں گے جو پوری طرح اس تنظیم کے "خواص" میں داخل ہیں لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ وہ اس "معروف تنظیم" کے کارکن یا عہدے دار ہیں تو وہ اس کا فی الفور انکار کر دیں گے اور ایسا کرنے میں وہ ایک حد تک درست اور حق بجانب ہوں گے اس لیے کہ اس "معروف نام" سے ان کی وابستگی نہیں ہوتی بلکہ اس کے اس طبقے (Outfit) سے ہوتی ہے جس کا نام بظاہر "فری میسن" نہیں ہوتا، اس لیے اس کے پیروکار، مشرکانہ کام کرنے والے [ایمان اور روپیہ لوٹنے والے سفلی عامل، جادوگر، جعلی پروفیسر، شعبدہ باز وغیرہ۔] سیاسی نظریات والے [مثال کی ضرورت نہیں]، اصلاحِ معاشرہ والے [عاصمہ جہانگیر]، خدمت خلق والے [این جی اوز]، دینی و مذہبی کام کرنے والے [اسرائیلی مولوی، علمائے سوء کی تین قسمیں: درباری مُلّا، نیم مُلّا اور کٹ مُلّا] روحانی کام کرنے والے [عظیمی صاحب، گوہر شاہی وغیرہ] سبھی ہو سکتے ہیں لیکن ایسا

ہوتے ہوئے بھی ان کی اصلی وابستگی دراصل اسی ''دجالی تنظیم'' سے ہوتی ہے۔

''بیعت کردہ اخص الخواص'' کے علاوہ فری میسن جب یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس عمل میں یا ان رسوم وآداب میں جن پر ہم عمل پیرا ہیں کوئی چیز قابلِ اعتراض نہیں تو وہ اپنے علم کی حد تک درست کہتے ہیں، اس لیے کہ انہیں ایسا ہی بتایا گیا ہے اور ''اخص الخواص'' لوگوں کے علاوہ کسی اور کو اس کی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں مذہب بدلنا چونکہ کوئی مسئلہ نہیں ہوتا اس لیے یہ لوگ عیسائی طبقات میں عیسائی نام، عیسائی روایات، عیسائی رسوم اور عیسائی طور طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔ مسلم طبقات میں ان کے مسلم نام، مسلم روایات، مسلم رسوم اور مسلم مراجع اور مشرک معاشرے میں مشرکانہ نام، مشرکانہ رسوم اور مشرکانہ طور طریقے ہوتے ہیں اور ان کے مابین جوڑنے والی کڑی ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو بظاہر عام اور ناقابلِ اعتراض نظر آئیں۔ مثلاً: جیسا آکسفورڈ ڈکشنری کی تعریف میں درج ہے:

Established for mutual help and fellowship'

یا مثلاً: Brotherhood, Friendship, Help, Humanity and simplicity بھائی چارگی، دوستی، مدد، انسانیت اور سادگی یا جیسا کہ ایک فری میسن ریاست کے دستور میں ملتا ہے:

Liberty, Equality, Fraternity & Human Rights

ترجمہ: آزادی، مساوات۔ بھائی چارگی اور انسانی حقوق [اگر اس ریاست کے باشندے اپنے ملک کو فری میسن ریاست کہنے پر برا منائیں تو ان سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ اپنے ملک کی کرنسی کے ایک ڈالر کے نوٹ پر درج نامعلوم زبان کے الفاظ اور نامانوس علامات خصوصاً اکلوتی آنکھ کا مطلب بتا دیں۔] یہ سارے بے ضرر الفاظ درحقیقت پردہ ہوتے ہیں اور دھوکا اور سراب کا کام دیتے ہیں۔ چنانچہ اس تنظیم کا اصلی ڈھانچہ اور اس کے عقائد تو سالوں سے قائم ہیں لیکن اس کے نام، اس کی روایات (Legend) اس کی رسوم (Rituals) اور اس کے مراجع (Points of Reverence) فرد بہ فرد، قوم بہ قوم، علاقہ بہ علاقہ اور عہد بہ عہد بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں چند لاکھ سے زیادہ

لوگ ایسے نہیں ہوں گے جو علانیہ طور پر فری میسن ہونے کے دعوے دار ہوں۔ یہ لوگ دراصل وہ اخص الخواص ہیں جو علانیہ فری میسنری جانے جاتے ہیں ورنہ اس وقت دنیا میں دس ہزار سے زائد مذہبی، روحانی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، قانونی، تمدنی، سائنسی، علمی، تہذیبی، لسانی، ادبی، عسکری، ثقافتی، علاقائی، عالمی بڑے طبقات ایسے قائم ہیں جن کے الگ الگ اور بالکل مستقل تشخصات ہیں لیکن وہ دراصل اسی فری میسنری کی شاخیں اور طائفے (Outfit) ہیں۔ اس طرح اس وقت کل ملا کر ایسے Outfits کی مجموعی تعداد روئے ارض پر دس لاکھ سے زائد ہے جن کے پیروکاروں کی مجموعی تعداد تو اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

ممکن ہے یہاں پہنچ کر عام قارئین سوچتے ہوں کہ اس داستان گوئی کا کیا فائدہ؟ لیکن بات یہ ہے کہ فری میسنری تنظیم صہیونیت کے مقاصد کی تکمیل کے لیے وجود میں آئی ہے اور صہیونیت چونکہ اسلام اور مسلم دشمنی کا دوسرا نام ہے اس لیے اس کا اصل ہدف مسلمان اور بالخصوص اہلِ پاکستان ہیں لہٰذا ہمیں اس کے مقاصد اور طریق کار جانے بغیر چارہ نہیں۔ مضمون کے آغاز میں ان مقاصد کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ اس کا آخری ہدف صہیون کے پہاڑ پر دجال کے قصرِ صدارت کی تعمیر ہے جو گنبد صخرہ کو معاذ اللہ ڈھا کر تعمیر کیا جائے گا۔

اب سمجھا جا سکتا ہے کہ غیر تسلیم شدہ ملک یہ حرکت کرے گا تو عالمِ اسلام میں کیسی آگ لگے گی اور تسلیم شدہ ایسا کرے گا تو اس خوفناک واقعے کی سنگینی کتنی کم ہو جائے گی؟ یہ تو آخری ہدف ہوا۔ اس کا پہلا ہدف دنیا کے ہر شخص کے منہ، پیٹ، کان، آنکھ اور دماغ میں حرام خوری، موسیقی اور فحش مناظر کے ذریعے حرام ٹھونسنا اور عریانی فحاشی، جنسی انارکی کے ذریعے شرم گاہ کو حرام میں ملوث کرنا ہے تاکہ جب خیر ختم ہو جائے تو ہر طرف شر ہی شر اور فتنہ ہی فتنہ ہو۔ کسی کو اس میں شک ہو تو اس سے درخواست ہے کہ وہ فری میسنری کا تازہ ترین ایجنڈا پڑھ لے۔ اگر اسے اپنے گرد و پیش میں وہی کچھ ہوتا نظر آئے جو اس میں درج ہے تو سمجھ لیجیے کہ بقیہ خدشات بھی درست ہیں۔

فری میسنری کا موجودہ ایجنڈا

تکلف برطرف!

تبلیغی جماعت کے احباب نے (آپ تکلف برطرف رکھیں تو "تبلیغی بھائیوں نے" کہہ لیں) ایک مرتبہ پھر اپنی شیریں بیانی، خلوص قلبی، بے لوث تڑپ وکڑھن اور موثر حکمت عملی کا شاندار ثبوت دیتے ہوئے اسلام کا وہ چہرہ دنیا کو دکھانے میں کامیابی حاصل کی ہے جو غیر مسلموں اور دین سے دور مسلمانوں کے لیے سایۂ رحمت، دلوں کی ٹھنڈک، آنکھوں کا سرور اور چشمۂ آب حیات ہے۔ ہمارے نومسلم بھائی محمد یوسف (یوسف یوحنا) کا اسلام قبول کر لینا بلاشبہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام اپنے تمام تر حسن و جاذبیت، روحانی کشش، بند دماغوں پر دستک دینے اور دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی غیر معمولی صلاحیت کے ساتھ آج بھی زندہ وتابندہ ہے۔ بس ہم جیسے کم نصیبوں اور کوتاہ عملوں نے اس کے خوبصورت چہرے کو داغدار اور اس کے قدرتی حسن اور فطری جاذبیت کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر رکھا ہے۔ یوسف بھائی! آپ کو اسلام کے دامن میں آمد مبارک ہو! جن بلند ہمتوں نے آپ تک اسلام کی دعوت دل کی تڑپ کے ساتھ خوبصورت انداز میں پہنچائی، ان کو بھی صد ہا مبارکباد! آپ نے موجودہ دور کے مسلمانوں سے بین السطور میں جو شکوہ کیا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ وہ درست ہے اور ہم سب اس پر شرمندہ ہیں۔

آمدم برسر مطلب!

اب ہم اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ آج سے تقریباً سوا سو برس قبل دنیا بھر کے صہیونی داناؤں اور چوٹی کے منصوبہ سازوں نے اپنے خفیہ مقاصد کی تکمیل اور اہداف تک (یہ ہدف صرف اور صرف ایک ہے یعنی: صہیونی ریاست کا قیام اور پھر اس کو مرکز بنا کر

پوری دنیا پر نیو ورلڈ آرڈر یعنی ''عالمی دجالی نظام حکومت'' مسلط کرنا) رسائی کے لیے جو منصوبے ترتیب دیے تھے، وہ انیسویں صدی کے اوائل میں اتفاقیہ طور پر آشکارا ہو گئے تھے اور ایک جی دار نامہ نگار کی ہمت اور حوصلے کے سبب دنیا کے سامنے کتابی شکل میں آ گئے تھے۔ ان تجاویز اور منصوبوں کے مجموعے کو انگلش میں ''پروٹوکولز'' کہا جاتا ہے۔ اُردو میں اب تک مختلف ناموں سے اس کے پانچ ترجمے آ چکے ہیں: ''تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ''، ''صہیونی داناؤں کے خفیہ منصوبے''، ''وثائق یہودیت'' وغیرہ وغیرہ۔ ان ترجموں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ابتدا میں جو دو ترجمے ہوئے ان کے مصنفین حیرت انگیز طور پر غیر طبعی موت (جسے ہم لوگ شہادت کہتے ہیں) سے دوچار ہوئے۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن ''عالمی دجالی ریاست کا یہودی منصوبہ'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ بعد کے مترجمین چونکہ کوئی نیا انکشاف نہیں کر رہے تھے، اس لیے وہ اس اعزاز (یا سزا) کے مستحق نہ سمجھے گئے۔ اس کا جو پہلا ترجمہ روسی زبان سے انگلش میں ہوا اس کے مترجم کو بھی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ اس کے بعد یہ کتاب ''پروٹوکولز'' کے نام سے عام چھپ رہی ہے۔ اب ان کو اصلی ایجنڈا کہا جائے یا جعلی شوشہ لیکن اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ گزشتہ سو سال کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ دنیا بھر میں ہوا وہی کچھ جو اس مجموعے میں درج تھا۔ کیا اس کو محض اتفاق کہا جا سکتا ہے؟ اور کیا کوئی ایک شخص اتنا ذہین ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر میں سیاست، معیشت، عسکریت اور تعلیم میں ہونے والی سرگرمیوں کے پس منظر کو مربوط منصوبوں کی لڑی میں پرو دے؟ قرائن یہ کہتے ہیں کہ انتہائی ذہانت، باریک بینی اور عرق ریزی سے تیار کی گئی یہ قراردادیں، تجاویز اور منصوبے چند اعلیٰ ترین دماغوں کی اعلیٰ درجے کی کاوشوں کا شاہکار ہیں۔ چونکہ ان کا دائرہ پوری دنیا تک پھیلا ہوا ہے تو یہ کہنا ہرگز مشکل نہیں کہ صرف یہودی ہی وہ قوم ہے جو پوری دنیا کی چابیاں اپنے گچھے میں ڈالنے کی کوشش میں ہے اور اس گچھے کو وہ (حضرت) داؤد بادشاہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی نسل میں سے ہونے والے ایک عالمی حکمران کی تحویل میں رکھنا چاہتی ہے جو (گنبد صخرہ کے نیچے موجود) مقدس چٹان پر بے داغ سرخ کھال والے بچھڑے کی قربانی

دوبارہ شروع ہونے کے بعد ظاہر ہوگا اور پوری دنیا پر حکومت کرے گا۔ ذیل میں یہود کے سرمائے سے چلنے والے ایک امریکی تھنک ٹینک ''رینڈ کارپوریشن'' (Research and Development Corporation) کی تیار کردہ ایک رپورٹ کا خلاصہ دیا جا رہا ہے۔ اس کو پروٹوکولز کی دوسری قسط یا جدید پروٹوکولز کہہ سکتے ہیں۔ درمیان میں قوسین کے علاوہ ساری باتیں انہی ''جدید پروٹوکولز'' سے لی گئی ہیں اور خلاصہ ان کا یہ ہے کہ اسرائیل کا قیام ان صہیونی منصوبہ سازوں کا سابقہ ہدف تھا اور اس کا استحکام ان کا تازہ ترین ہدف ہے جس کے لیے عالمِ اسلام سے اسرائیل کو تسلیم کروانا ضروری ہے۔ ذیل میں اس رپورٹ کے اہم نکات پیشِ خدمت ہیں۔ اس مضمون میں ان سے صرف وہی حصہ دیا جا رہا ہے جس کا تعلق عالمِ اسلام کے اندر رُوبہ کار لائے جانے والے تغیرات سے ہے۔ ملاحظہ فرمایئے دنیا نے ہمیں مسخر کرنے کے لیے کیسے کیسے منصوبے بنا رکھے ہیں؟

☆......☆......☆

دنیا ہمارے بارے میں کیا سوچتی ہے؟

''اس میں شبہ نہیں کہ اسلام اس وقت ایک غیر یقینی اور ہیجانی دور سے گزر رہا ہے۔ اسے اندرونی اور بیرونی دونوں اطراف سے اپنی اقدار، شناخت اور دنیا میں اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے ایک شدید کشمکش کا سامنا ہے۔ اسلام کے مختلف طبقاتِ فکر اپنے اپنے طور پر فکری اور اساسی بالادستی کے لیے کوشاں ہیں۔ اس کشمکش کی وجہ سے دیگر اقوامِ عالم کی معیشت، سیاست اور حفاظتی نظام پر بھی سخت منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں، چنانچہ اقوامِ مغرب اس صورتِ حال کو سمجھنے اور اس کے نتائج کو پرکھنے اور ان پر اثر انداز ہونے کی کوششیں تیز کر رہی ہیں۔

ظاہر ہے امریکا، دیگر ترقی یافتہ قومیں اور تمام بین الاقوامی برادری ایک ایسی اسلامی دنیا پسند کریں گے جو باقی ماندہ دنیا کے نظام سے میل کھاتی ہو، جمہوریت پسند ہو، سیاسی اور معاشرتی طور پر ترقی پسند ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ اسلامی دنیا باقی دنیا کے قوانین اور

اقدار کو مانتی ہو۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مختلف معاشروں کے درمیان تصادم کو روکیں۔ چاہے وہ مغرب کی مسلم اقلیتوں اور وہاں کی غیر مسلم اکثریت کے درمیان بڑھتا ہوا کھچاؤ ہو یا مسلم دنیا میں بڑھتی ہوئی حربیت اور دہشت گردی کے عوامل واثرات ہوں۔

اس صورتِ حال میں یہ بالکل مناسب ہوگا کہ اسلامی دنیا میں موجود ایسے لوگوں اور طبقوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو عالمی برادری کے مزاج سے میل کھاتے ہوں، عالمی امن کے حامی ہوں اور جمہوریت اور ترقی پسندی کو دوست رکھتے ہوں۔ ایسے طبقات اور افراد کی ٹھیک ٹھیک شناخت کرنا اور ان کی امداد اور حوصلہ افزائی کے بہترین طریقے ڈھونڈنا کافی مشکل کام ثابت ہوگا۔

اس وقت ہم مسلمانوں کو چار بڑے گروہوں میں بانٹ سکتے ہیں:

(1)...... بنیاد پرست:

ایسے مسلمان جو جمہوریت اور مغربی کلچر کو مسترد کرتے ہیں۔ وہ ایک سخت گیر اسلامی نظامِ خلافت چاہتے ہیں جو اسلامی قوانین اور معاشرتی اصولوں کو خالص شرعی بنیادوں پر نفاذ کر سکے۔ اس مقصد کے لیے وہ جدید ٹیکنالوجی اور نئی سوچ کو اپنانے کے حق میں بھی ہیں۔

(2)...... قدامت پسند:

وہ مسلمان جو ایک خالص اسلامی معاشرہ چاہتے ہیں اور جدید زمانے کی ہر چیز اور تبدیلی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(3)...... جدت پسند:

ایسے مسلمان جو اسلامی دنیا کو جدید ترقی یافتہ دنیا کا حصہ دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے اسلام کے عقائد اور قوانین کو زمانے کے مطابق تبدیل کرنے کے حق میں ہیں۔

(4)...... لادین سیکولر:

وہ ''نام کے مسلمان'' جو معاشرے کو الگ الگ خانوں میں رکھنا اور مذہب کو ہر شخص کا ذاتی معاملہ قرار دینا چاہتے ہیں۔

یہ چاروں گروہ ایسے تمام بنیادی معاملات کے بارے میں اپنا الگ الگ نقطۂ نظر رکھتے ہیں جو اس وقت اسلامی دنیا میں زیرِ بحث ہیں، مثلاً: سیاسی اور شخصی آزادی، تعلیم، خواتین کا مقام، جرم وانصاف، تبدیلی اور جدت کی اہمیت اور مغرب سے متعلق رویہ وغیرہ وغیرہ۔

تمام بنیاد پرست مغرب اور خصوصاً امریکا کے دشمنی کی حد تک مخالف ہیں اور ان کی جدید جمہوریت کو نقصان پہنچانے یا تباہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ہمارے لیے ان کی مدد یا حوصلہ افزائی کرنا ظاہر ہے بالکل غلط ہوگا۔ ہاں! ایک صورت میں یہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جب ان بنیاد پرستوں سے کچھ خاص قسم کے مقاصد حاصل کرنے ہوں یا انہیں اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا ہو۔ قدامت پرست عام معتدل رویہ رکھتے ہیں مگر ان کے مختلف طبقاتِ فکر کے درمیان آپس میں بھی کافی اختلافات ہیں۔ ان میں سے کچھ بنیاد پرستوں کے کافی قریب ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی جدید جمہوریت کو دل سے پسند نہیں کرتا اور نہ ہی جدید مغربی معاشرہ کی اقدار کو۔ ہم ان قدامت پرستوں کے ساتھ صرف ایک محدود قسم کا باہمی مفاہمت والا تعلق ہی قائم کر سکتے ہیں۔

جدت پسند اور سیکولر دونوں گروہ مغربی اقدار اور پالیسیوں سے قریب تر ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ دونوں پہلے دو گروہوں کے مقابلے میں سہولتوں کے اعتبار سے بہت کمزور ہیں اور ان کا عوامی رابطہ نظام بھی ناکافی ہے۔ خاص طور پر سیکولر طبقہ تو اپنے آزادانہ اور غیر اسلامی خیالات کی وجہ سے عام لوگوں میں خاصا ناپسند ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ کھل کر اپنے خیالات کا پرچار کرنے سے ڈرتا ہے۔

دینِ اسلام اپنی خالص اور روایتی شکل میں کئی ایسے تعلیمات کا حامل ہے جو بنیاد پرستوں کے خلاف استعمال تو کی جا سکتی ہیں مگر قباحت یہ ہے کہ پھر یہ بنیادی اسلامی تعلیمات جمہوریت سے میل نہیں کھائیں گی۔ اس لیے مناسب یہ ہوگا کہ اس کام کا بیڑا جدت پسند مسلمانوں کے ذمے ڈال دیا جائے۔ اس میں کچھ تحفظات ہیں جن کا جائزہ ہم

اس رپورٹ میں آگے چل کر لیں گے۔

اسلامی دنیا میں اصل جمہوریت، جدیدیت اور باقی ماندہ دنیا سے مل جل کر رہنے کی فضا پیدا کرنے کے لیے امریکا اور اقوامِ مغرب کو بہت باریک بینی اور ہوشیاری سے اس بات کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ ان عناصر میں سے کس کا ہاتھ مضبوط کریں؟ ہمیں جائزہ لینا ہوگا کہ مسلمانوں کے ان گروہوں میں کون سا گروہ ایسا ہے جو امریکا اور مغرب کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے سب سے بہتر رہے گا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل طریقۂ کار شاید سب سے زیادہ کارگر ثابت ہو:

☆ جدت پسندوں کو سب سے پہلے سپورٹ کیا جائے۔

☆ ان کے خیالات اور تحریروں کو انتہائی رعایتی نرخوں پر چھاپا اور تقسیم کیا جائے۔

☆ انہیں عوام الناس اور بچوں کے لیے لکھنے پر اکسایا جائے۔

☆ ان کے خیالات اور تحریروں کو اسلامی تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے۔

☆ انہیں عوامی رابطے کے پلیٹ فارم مہیا کیے جائیں۔ [ٹی وی چینلز، ویب سائٹس وغیرہ]

☆ ان کے فتوؤں اور خیالات کو عوام تک پہنچانے کے لیے زیادہ سہولتیں اور مواقع دیے جائیں۔ [انہیں مختلف فورموں میں مدعو کیا جائے اور غیر مسلموں کے ساتھ مصنوعی مناظرے کروائے جائیں]

☆ لادینیت اور سیکولرازم کو مسلمان نوجوان طبقے کے لیے ایک متبادل سوچ کے طور پر پیش کیا جائے۔ (اس کے لیے تعلیمی اداروں کا رُخ کیا گیا اور نصاب اور ماحول میں "تبدیلیاں" لائی گئیں)

☆ اسلام کے ظہور سے پہلے کی تاریخ اور معاشرہ کو [یعنی زمانۂ جاہلیت کی تاریخ کو] خوبصورت بنا کر اسلامی ملکوں کے میڈیا اور تعلیمی نصاب میں اُجاگر کیا جائے۔ [چنانچہ مصر کے وہ عوام جو اس سازش کا شکار ہوئے اپنا تعلق فرعونوں سے جوڑنے میں اور سندھ کے

عوام راجہ داہر کو اپنا مورث اعلیٰ بنانے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں۔]

☆ ایسی آزاد تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو مغربی معاشرے کی خوبیاں عام لوگوں کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کریں اور انہیں اپنانے کی طرف مائل کریں۔ [مثلاً: این جی واز اور انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیمیں]

☆ بنیاد پرستوں کے مقابلے میں قدامت پرستوں کی مدد کی جائے۔

☆ قدامت پرستوں کے اپنے نظریات کا پرچار کیا جائے جو بنیاد پرستوں کو دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دیتے ہوں اور دونوں گروہوں کے اختلافات کو ہوا دی جائے۔ [اس کا ایک ذریعہ صوفی ازم کی غلط تشریح کا پرچار ہے]

☆ قدامت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے درمیان کسی صورت میں اتفاق واتحاد پیدا نہ ہونے دیا جائے۔

☆ جدت پسندوں اور ایسے قدامت پسندوں کے درمیان جو جدت کو زیادہ پسند کرتے ہوں، افہام وتفہیم کی فضا پیدا کی جائے۔

☆ جہاں جہاں مناسب ہو، قدامت پسندوں کی ایسی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے کہ وہ بنیاد پرستوں کے نظریات کا توڑ زیادہ بہتر طور پر کر سکیں۔

☆ بنیاد پرست عام طور سے اسلامی علوم اور تحریر وتقریر میں زیادہ بہتر ہوتے ہیں جبکہ قدامت پسند اسلام کے صرف عمومی پہلوؤں سے ہی واقف ہوتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں، چنانچہ خصوصاً ان قدامت پسندوں کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ بنیاد پرستوں کا مقابلہ بہتر طور پر کر سکیں۔ [جامعہ ازہر اور کچھ دیگر عرب یونیورسٹیوں کے تیار کردہ "دکتور" حضرات اس کی بہترین مثال ہیں]

☆ اس معاملہ کا بہت گہرا تعلق مالی امداد سے ہے۔ مثلاً: وہابیوں کی دولت، حنبلی مسلک والوں کی امداد کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ اس کا تعلق علمی استعداد سے بھی بنتا ہے۔ مثلاً: اسلامی دنیا کے پسماندہ علاقوں کے لوگ اسلامی قوانین اور ان پر عملدرآمد کی اتنی

سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔

☆ نیم اسلامی صوفی ازم کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اسے مقبول کیا جائے۔

☆ بنیاد پرستوں کی مخالفت اور مقابلہ کرنے کے لیے:

- ان کی اسلامی سمجھ بوجھ کو غلط ثابت کیا جائے اور اخلاقی مسائل کو بہت بڑھا چڑھا کر اُچھالا جائے۔

- بنیاد پرستوں کا تعلق لاقانونیت اور غیر قانونی گروہوں سے ثابت کیا جائے۔

- میڈیا میں بنیاد پرستوں پر جھوٹے الزام لگا کر ان کا زور وشور سے پرچار کیا جائے۔ (تاکہ ان پر بے جا پابندیاں لگائی جاسکیں)

- یہ ظاہر کیا جائے کہ بنیاد پرست حکومت کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور نہ ہی اپنے لوگوں کی ترقی اور خوشحالی کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ [مثلاً یوں پروپیگنڈا کیا جائے: دینی مدارس کے فضلاء معاشرے کے لیے بے کار ہیں۔ ان کے پاس کوئی انقلابی نظام نہیں۔ وغیرہ وغیرہ]

- ایسے تمام الزامات لگا کر ان کا پرچار زیادہ سے زیادہ نوجوانوں، خواتین اور مغرب میں مقیم مسلمانوں کی سوسائٹی میں کیا جائے تاکہ وہ بنیاد پرستوں سے نالاں ہو جائیں۔

- بنیاد پرستوں کی کارروائیوں کو بزدلانہ قرار دیا جائے تاکہ لوگ انہیں ہیرو کے بجائے شیطان سمجھیں۔ [مجاہدین اسلام کی بہادری اور کارناموں کو غلط رنگ دے کر پیش کیا جائے]

- صحافیوں کو ایسی رپورٹنگ کی ترغیب دی جائے جو بنیاد پرستوں کو رشوت خور، بے ایمان اور مجرم ثابت کرتے ہوں۔ [علمائے کرام کے خلاف ڈس انفارمیشن کی مہم]

- خود بنیاد پرستوں میں مختلف طبقات پیدا کیے جائیں اور ان کے اختلافات کو ہوا دی جائے۔

- بے دین اور سیکولر ذہن رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
- بنیاد پرستوں کو مشترکہ دشمن کے طور پر پیش کیا جائے۔
- سیکولر لوگوں کے تعلقات امریکا مخالف تنظیموں سے قائم نہ ہونے دیے جائیں۔
اس کے لیے قوم پرستی اور وطن یا علاقہ پرستی کو فروغ دیا جائے۔
- اس سوچ کی کھلم کھلا سرپرستی کی جائے کہ اسلام میں بھی مذہب اور حکومت دو الگ الگ چیزیں ہیں اور اس سے کسی کے ایمان اور دینی عقائد پر کوئی آنچ نہیں آتی بلکہ وہ اور زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا تجویز کردہ طریقوں کو الگ الگ بھی اور ملا کر بھی استعمال کرنا ہوگا۔ امریکا کے پالیسی سازوں کو ان طریقوں کا بھی اور اسلامی دنیا کے ایسے لیڈروں کا بھی بہت خیال رکھنا ہوگا جو امریکا اور مغرب کے لیے کام کرتے ہیں۔ اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ کہیں ان طریقوں پر عمل کرنے سے ان ہی لوگوں اور طبقوں کو نقصان نہ پہنچ جائے جو ہمارے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں یا جنہیں ہم فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔''

☆......☆......☆

تو جنابِ من! یہ ہے اس عالمی تنظیم کے تازہ ترین ایجنڈے کا خاص حصہ جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ یہ تنظیم اسلامی ممالک میں آج بھی پوری طرح سرگرم ہے اور اس کے ''برادرز'' اور ''ماسٹرز'' حالات کا ادراک رکھنے اور مستقبل کی مربوط منصوبہ بندی کی امتیازی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام حقائق مسلم زعما کے لیے کھلا چیلنج ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہے کوئی جو اس چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت کرے؟؟؟

فری میسن: تعارف وطریق کار

یہودی تحریکوں، تنظیموں، اداروں اور حلقوں کا بالتفصیل ذکر در کنار، سرسری ذکر بھی ایک نشست میں ممکن نہیں، لہٰذا اتمام سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ایک تحریک کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان تمام میں سب سے زیادہ خفیہ، سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ تحریک ہے انٹرنیشنل فری میسنری یعنی ''بین الاقوامی فری میسن تحریک'' (INTERNATIONAL FREE MASONIRY) انٹرنیشنل فری میسنری سے مراد کوئی ایک تحریک یا تنظیم نہیں، اس نہج پر دنیا میں سیکڑوں تحریکیں، تنظیمیں اور حلقے قائم ہیں۔ فری میسن تحریک سرتاپا خفیہ تحریک ہے۔ اس کا اصل دائرۂ کار اعلیٰ طبقات ہیں۔ بادشاہان، شہزادے، امرا (موجودہ جمہوری نظام میں صدر مملکت، وزیر اعظم، فوجی افسران، بڑی مذہبی شخصیتیں، بڑے تاجر اور صاحب اثر لوگ) ان کے خاص ہدف ہوتے ہیں۔ ہر ملک میں اس کے مراکز ہیں جو لاج کہلاتے ہیں۔ مختلف آزمائشوں (TESTS) سے گزرنے کے بعد ہی کسی کو لاج کا مستقل رکن بنایا جاتا ہے۔ اس رکنیت کے کئی مدارج ہیں جو ''ڈگری'' کہلاتے ہیں۔ ہر ڈگری کی رکنیت کے لیے کچھ شرائط ہیں اور ہر ڈگری کا رکن صرف اپنے برابر کی ڈگری والوں سے ہی ربط ضبط رکھ سکتا ہے اس درجہ بندی پر اس قدر سختی سے عمل کیا جاتا ہے کہ ایک ڈگری کا رکن دوسری ڈگری کے رکن کے مقاصد اور خفیہ منصوبوں سے کسی طرح آگاہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اونچے درجے کے اراکین کے مقاصد دوسرے اراکین سے خواہ ان کی پوری زندگی فری میسن تنظیم کے رکن کی حیثیت سے گذری ہو، انتہائی خفیہ اور رازداری میں رکھے جاتے ہیں۔

اس تنظیم کا طریقۂ کار اتنا خفیہ ہے کہ اس کے بارے میں معلوم کرنا بہت مشکل ہے،

لاجوں کی روئدادیں غیر معمولی طور پر خفیہ اور انتہائی رازداری میں رکھی جاتی ہیں اور ان کے اراکین کے علاوہ کسی اور کو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی۔

بہت چھان بین کرنے کے بعد مختلف ذرائع سے جو معلومات حاصل کر کے یکجا کی جاسکی ہیں ان کے مطابق لاج کے اراکین ایک دوسرے سے خفیہ کوڈ میں بات چیت کرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو اپنے خفیہ اشاروں اور خفیہ الفاظ کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی برادری کے اراکین کے دروازے کھٹکھٹانے کا بھی ان کا ایک مخصوص انداز ہے اور یہ دنیا کے کسی حصے میں بھی چلے جائیں ایک دوسرے کو بہ آسانی شناخت کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی فری میسن بیرون ملک سفر کرے تو اسے اپنے آدمی پہچاننے کے لیے کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سوشل اجتماعات، جلسوں یا تقریبات میں مختلف ملکوں میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے کو بغیر کسی دشواری اور بغیر کوئی لفظ منہ سے نکالے صرف اپنے ہاتھ یا جسم کے خفیہ اشاروں کی زبان سے پہچان جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا ایک عام اشارہ مثلث کا نشان ہے۔ اگر کسی اجنبی ماحول میں کوئی فری میسن یہ معلوم کرنا چاہے کہ وہاں اس کی برادری کے اور کتنے افراد موجود ہیں یا کسی اجنبی ماحول میں وہ خود اپنی شناخت کرانا چاہے تو وہ صرف اپنی انگلیاں اپنے کوٹ یا واسکٹ کے بٹنوں کے درمیان رکھ کر ایک طرف اپنی انگلیوں سے مثلث بنائے اور دوسری طرف اپنے کوٹ کے دامن پر ایسی مثلث بنائے تو ''برادری'' کے تمام اراکین جو اس جگہ موجود ہوں گے اسے فوراً شناخت کر لیں گے اور انہیں ایک دوسرے سے متعارف ہونے کے لیے کوئی لفظ منہ سے نکالنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

فری میسن عام طور پر ملک کے اعلیٰ افسران کو اپنا رکن بناتے ہیں یا غیر ملکی بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکان اور عہدیداروں کو...... رکن بننے کے لیے کسی خاص رنگ، مذہب، نسل یا قومیت کی قید نہیں ہے۔ کسی بھی ملک کے مطلب کے شہریوں کو رکن بنانے کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور اس کے بعد مخصوص نظام اور تربیت کے ذریعے انہیں اپنے ڈھب پر لایا جاتا ہے۔

ان لوگوں کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ انہیں یہ پتا بھی نہیں چلتا کہ انہیں کس

مقصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ برادری کے اراکین کے درمیان زبردست جذبہ، محبت اور ہمدردی پیدا کردی جاتی ہے۔ محض لاج کی رکنیت کسی سرکاری افسر کے لیے اس کا حقدار بنادیتی ہے کہ اسے دوسرے افسران کے مقابلے میں جلدی ترقی ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ لاج کے اراکین میں صرف ایک آدھ یہودی ہو یا ممکن ہے کہ اس میں ایک بھی یہودی نہ ہو لیکن اس کی تنظیم اس طرز پر کی گئی ہے کہ یہ بالآخر عالمی صہیونیت کے مقاصد کی خدمت کرتی ہے۔

کسی خفیہ تنظیم کی مطلق العنانی، جسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، پس پردہ کام کرنے کی وجہ سے زیادہ بے ضمیر ہوتی ہے۔ یہ تنظیم خود پس پردہ رہ کر اپنے گماشتوں کے ذریعہ کام چلاتی ہے جنہیں حسب ضرورت تبدیل کیا جاسکتا ہے، ان کے چہرے بدلنے سے تنظیم کو نقصان کے بجائے الٹا فائدہ ہوتا ہے۔ مستقل تبدیلیاں کرنے کی وجہ سے کچھ لوگوں کو منظر سے ہٹا کر دوسروں کو ان کے متبادل کے طور پر لے آیا جاتا ہے۔ اس سے نئے کام کے لوگ بھی ہاتھ آتے رہتے ہیں اور پرانے کارکنوں میں اپنی جگہ برقرار رکھنے کے لیے جذبۂ مسابقت پروان چڑھتا ہے اور وہ دیا گیا ہدف پورا کرنے کے لیے پوری لگن اور دلجمعی سے کام کرتے ہیں۔

ایسی قوت کو جو نظر ہی نہ آتی ہو شکست دینا کافی مشکل ہے، اس تنظیم کی قوت بعینہ یہی ہے۔ فری میسن کے غیر یہودی افراد جنہیں علم ہی نہیں ہوتا کہ کس کے لیے کام کر رہے ہیں، اپنی لاعلمی کی وجہ سے اندھوں کی طرح یہودیوں کی خدمت اور ان کے مقاصد کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ اس تنظیم کے طویل المیعاد منصوبے، اصل اہداف یہاں تک کہ تنظیم کے مرکز کا محل وقوع تک ان لوگوں کے لیے ایک نامعلوم سربستہ معمّا ہی رہتا ہے۔

فری میسن کے اغراض و مقاصد

اب ہم یہاں فری میسن تنظیم کے اغراض و مقاصد اور طریق کار کے متعلق خود یہودیوں کی مرتب کی ہوئی ایک خفیہ ترین دستاویز سے اقتباسات پیش کرتے ہیں جس کا نام چونکہ یہ دستاویزات انتہائی اہم ہیں اور آیندہ اس مضمون میں ان کا جابجا حوالہ دیا جائے گا، اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے ان کا مکمل پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔ قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ جہاں بھی ان دستاویزات کا حوالہ آئے، اس کو عام تحریر سمجھ کر نہ پڑھا جائے۔ ان کے مندرجات بہت غور و فکر اور تجزیہ کے متقاضی ہیں اور ان کے مضمرات سمجھنے کے لیے انہیں بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔ یہودیوں کے بہترین دماغوں کی مرتب کی ہوئی ان خفیہ دستاویزات کو 1897ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل (BASLE) میں پہلی عالمی یہودی کانگریس کے موقع پر مرتب و منظور کیا گیا۔ اس کانگریس میں یہودی مفادات کے لیے ساری دنیا میں اپنے گماشتوں کے ذریعے حصول اقتدار، تخریب کاری، انقلابات، ارتکازِ دولت اور اسی قسم کے دوسرے منصوبے ترتیب دیے گئے جن میں اسرائیل کا قیام و استحکام سرفہرست تھا۔ ان منصوبوں کے رہنما خطوط اور تفصیلات مرتب کر کے ضبطِ تحریر میں لائی گئیں اور اس پر دنیا بھر سے آئے ہوئے ان نمایندوں نے دستخط ثبت کیے۔ اس کی نقول صرف یہودیوں کی سربرآوردہ شخصیات کو محدود تعداد میں تقسیم کی گئی تھیں، لیکن خوش قسمتی سے ان دستاویزات کی ایک نقل ایک گھریلو ملازمہ نے یہودیوں کی خفیہ تنظیم کی ایک اعلیٰ رہنما خاتون کے ہاں سے چوری کر کے ایک روسی پادری سرجی نائلس (SERGYEI ANILUS) کے حوالے کر دی۔ یہ مسودہ غالباً عبرانی زبان سے روسی زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ پروفیسر سرجی نائلس نے جب اسے پڑھا تو اس بھیانک سازش کے بارے میں

معلوم ہونے کے بعد اس کے ہوش اڑ گئے اور اس سازش کو طشت از بام کرنے کے لیے اس نے ضروری سمجھا کہ اسے کتاب کی شکل میں چھپوا کر تقسیم کیا جائے۔

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ 1905ء میں برٹش میوزیم میں پہنچا۔ روس میں مارننگ پوسٹ کا نمایندہ وکٹر۔ ای۔ مارسڈن روس میں سزا بھگتنے کے بعد لندن پہنچا تو اس نے برٹش میوزم والے نسخے کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

یہاں جو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے یہ اسی انگریزی کتاب کا ہے۔ اس کتاب کے سلسلے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ جوں ہی یہ شائع ہوتی تھی بازار سے غائب ہو جاتی تھی۔ روس میں بادشاہت کے زمانے میں اس کتاب کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے بھی اسے کئی زبانوں میں شائع کرایا، لیکن یہودیوں نے کبھی بھی اسے زیادہ عرصے بازار میں نہیں رہنے دیا۔

پروفیسر سرجی نائلس کی رائے میں یہ دستاویزات کسی جلسے کی روداد نہیں ہیں بلکہ یہ یہودیوں کے کسی سربر آوردہ شخص کی یادداشتیں ہیں اور ان یادداشتوں کے کچھ حصے یا تو اتفاقاً ضبط تحریر میں آنے سے رہ گئے ہیں یا عمداً حذف کردیے گئے ہیں۔ جنوری 1917ء میں نائلس نے اس کتاب کا ایک اور ایڈیشن شائع کرنا چاہا تھا لیکن قبل اس کے کہ یہ بازار میں آتا، مارچ 1917ء میں بالشویک انقلاب آ گیا اور بالشویک حکومت نے اس کی ساری جلدیں جلوادیں۔ یہودیوں کے برپا کردہ اس انقلاب کے زمانے میں حکم دیا گیا کہ جس شخص کے قبضے میں یہ تحریر ملے اسے بلاتوقف گولی ماردی جائے۔ نائلس کو گرفتار کر کے اول حوالۂ زنداں کیا گیا اور بعد میں اسے جلاوطن کردیا گیا جہاں ولاڈیمیر میں وہ 13 جنوری 1929ء کو وفات پا گیا۔

طبع شدہ کتابی شکل کے علاوہ ان دستاویزات کی ٹائپ شدہ نقول بھی تقسیم ہوتی رہیں اور خفیہ طور پر پڑھی جاتی رہیں۔ ان ہی نقول میں سے باریک کاغذ پر چھپی ہوئی ایک نقل روسی بندرگاہ ''ولاڈی وسٹک'' کے راستے اگست 1919ء میں امریکا پہنچی۔ نائلس کے

خیال میں یہ منصوبہ اسلام اور عیسائیت کے خلاف ایک سازش تھا، لیکن ان دستاویزات کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ یہ صرف اسلام یا نصرانی مذہب و تہذیب کے خلاف ہی نہیں، تمام مذاہب اور تہذیبوں کے خلاف ایک بھیانک سازش ہے۔ بعد کے واقعات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ دنیا میں جو بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے وہ اسی نہج پر ہوئے جس کا راستہ خفیہ یہودی تنظیم نے پہلے سے متعین کردیا تھا۔ عالمی جنگیں ہوں یا معاشی بحران، انقلاب ہوں یا قیمتوں میں اضافے یا وہ عالمگیر بے چینی جس کا شکار اس وقت دنیا کے سارے ممالک ہیں، ان سب باتوں کی پیش گوئی ان دستاویزات میں کردی گئی ہے۔

یہ دستاویزات جو تعداد میں چوبیس ہیں ان منصوبوں کا خلاصہ ہیں جو برسوں کی کاوش کے بعد یہودیوں کے بہترین دماغوں نے ترتیب دیے ہیں اور جن لوگوں کے لیے انہیں یادداشت کے طور پر قلمبند کیا گیا ہے وہ خود بھی یہودی قوم کے اہل علم و دانش ہیں جنہیں سمجھانے کے لیے صرف اشاروں پر اکتفا کیا گیا ہے اور تفصیلات میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ کہیں کوئی ضمنی حوالہ دے دیا گیا اور کہیں صرف ایک آدھ لفظ کا استعمال کافی سمجھا گیا ہے جو کسی غیر یہودی کے لیے معما معلوم ہوتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عام یہودیوں کے لیے بھی جنہیں اس خفیہ سازش میں شریک نہیں کیا گیا۔ اس منصوبے کے مضمرات ناقابل فہم ہی ہوں گے۔

ان دستاویزات کو ایسی یادداشت یا حوالہ کے طور پر ضبط تحریر میں لایا گیا تھا جو یہودی اہل دانش کے فکر و عمل کی معینہ خطوط پر رہنمائی کرسکیں، لہٰذا انہیں بار بار اور غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ بازار سے یہ کتاب تو غائب ہو ہی جاتی ہے، اگر آپ اسے کسی لائبریری میں تلاش کریں تو یہ وہاں سے بھی چوری ہوچکی ہوگی۔ اگر انٹرنیٹ پر اس کو ڈھونڈیں تو اصل کتاب کے بجائے اس پر کی گئی تنقید آپ کو ملے گی۔ اس کتاب کے اقتباسات کو مطالعہ میں لانے سے پہلے اگر یہ باتیں ذہن میں رہیں تو ان تحریروں کی اہمیت اور واقعیت سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

فری میسن خفیہ یہودی دستاویزات کی روشنی میں

ذیل میں ان دستاویزات کا وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جو اس تنظیم سے متعلق ہے:

''ہم فری میسن لاجوں کو دنیا کے تمام ملکوں میں قائم کر کے ان کی تعداد میں اضافہ کریں گے۔ ان لاجوں کا رکن اُن لوگوں کو بنایا جائے گا جو سرکاری اداروں میں ممتاز عہدوں پر فائز ہوں گے یا ہونے والے ہوں گے۔ یہ لاج جاسوسی کے لیے اہم ترین کردار ادا کریں گے اور رائے عامہ کو متاثر کریں گے۔ ان تمام لاجوں کو ہم ایک مرکزی تنظیم کے تحت لے آئیں گے اور اس کا علم صرف ہمیں ہی ہو گا دوسرے اس سے واقف نہیں ہو سکیں گے۔ یہ مرکزی تنظیم ہمارے دانا بزرگوں پر مشتمل ہو گی، لاجوں کے اپنے نمایندے ہوں گے جو متذکرہ بالا مرکزی تنظیم کے لیے پردے کا کام کریں گے۔ مرکزی تنظیم نصب العین ظاہر کرنے والے لفظ (WATCH WORD) اور لائحہ کار جاری کرے گی۔ یہ لاج وہ بندھن ہوں گے جو تمام انقلابیوں اور آزاد خیالوں کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیں گے۔ ان میں معاشرے کے ہر طبقے کی نمایندگی ہو گی۔ انتہائی خفیہ سیاسی سازشوں کا علم صرف ہمیں ہو گا اور جس روز اس سازش کا ذہنی خاکہ مرتب کیا جائے گا اسی وقت سے اس پر ہمارا مکمل کنٹرول ہو گا۔ لاج کے اراکین میں تمام بین الاقوامی اور قومی پولیس کے اہلکار ہوں گے، ہمارے کام کے لیے پولیس کی خدمات بے بدل ہیں چونکہ پولیس اس حیثیت میں ہوتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے ماتحتوں سے مخصوص کام لینے کی اہلیت رکھتی ہے بلکہ ہماری کارگزاریوں کے لیے ایک پردہ بن کر عوام کے عدم اطمینان اور بے چینی کی وجوہات بھی گھڑ سکتی ہے۔

عوام کا طبقہ جو ہماری خفیہ تنظیم میں شامل ہونے پر خوشی سے آمادہ ہو جاتا ہے، وہ

ہے جو محض اپنی بذلہ سنجی کے زور پر زندہ رہتا ہے۔ یہ پیشہ ور عہدے دار ہوتے ہیں۔ عام طور پر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ذہنوں پر خوامخواہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ ان لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہمیں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کو ہم اپنی ایجاد کردہ مشین میں چابی دینے کے لیے استعمال کریں گے۔ اگر دنیا میں کہیں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہمیں عوام کے اتحاد میں دراڑ ڈالنے کے لیے تھوڑا سا جھنجھوڑنا پڑا ہے لیکن اگر اس دوران میں کوئی سازش جنم لیتی ہے تو اس کا سربراہ سوائے ہمارے کسی معتبر گماشتے کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ قدرتی طور پر ظاہر ہے کہ ہمارے علاوہ کوئی دوسرا فری میسن سرگرمیوں کی سربراہی کا اہل نہیں ہو سکتا چونکہ صرف ہمیں ہی اس کا علم ہے کہ کدھر جانا ہے اور ہم ہی ہر سرگرمی کی منزل مقصود سے واقف ہیں جبکہ غیر یہودی اس سے قطعی لاعلم ہیں۔ وہ تو یہ تک نہیں جانتے کہ کسی عمل کا فوری ردعمل کیا ہوگا۔ عام طور پر ان کے مدنظر ذاتی انا کی وہ وقتی تسکین ہوتی ہے جو ان کی رائے کے مطابق نتائج حاصل کرنے پر ملتی ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس کا بنیادی خیال ان کی اپنی اختراع نہیں تھا بلکہ یہ خیال ہم نے ان کے ذہن میں پیدا کیا تھا۔

غیر یہودیوں میں لاجوں میں شامل ہونے کا محرک یا تو ان کا جذبہ تجسس ہوتا ہے یا یہ امید کہ وہ حکومت کے خوان نعمت سے خوشہ چینی کر سکیں گے۔ کچھ لوگ اس لیے شامل ہونا چاہتے ہیں کہ حکومت کے عہدے داروں میں ان کے ناقابل عمل اور بے سروپا خیالی منصوبوں کو سننے والے سامعین مل جائیں گے۔ وہ اپنی کامیابی کے جذبے اور تعریف کے ڈونگے برسوانے کے بھوکے ہوتے ہیں اور یہ کام کرنے میں ہم بڑے فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔ ہماری ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ہم ان کی اس خود فریبی کو جس میں وہ مبتلا ہوتے ہیں، استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ بے حسی انہیں ہماری تجویزیں غیر محتاط انداز میں قبول کرنے پر مائل کرتی ہیں اور وہ بزعم خود پورے اعتماد کے ساتھ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ خود ان کے غلطی سے پاک نظریات ہیں جو ان کے الفاظ میں جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ وہ

اپنے طور پر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ کسی اور کا اثر قبول کریں۔ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ غیر یہود کا ذہین ترین آدمی بھی خود فریبی کے جال میں پھنس کر کس حد تک غیر شعوری سادہ لوحی کا شکار ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے ذرا سی ناکامی پر بددل کیا جا سکتا ہے۔ خواہ اس کی ناکامی کی نوعیت اس سے زیادہ کچھ نہ ہو کہ اس کی تعریف میں ذرا سی کمی کر دی جائے جس کا وہ عادی ہو چکا ہے۔ اسے دوبارہ کامیابی حاصل کروانے کے لیے غلاموں کی طرح فرمانبردار بنایا جا سکتا ہے۔ اگر ہم ان کے منصوبوں کی کامیابی سے صرف نظر کرنا شروع کریں تو غیر یہودی اپنی تعریف سننے کے لیے اپنے کسی بھی منصوبے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ ان کی یہ نفسیاتی کیفیت ہمیں ان کا رخ مناسب سمت کی طرف موڑنے میں ہمارا کام آسان کر دیتی ہے۔ یہ جو شیر نظر آتے ہیں ان کے سینوں میں بھیڑیا کا دل ہے اور ان کے دماغوں میں بھوسہ بھرا ہوا ہے۔

موت سب کا حتمی انجام ہے۔ ہم جو اس منصوبے کے بانی ہیں، اپنا انجام قریب لانے کے مقابلے میں یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کا انجام قریب تر لے آئیں جو ہمارے راستے کی رکاوٹ ہیں۔ ہم فری میسن کے اراکین کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں کہ سوائے ہماری برادری کے کوئی کبھی بھی اس پر شبہ نہیں کر سکتا۔ حد یہ ہے کہ جن کے نام موت کا پروانہ جاری ہوتا ہے وہ تک شبہ نہیں کر سکتے۔ جب ضرورت ہوتی ہے تو ان کی موت بالکل اسی طرح واقع ہوتی ہے گویا وہ کسی عام بیماری میں مرے ہوں۔ یہ معلوم ہونے کے بعد برادری کے اراکین تک احتجاج کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ یہ طریقے استعمال کر کے ہم نے فری میسن کے درمیان سے احتجاج کی جڑیں تک نکال پھینکی ہیں۔'' (پندرھویں دستاویز: فری میسن کا مقصد اور سمت: ص 37)

فری میسن کا نظام

کسی بھی دوسری خفیہ تنظیم کی طرح فری میسن کا بھی ایک مربوط اور مستحکم خفیہ نظام ہے۔اس نظام کو ہر قیمت پر خفیہ اور تجسس کے دبیز پردے کے پیچھے چھپا کر رکھا جاتا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ پُراسراریت پیدا کی جاسکے اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی منزل (کائنات کے گرینڈ آرکیٹیکٹ المعروف بہ دجال اعظم کی سربراہی میں قائم ہونے والی عالمی یہودی ریاست) ہونے والی کی طرف سفر جاری رکھا جاسکے۔فری میسنری کے دجالی منصوبوں اور شیطانی ارادوں سے تنگ آکر منحرف ہونے والے بعض سابقہ ''برادرز'' اور ''ماسٹرز'' کی ہمت وجراٗت کی بدولت یہ نظام کافی حد تک آشکارا ہو چکا ہے اور اس کی پُراسراریت قائم رکھنے کے لیے جو حیلے اور من گھڑت رسومات کی جاتی تھیں وہ اب راز نہیں رہیں۔آیئے! ایک نظر اس نظام اور ان رسومات پر اور پھر اس بات کی یاددہانی کہ اتنی زبردست کاوشوں کے باوجود یہود پر لگی ذلت کی تکوینی مہر نے ان کو رسوائی کی کھائی میں کس حد تک دور دھکیل رکھا ہے؟ اس نظام کا دس فیصد بھی اگر کسی اور تنظیم کے پاس ہوتا تو وہ آج دنیا کی حکمران ہوتی۔مگر دنیا بھر کے ذہین دماغوں پر مشتمل، دنیا بھر میں اپنے بلاواسطہ یا بلواسطہ ایجنٹ رکھنے والی یہ تنظیم، بے حساب مالی وسائل کے باوجود کس قدر بے بس، عاجز، پسماندہ اور شکست خوردہ ہے کہ اکیلے محصور فلسطینی مسلمانوں نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ یہ خدائی مہر کا ٹھپہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اہرام کی چوٹی پر اکلوتی آنکھ:

اس تنظیم کا ڈھانچہ اہرام کی شکل رکھتا ہے۔اہرام کی شکل اور اس تنظیم کے ڈھانچے میں کئی اعتبار سے مماثلت ہے۔فری میسن کے خیال میں اہرامِ مصر، ان کے آباواجداد سے

غلامی کے زمانے میں بیگار لے کر بنوائے گئے تھے۔ ان کو بنانے والوں کا سربراہ ''ماسٹر میسن'' یک چشم تھا جو ادنیٰ درجے کے مزدوروں پر برابر اپنی نظر رکھتا تھا۔ فری میسن کی تنظیم میں بھی ادنیٰ درجے کے کارکنوں کو سامنے رکھ کر ان سے کام لیا جاتا ہے۔ ان کے اوپر چوٹی کے عہدیداران کی نگرانی کرتے ہیں۔ جیسے جیسے کسی ممبر کا عہدہ بڑھتا ہے وہ دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوتا جاتا ہے۔ البتہ اس کی متجسس آنکھیں گردوپیش کو ہر وقت تاڑتی رہتی ہیں۔ ''تنظیمی اہرام'' کی چوٹی پر سب کچھ دیکھنے والی آنکھ (All-seeing eye) ثبت ہوتی ہے۔ اسے ''میسونک لارڈ کی آنکھ'' کہا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے والی آنکھ تنظیمی عہدوں اور مراتب کی چوٹی پر رہتے ہوئے اتنی چوکس ہوتی ہے کہ اپنے ماتحتوں کی سرگرمیوں سے مکمل طور پر باخبر رہتی ہے۔ اہرام سے دوسری مماثلت یہ ہے کہ اس نظام میں یہ آنکھ اور اس کے گرد موجود ''ایلیٹ فری میسنری'' (چیدہ چیدہ ارکان) ہی اصل فری میسنری ہوتی ہے۔ نسلی اور خاندانی یہودیوں پر مشتمل یہ باڈی تنظیم کے اصل مقاصد سے واقف ہوتی ہے۔ اس سے نیچے کے درجوں میں جو ''برادر'' جتنا نچلے درجے کا ہوگا اتنا ہی بے خبر ہوگا۔ نچلے درجے دھوئیں کی دبیز چادر میں ملفوف ہوتے ہیں۔ ان پر فائز ارکان بظاہر مختلف رفاہی اور سماجی کام کرتے ہیں اور حقیقت میں شر کو خیر سے چھپانے کی کوشش کے مہرے ہوتے ہیں۔ یہ ایلیٹ فری میسنری کی شاندار حکمت عملی ہے کہ جن لوگوں کی گردن پر چڑھ کر وہ دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھتی ہے اور جنہیں ایمان سے محروم کر کے دجالی نظام کا پرزہ بناتی ہے، انہیں بھی اپنے اصل مقاصد، اہداف بلکہ اپنے وجود سے بھی لاعلم اور بے خبر رکھتی ہے۔

فری میسن کا تنظیمی ڈھانچہ:

کسی بھی دوسری تنظیم کی طرح فری میسنری میں بھی درجے اور مرتبے پائے جاتے ہیں۔ عہدوں اور مناصب کے ان درجوں کو ''ڈگری'' کہا جاتا ہے۔ فری میسنری کے تنظیمی ڈھانچے دو طرح کے ہیں: انہیں اسکاٹش رائٹ اور امریکی رائٹ کہا جاتا ہے۔

(1) اسکاٹش رائٹ تین ڈگریوں پر مشتمل ہے۔ سب سے نچلی ڈگری Entered

Apprentice ہے۔ یہ مبتدیوں کے لیے یعنی نئے آنے والے لوگوں کے لیے ہے۔ اس درجہ پر ان کے عزائم اور اندازِ فکر کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ ان کی اطاعت اور وفاداری جانچی جاتی ہے۔ کارکردگی اور افادیت کو پرکھا جاتا ہے۔ اگر وہ میسنری کے تصورات سے مطابقت رکھتے ہوں تو انہیں ترقی دے دی جاتی ہے۔ یہ ترقی Fellow Craft کے درجہ یا ڈگری پہ ہوتی ہے۔ یہ لوگ جس بلندترین درجہ پر پہنچ سکتے ہیں اسے Master Mason کہا جاتا ہے۔ یہ تیسرا درجہ ہے اور یہ حتمی ترقی ہے جو باہر سے آنے والا کوئی فرد حاصل کرسکتا ہے۔ پہلے دو درجے یا ڈگریاں رکھنے والے افراد یا میسنز پر ''برادری'' کا کوئی راز آشکار نہیں کیا جاتا۔ یہ لوگ دراصل حقیقی میسنری کے ارکان نہیں ہوتے۔ میسنری میں شامل ہونے کے لیے باضابطہ شرکت کے مرحلہ سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اس مرحلہ سے اس میسن کو گزارا جاتا ہے جو پہلے دو درجوں کو عبور کر کے ماسٹر میسن بن چکا ہو اور یہ ترقی عام ارکان کو بہت کم ملتی ہے (استثنا بہرحال موجود ہے۔ مثلاً: افغانستان کے امیر امان اللہ خان اور ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا کو گرینڈ ماسٹرز کی خصوصی سفارش پر براہِ راست اوپر کے درجوں میں بھرتی کیا گیا تھا کہ برصغیر میں مجاہدینِ آزادی کی تحریک اور ترکی میں خلافتِ عثمانیہ کی بحالی کی تحریک کو ختم کرنا مقصود تھا۔)

(2) امریکی نظامِ مراتب میں 33 ڈگریاں ہیں۔ بقیہ اُصول اور ضابطے اسکاٹش نظام جیسے ہی ہیں۔ جدید فری میسنری امریکی نظام کے تحت چلتی ہے اور جب کوئی شخص اس میں عمر گزار کر سمجھتا ہے کہ وہ تنظیم میں بلند حیثیت اور اونچے مرتبے پر پہنچ گیا ہے تو اسے پتا بھی نہیں ہوتا کہ اس سے آگے تیس درجے اور ہیں جہاں خال خال کسی غیر یہودی کا گزر ہوگا۔ فری میسنری میں شامل ہوتے وقت ہر اُمیدوار سے حلف لیا جاتا ہے پھر ہر درجے میں ترقی دیتے وقت مزید مؤکد حلف لیا جاتا ہے۔ حلف برداری کی تقریب کا حال ہم انہی کالموں میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ حلف برادری کے طریقوں میں فرق آ گیا ہے۔ کچھ لوگ

حلف اُٹھانے والے کو اپنا دایاں ہاتھ اُٹھا کر حلف کے الفاظ ادا کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ بعض جگہ دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر اور کچھ مذاہب میں الہامی کتاب پر ہاتھ رکھ کر یہ عمل مکمل کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ مذہبی کتاب بائبل یا تورات کوئی بھی ہو، مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور یہ مقصد ہوتا ہے ''عالمی حکومت'' کے قیام کے لیے کی جانے والی خفیہ کوششوں کے حوالے سے رازداری برقرار رکھنے کا حلف۔ یہ مقصد کبھی تبدیل نہیں ہوا۔ گرینڈ لاج ایم ایس نمبر2 (مورخہ 1650ء) میں رازداری کے لیے درج ذیل حلف کی عبارت ہے:

''میں مسمی...... خدائے قادر و مطلق اور یہاں موجود ساتھیوں اور بھائیوں کی موجودگی میں وعدہ کرتا اور اعلان کرتا ہوں کہ میں آج کے بعد کسی طرح کے حالات میں اپنے کسی قول وفعل سے بالواسطہ یا بلاواسطہ انداز میں فری میسنری کے ان رازوں، مراعات یا ساتھیوں اور برادری کے مشوروں میں سے کسی کو نہ شائع کروں گا اور نہ کسی پہ منکشف کروں گا جو آج کے بعد میرے علم میں لائے جائیں گے، اس کے لیے میرا خدا اور اس مقدس کتاب کے مندرجات میری مدد کریں۔''

یہود کی تحریف شدہ کتاب کو مقدس کتاب قرار دے کر دجال کی حکومت قائم کرنے کی تحریک میں شمولیت کو انسان کیونکر گوارا کر لیتا ہے؟ دراصل کچھ تو جہالت انسان کا ایمان خراب کرتی ہے اور کچھ دنیاوی مفادات کی ہوس نئے آنے والوں کو اندھا کر دیتی ہیں اور وہ چمکدار شیطنت کی تاریکی میں ڈوب کر گہرائی میں اترتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اس تاریکی کی ایک چھوٹی سی مثال ان سوالات اور ان کے جوابات میں پائی جاتی ہے۔ جو ایک نوآموز، زیرِ تربیت رکن سے کیے جاتے ہیں:

سوال: آپ کی آنکھوں پہ پٹی کیوں باندھی گئی؟

جواب: کہ شاید میرا دل میری آنکھوں سے پہلے وہ سب کچھ پالے۔

سوال: بھائی! کوئی اور وجہ؟

جواب: جیسے کہ میں اس وقت تاریکی میں تھا۔ مجھے ساری دنیا کو تاریکی میں رکھنا ہے۔

حضرات محترم! یہ وہ تاریکی ہے جس میں فری میسنری ساری دنیا کو مبتلا رکھنا چاہتی ہے۔ چاہے اس کے لیے اسے جادو کا سہارا لینا پڑے۔ شیطان کی عبادت کرنی پڑے۔ سود، شراب، جوے اور فحش فلموں کی کمائی جمع کرنی پڑے یا کچھ اور...... اسے ہر حال میں شیطان کے اہم ترین مہرے ''دجال اکبر'' کے خروج کی راہ ہموار کرنی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے ایک اور حلف جو موجودہ فری میسنری میں رائج ہے:

''میسن عہد اور جو کچھ اس میں ہے، آپ اسے راز میں رکھیں گے، آپ اسے بالواسطہ یا بلاواسطہ کبھی تحریر میں نہیں لائیں گے۔ آپ وہ سب کچھ پردہ راز میں رکھیں گے جو ہم یا آپ کے میزبان آپ کو ہر مرد، عورت اور بچوں سے یہاں تک کہ جاندار اور بے جان چیزوں سے مخفی رکھنے کا وعدہ لیں گے۔ کبھی کسی پہ منکشف نہیں کریں گے سوائے فری میسن بھائی یا فری میسن لاج کے اور اپنے آئین کے نکات کی حقیقی طور پر پابندی کریں گے۔ آپ ان سب باتوں کا وعدہ کرتے ہیں اور اخلاصِ نیت سے قسم کھاتے ہیں کہ کسی قسم کے بالواسطہ یا بلاواسطہ ذہنی تحفظ یا لفظی ہیر پھیر کے بغیر پابندی کریں گے۔ اللہ آپ کی مدد کرے اور اس کتاب کے مندرجات آپ کی مدد کریں (حلف اُٹھانے والا کتاب کو چومتا ہے)۔''

فری میسن کی ذیلی تنظیموں کا نظامِ حلف برداری:

خفیہ تقریبات میں حلف اُٹھانے اور عمر بھر رازداری برقرار رکھنے کا یہ نظام صرف فری میسنری میں ہی نہیں، اس سے متعلق تمام تنظیموں اور اس کے زیر اثر کام کرنے والی تحریکوں میں بھی اس نظام کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہاں ہم اس کی دو مثالیں دینا چاہیں گے۔ ایک کا تعلق یورپ کے عیسائیوں سے اور دوسری کا (بدقسمتی سے) ہمارے مسلمان بھائیوں سے ہے۔

(1) پہلی مثال سابق بدنام زمانہ تنظیم ''نائٹ ٹمپلرز'' کی اور ان کے تشکیل دیے ہوئے مختلف گروہوں کی ہے۔ یہ تنظیم موجودہ فری میسن کی ماں ہے۔ اس کے نامراد بطن سے فری میسن نے جنم لیا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ ''فری میسنری'' قدیم ''نائٹ ٹمپلرز''

کی جدید شکل یا اس کا نیا ظہور ہے۔ "نائٹ ٹمپلرز" نے فلسطین کے دارالحکومت القدس میں اس زمانے میں زور پکڑا جب یہاں یورپ کے صلیبیوں کا قبضہ تھا جو تقریباً اسی سال تک برقرار رہا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو واگزار کر کے القدس کو ان کے وجود سے پاک کیا تو "ٹمپلرز" اپنی دولت اور منصوبوں کے ساتھ یورپ منتقل ہو گئے۔

یورپ میں طاقت حاصل کرنے کے دوران انہوں نے مسلمانوں سے ملنے والی شکست اور شرمندگی کو کبھی فراموش نہ کیا۔ انہوں نے اپنا "صلیبی جہاد" جاری رکھا لیکن ایک مختلف میدانِ جنگ میں اور مختلف ہتھیاروں سے۔ اس دفعہ انہوں نے جو لشکر میدان میں اُتارا وہ نظر نہ آنے والا اور مسلم سلاطین کے مخصوص طرزِ زندگی کی وجہ سے ناقابلِ شکست بھی تھا۔ یہ لشکر مختلف گروپوں پر مشتمل تھا جنہیں مختلف مسلم دشمن اہداف دیے گئے تھے لیکن بظاہر ان کے نام ایسے دلچسپ تھے کہ معلوم ہوتا انہیں مذہبی اور لسانی ہمدردی کی بنیادوں پر تشکیل دیا گیا ہے۔ ان میں "دخترانِ نیل" کا گروہ، "فری تھنکرز"، مسیحی مشنریاں اور متعدد دیگر تنظیموں کے علاوہ سب سے اہم "یسوعی" تھے۔

اگرچہ مذکورہ بالا تمام تنظیموں اور گروہوں کے نام اور طریقۂ کار مختلف تھے لیکن ان کا بنیادی مقصد ایک ہی تھا۔ دوسروں کو اور بالخصوص مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔ مسلمان ہمیشہ سے وسیع الظرف اور سادہ لوح رہے ہیں۔ وہ ان مکاروں کے مکروفریب پر توجہ نہیں دیتے تھے...... لیکن ان کی اس دریا دلی اور بلند ظرفی کا بدلہ تنگ دل اور متعصب مزاج یورپیوں نے کیا دیا؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے قارئین سے درخواست ہے کہ درج ذیل اقتباس کو تحمل کے ساتھ اور بغور پڑھیں جو مسلم معاشرے میں بھیجے جانے والے ایک ہرکارے سے لیا جا رہا ہے۔

یسوعی نامی تنظیم میں شمولیت کی تقریب میں انتہائی سخت حلف لیا جاتا تھا۔ یہ انتہائی سخت حلف نیچے درجہ کے یسوعیوں سے اس وقت لیا جاتا تھا جب انہیں اعلیٰ درجہ کے رکن کی حیثیت سے ترقی دی جاتی تھی۔ بزرگ رکن ابتدائی تربیت پا کر باقاعدہ شمولیت اختیار

کرنے والے نئے کارکنوں سے کہتا:

''میرے بیٹے! اب جبکہ تمہیں ''حیلہ ساز'' کی اداکاری سکھادی گئی ہے [حیلہ ساز سے مراد ایسا فرد ہے جو بظاہر آپ کے ساتھی یا ہمنوا ہونے کی اداکاری کرے لیکن حقیقت میں آپ کا مخالف ہو] تمہیں رومن کیتھولیکس میں رومن کیتھولکس کی طرح رہنا ہے اور اپنے بھائیوں میں بھی ایک جاسوس بن کر رہنا ہے۔ تمہیں کسی آدمی پہ یقین نہیں کرنا۔ کسی آدمی پہ بھروسہ نہیں کرنا۔

تمہیں اصلاح پسندوں میں اصلاح پسند بن کر رہنا ہے، پروٹسٹنٹوں میں پروٹسٹنٹ بن کر، کالونسٹوں میں کالونسٹ بن کر اور لا مذہبوں میں عام لا مذہب بن کر ان کا بھید حاصل کرنا ہے چاہے ان کے مواعظ میں شمولیت کے ذریعے ایسا کرنا پڑے۔ اور تمہیں پوری تندی و تیزی سے ہمارے مقدس مذہب اور ہمارے پوپ کی مذمت کرنا ہے اور اس حد تک پست ہو جانا ہے کہ اگر یہودیوں میں یہودی بن کر رہنا پڑے تو بھی کوئی گریز نہ کیا جائے تاکہ اپنے پوپ کے وفادار سپاہی بن کر اپنی تنظیم کے مفاد میں تمام تر معلومات حاصل کر سکو۔

تمہیں سکھا دیا گیا ہے کہ ان ریاستوں کے درمیان جو امن کے ساتھ رہ رہی ہیں عیاری کے ساتھ حسد اور نفرت کے بیج بو دو۔ انہیں خون ریزی پر اُکسانا ہے، ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں اُلجھانا ہے۔ ان مختلف ملکوں، صوبوں اور قومیتوں میں خانہ جنگیاں اور شورشیں تخلیق کرنا ہے جو آزاد اور خوشحال ہیں اور جن میں فنون لطیفہ اور علم و ادب نشوونما پا رہے ہیں اور جو امن سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ متحارب گروہوں کی طرفداری کرنا ہے اور خفیہ طریقے سے اپنے یسوعی بھائی کی مدد کرنا ہے چاہے وہ مخالف گروہ کے ساتھ ہو، لیکن بظاہر اس کی مخالفت کرنی ہے تاکہ انجامِ کار جو شرائط بقائے امن کے لیے طے ہوں ان سے فائدہ چرچ کو پہنچے۔ اگر نتیجہ اچھا ہو تو ہر بُرا ذریعہ جائز ہے۔

ایک جاسوس کی حیثیت سے تمہارا یہ فریضہ تمہیں سکھا دیا گیا ہے کہ تمام اعداد و شمار، حقائق اور معلومات اکٹھی کرو جو تمہارے اختیار میں ہیں اور انہیں ہر ذریعہ سے حاصل کرو۔

پروٹسٹنٹوں کے خاندانی حلقوں اور ہر طبقے اور ہر کردار کے بدعقیدوں میں ہر دلعزیزی حاصل کرو۔ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی قربت حاصل کرو جن میں تاجر، بینکار، قانون دان، اساتذہ، ارکان پارلیمنٹ، عدلیہ اور حکومت کے منصب دار شامل ہیں۔ سب لوگوں سے متعلق باتوں پر نظر رکھو، ان لوگوں کی خاطر جن کے ہم آخری سانس تک خادم ہیں۔

اب جبکہ ایک نو آموز کی حیثیت سے تمہیں سب ہدایات مل چکی ہیں [یہاں نو آموز کی حیثیت سے مراد اس سلسلہ کے پادری یا راہب کی حیثیت سے تقرری ہے۔ راقم] اور ایک پادری، ایک معترف اور ایک معاون بنا دیا گیا ہے لیکن اب بھی تمہیں وہ سب کچھ نہیں سکھایا گیا جو پوپ کی خدمت کے لیے "لویولا" کی سپاہ میں کمان کرنے کے لیے ضروری ہے۔

تمہیں اپنے بڑوں کی ہدایات کے مطابق بروقت آلۂ کار اور جلاّد بننا ہے کیونکہ کوئی بھی شخص اس وقت تک یہاں بالا دست (حاکم) نہیں ہو سکتا جب تک وہ بدعقیدوں کے خون سے اپنی جدوجہد کو متبرک نہیں بناتا کیونکہ خون بہائے بغیر کوئی آدمی محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔"

☆......☆......☆

دیکھا آپ نے قارئین! یہ وہ تربیت، نصیحت اور عہد تھے جو ہمارے مہربان ہمارے بارے میں اپنے نو آموزوں کو دے دے کر بھیجتے رہے۔ ان کے لفظ لفظ سے مکاری، سنگ دلی اور وحشیانہ تعصب ٹپک رہا ہے۔ کسی مذہب کی حفاظت کے لیے دوسرے مذہب والوں کے ساتھ اس قدر مکاری، دھوکا دہی اور ظلم و زیادتی کی ترتیب دینا، اس کے ارتکاب کا عہد لینا اور ایسا عہد اُٹھانے والوں کو اعلیٰ درجے کا مذہبی شخص سمجھ کر اسے جنت کی بشارت دینا ہی اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ یہ مذہب آسمانی ہے یا آسمانی مذہب میں تحریف شدہ ملغوبوں کا مجموعہ...... یہود کی کم بختی کی انتہا دیکھیے کہ اپنے مذہب اور مذہبی تعلیمات کے ساتھ انہوں نے جو کیا سو کیا، لیکن دنیائے عیسائیت کو کیا کچھ سکھا کر ہمارے پیچھے لگایا؟ اس کا اندازہ درج بالا حلف کے آخری حصے سے ہوتا ہے:

"اب اپنے آپ کو اپنے کام کے لیے موزوں بنانے اور اپنی نجات کو یقینی بنانے

کے لیے اپنے رسمِ حلفِ وفاداری (اپنے سلسلے سے وفاداری اور پوپ کی اطاعت) کے بعد میرے ساتھ یہ دہراؤ:

''میں......اب خداوند، مقدسہ کنواری مریم، مقدس میکائل جورئیسِ ملائکہ ہے اور مقدس سینٹ جان، مقدس حواریوں، سینٹ پیٹر اور سینٹ پال اور تمام بزرگان اور جنت کے میزبانوں کی موجودگی میں وعدہ کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ جب بھی موقع ملا خفیہ طور پر یا کھلے طور پر تمام بدعتیوں، پروٹسٹنٹوں اور ملحدوں کے خلاف بے دردی کے ساتھ جنگ کی صورت پیدا کروں گا اور خود بھی جنگ کروں گا تا کہ...... جیسا کہ مجھے ہدایت کی گئی ہے...... ان کی بیخ کنی کروں اور ان کو روئے ارض سے مٹادوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا کرتے ہوئے ان کی عمر، جنس اور حالات کی پروا نہیں کروں گا اور انہیں پھانسی دینے، جلانے، زندہ دفن کرنے، کھولتے پانی میں اُبالنے، گلا گھونٹنے، کھال کھینچنے اور اذیتیں دے کر ہلاک کرنے سے کبھی گریز نہیں کروں گا۔ ان کی عورتوں کے پیٹ اور رحم پھاڑ کر ان کے بچوں کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی تلف کردوں گا۔ ان کے شیر خواروں کے سر دیوار سے دے ماروں گا تا کہ ان کی لعنتی نسلیں ناپید ہو جائیں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر یہ سب کچھ سرِ عام نہ کرسکوں تو خفیہ طور پر زہریلی غذائیں، گلا گھونٹنے والی تار، خنجر یا گولیاں (بندوق یا پستول) استعمال کرتے ہوئے کسی بھی وقت پوپ کے نمایندے، مقدس مذہب کی برادری کے کسی بڑے یا مسیحی انجمن کے نمایندے کے حکم پر ان لعنتی افراد کو ختم کردوں گا اور ایسا کرتے ہوئے کسی کے مقام و مرتبہ، عوامی یا ذاتی زندگی اور صورتحال کی پرواہ نہیں کروں گا۔''

The Engineer corps of Hell- C-1883, by Edwin A Shemian-

P.118 Library of Congress, Catalogue Card No. 66-43354-

Special thanks to Eddie.

(2) دوسری مثال خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے لیے کام کرنے والی نوجوان ترک

تنظیموں کی ہے جو خلافتِ عثمانیہ کا سقوط، یہودیوں کی دیرینہ خواہش تھی۔ انہیں علم تھا جب تک مسلمان خلافت کے سائے تلے متحد ہیں، ان کی ایک نہیں چل سکتی۔ سلطان عبدالحمید نے غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صہیونی رہنما ڈاکٹر تھیوروڈ اور ہرٹزل کی ہر لالچ اور ہر دھمکی کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا تھا۔ اس نے فلسطین کی زمین کے عوض سلطنت عثمانیہ کے سارے قرضے ادا کرنے کی پیش کش کی۔ سلطان عبدالحمید نے پاؤں کے انگوٹھے سے تھوڑی سی مٹی کھرچی اور کہا کہ اس ساری دولت کے عوض ارض مقدس کی اتنی سی مٹی بھی نہیں دوں گا۔ اس پر یہودی سمجھ گئے کہ خلافتِ عثمانیہ مسلمانوں کے مقدس مقامات کی نگہبان ہے۔ اس کو راستے سے ہٹائے بغیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے خلافت کے مرکز میں مسلمانوں کی جو تنظیمیں تشکیل دیں ان میں سے ایک تنظیم کا نام پہلے ''نوجوان عثمانی'' پھر ''نوجوان ترک'' تھا۔ (اس طرح کے نام سن کر آپ چونک گئے ہوں گے۔ آپ کو گردوپیش کی بعض تنظیموں کے نام سے اس کی مماثلت جھلکتی محسوس ہوگی...... لیکن اس میں چونکنے کی بات نہیں۔ فری میسنری کے ''بگ برادر'' ہر معاشرے کے لیے ایسے ہی کردار و نام تخلیق کرتے ہیں) معاشرے کی نفسیات کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے ماسٹر میسنز نے مسلمان نوجوانوں کو تبدیلی اور انقلاب کے نام پر ورغلا کر دین سے برگشتہ اور نظامِ خلافت کے خلاف کر دیا اور ان کے سدھائے ہوئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو پہلے پہل ''نوجوان عثمانیوں'' کا سنسنی خیز نام دیا گیا۔ یہ لوگ اپنے مقاصد کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ پھر ''نوجوان ترک'' آگے بڑھے۔ انہوں نے کھل کر خلافت کے خلاف اور جمہوریت کے حق میں مہم چلائی۔ اس کے لیے مطبوعات اور خفیہ تنظیموں کا سہارا لیا گیا۔ نوجوان ترک سوسائٹی کے بنیادی ارکان ملٹری اور میڈیکل اسکولوں کے نوجوان طالب علم تھے۔ ان طالب علموں کی تنظیموں کو پس پردہ کون چلا رہا تھا؟ ان کی ڈوریاں کون ہلاتا تھا؟ ان کو رہنمائی اور ہدایات کون دیتا تھا اس کا اندازہ ان کی تنظیم میں شمولیت کے طریقۂ کار سے ہوتا ہے۔ ایک انگریز ادیب ''نوجوان ترک سوسائٹی'' میں شمولیت کا منظر اس طرح قلمبند کرتا ہے:

''شمولیت کی تقریب کو باقاعدہ ایک مخصوص مذہبی تقریب میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ رکنیت کے امیدوار کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کسی ایسی خفیہ جگہ پر لے جایا جاتا جس کا اتا پتا اُمیدوار سے پوشیدہ رکھا جاتا۔ مطلوبہ مقام پر پہنچ کر آنکھوں پر سے پٹی ہٹا دی جاتی اور وہ خود کو غالباً ایک تاریک کمرے میں پاتا یا پھر کسی پہاڑی، غار یا سنسان علاقے میں۔ اس کے سامنے تین اجنبی سیاہ نقاب اوڑھے ہوئے ہوتے۔ وہی اس سے حلف لیتے۔ یہ حلف اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتا۔ تلوار اور مقدس کتاب (قرآن) پر قسم کھائی جاتی۔ [مصطفیٰ کمال پاشا نے حلف کے لیے قرآن کے بجائے ریوالور پر قسم کا آغاز کیا۔ یہ اس کے اندرونی خبث کی ایک علامت تھی کہ وہ قرآن کریم کو اتنا بھی نہ مانتا تھا کہ اس پر حلف اُٹھانے پر تیار ہو۔ راقم] اُمیدوار خود کو پابند کرتا کہ وہ اپنی تمام تر توانائیاں اپنے ملک کی ''نجات'' کے لیے وقف رکھے گا۔ سوسائٹی کے مختلف ذرائع سے ملنے والے ہر حکم کی اطاعت کرے گا۔ اپنے راز کبھی منکشف نہیں کرے گا اور ہر اس شخص کو قتل کر دے گا چاہے وہ اس کا عزیز اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو جو سوسائٹی کے نزدیک واجب القتل ہو۔ حلف کے بعد اس کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھ دی جاتی اور اسے واپس اسی جگہ پہنچا دیا جاتا جہاں سے لایا گیا تھا اور جہاں سے پُراسرار سفر شروع ہوا تھا۔'' (The Closed Circle-105)

حلف کی خلاف ورزی پر سزا:

یہ تھا فری میسنری اور اس کی ذیلی تنظیموں کی حلف برداری کا نظام...... اپنی اصلیت چھپانے کے لیے ''برادری'' ہر وقت رازداری پر زور دیتی ہے۔ کیوں......؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر فری میسنری...... جیسا کہ وہ ظاہر کرتی ہے...... محض ایک فلاحی تنظیم ہے جو خیر کے کام کرتی ہے تو اسے کارکنوں سے رازداری کی اتنی مؤکد قسمیں لینے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر جب معاملہ بس اتنا ہی ہے جتنا کہ وہ بتاتی ہے تو رازداری کی خلاف ورزی کرنے والوں کے وحشیانہ سلوک کیوں کیا جاتا ہے؟ آیئے! اس سلوک کی کچھ جھلکیاں دیکھتے ہیں؟؟

رازداری کے حلف اور عہد کے باوجود ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو رازداری برقرار نہیں رکھ سکتے۔ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ مطلب یہ کہ کیا حلف کی خلاف ورزی کی کوئی سزا بھی دی جاتی ہے؟ جی ہاں! ضرور دی جاتی ہے اور نوآموز سے حلف لیتے وقت اس کی پوری وضاحت خود اس کی زبان سے کر دی جاتی ہے۔ اس میں ہر طرح کی سزا کا بار بار ذکر ہوتا ہی اس لیے ہے کہ حلف اُٹھانے والا ہر لمحے اس دہشت اور دباؤ میں رہے جو اسے زبان کھولنے سے روکے رکھے۔ حلف اُٹھاتے وقت نوآموز اپنے آپ کو ہر طرح کی سزا کے لیے یوں پیش کرتا ہے:

"میرا دل بائیں سینے سے نوچ لیا جائے۔ میری زبان گدی سے کھینچ لی جائے۔ میری گردن کاٹ دی جائے۔ میرا جسم وحشی گھوڑوں کے سموں تلے روند ڈالا جائے۔ میری لاش ساحل سمندر پہ اس ریت میں چھپا دی جائے جہاں چوبیس گھنٹے لہریں موجزن رہتی ہیں۔ پھر وہاں سے نکال کر جلا کر راکھ کر دی جائے اور وہاں بکھیر دی جائے جہاں ہوا چاروں سمت میں چلتی رہتی ہے تاکہ میرا کوئی نشان نہ بچے......اس لیے اے خدا! میری مدد کر۔"

یہ افسانہ نہیں، حقیقت ہے۔ ایسا ہوتا آ رہا ہے۔ جس کسی نے عہد شکنی کی اسے سزا ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی...... لیکن اس کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ عام طور پر ایسا اس لیے نہیں ہوتا کہ "اصل راز" ہرا یرے غیرے کے علم میں آنے ہی نہیں دیا جاتا۔ اصل راز صرف اور صرف چیدہ اور معتمد ترین افراد (ایلیٹ گروپ) کے پاس ہوتا ہے اور وہ جان دینے پر تیار ہو جاتے ہیں، راز افشا نہیں کرتے۔ البتہ کچھ ادنیٰ درجے کے فری میسن بعض اوقات برادری کو دھوکا دے جاتے ہیں اور انہیں سخت سزا دی جاتی ہے۔ درج ذیل خبروں پر ایک نظر ڈالیے:

"(1)......ایک چور کو سزا دیتے ہوئے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے۔ اس کے جسم میں ابھی جان باقی تھی کہ اسے وحشی درندوں کے آگے ڈال دیا گیا۔

(2)......جرمنی میں ایک قاتل کو اس طرح سزا دی گئی کہ اس کی ہڈیاں اور گوشت

لگ الگ کر دیے گئے۔ پھر انہیں جنگل کے درندوں، ہوا کے پرندوں اور سمندر کی مچھلیوں کی غذا بنا دیا گیا۔''

اس طرح کے غیر متوقع واقعات کبھی کبھی بڑی شخصیتوں کے ساتھ پیش آجاتے ہیں اور پھر ان کی ''اتفاقی موت'' ہمیشہ سربستہ راز رہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے اس طرح کے واقعات ضرور دیکھے سنے ہوں گے۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ تو چور اور قاتل تھے لیکن خود غور کیجیے! کیا یہ اعلان کیا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ فری میسنز تھے اور انہیں حلف شکنی کی سزا دی گئی؟ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے اس طرح سزا دینے کا مقصد ہی ختم ہو جاتا لیکن حلف شکنی کے جرم کی سزا اور حقیقی سزائیں مشابہت خود بول رہی ہے۔ اس کی ثقاہت یا صداقت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب ان واقعات کا تذکرہ ان کے اپنے مصنف کرتے ہیں۔ دراصل ایسے تذکرے ہوتے ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے ''بگ برادرز'' کے پیغامات خفیہ طریقے سے میسنز کو پہنچائے اور نان میسنز سے چھپائے جاتے ہیں۔

اس سے زیادہ صریح اور دوٹوک بات کیا ہو گی کہ محض ایک عام میسن نہیں بلکہ ایک گرینڈ ماسٹر اور برطانوی شاہی خاندان کا رکن دی ڈیوک آف کینٹ صورتِ حال کا یوں اعتراف کرے۔ ان کا یہ اعتراف مشہور برطانوی اخبار میں چھپ چکا ہے:

''فری میسن کو اب مزید اس بات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کہ حلف کی خلاف ورزی پر ان کی زبانیں کھینچ لی جائیں اور ان کی گردنیں کاٹ دی جائیں...... سوسائٹی کی گورننگ باڈی، دی یونائیٹڈ گرینڈ لاج نے گزشتہ روز کہا ہے کہ حلف برادری کے ضمن میں ناگزیر پابندیوں سے انحراف پر جسمانی سزاؤں کا ریفرنس ختم کر دیا جائے گا۔ گرینڈ ماسٹر، دی ڈیوک آف کینٹ نے کہا کہ اس طرح کے ریفرینسز نے رازداری اور بت پرستی کے حوالے سے سوسائٹی کی بدنامی میں بہت حصہ ڈالا ہے۔'' (دی انڈی پینڈینٹ: 13/جون 1986ء)

اگرچہ اس بیان میں لفظ ریفرنس استعمال کیا گیا ہے...... لیکن یہ اس حقیقت کو نہ تو ختم

کرتا ہے اور نہ کرسکتا ہے کہ...... یہ سزائیں زیر عمل لائی گئیں اور محض ریفرنس کی حد تک محدود نہیں تھیں۔ان پر سختی سے عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔اس کی شہادت ''انسائیکلوپیڈیا انکارٹا'' دیتا ہے:

''نیو یارک میں 1821ء میں ایک فری میسن ولیم مورگن جس کے بارے میں خدشہ تھا کہ وہ فری میسنری کی شیطانی رسوم سے بیزار ہوگیا ہے اور ان کے راز شائع کردے گا۔ چنانچہ وہ اغوا کرلیا گیا اور فری میسنز نے ہی اسے اغوا کیا۔ایک عشرہ تک عوامی احتجاج بلند ہوتا رہا۔ چنانچہ مشرقی اور وسطی ریاستوں میں بہت سے لاجز بند کرنا پڑے۔ شمالی ریاستوں میں ایک اینٹی میسونک پارٹی تشکیل دی گئی۔ کچھ برسوں تک تو یہ عملی طور پر ڈیموکریٹک پارٹی کی ایک ہی حریف پارٹی تھی۔ 1832ء میں دی اینٹی میسونک پارٹی نے صدارت کے لیے ایک قانون دان ولیم رٹ کو امیدوار نامزد کیا لیکن اسے اینڈریو جیکسن کے مقابلے میں شکست ہوگئی کیونکہ جیکسن فری میسنری کا حامی تھا۔ستم ظریفی یہ تھی کہ ولیم رٹ بذاتِ خود ایک میسن نکلا۔'' (انسائیکلوپیڈیا انکارٹا:96)

کہا جاسکتا ہے کہ فری میسن ایک تنظیم ہے اور ہر تنظیم کی طرح یہ اپنے کارکنوں سے رازداری کا حلف لیتی ہے۔اس میں تعجب یا اعتراض کی کون سی بات ہے؟ لیکن فری میسن کے حلف اور دوسری تنظیموں کے حلف میں بنیادی فرق یہ ہے کہ......

دنیا کی کوئی تنظیم کسی دوسری تنظیم یا مذہب کے ماننے والوں سے اپنے مذہب کے مخصوص نظریات کے لیے کام کر لینے اور خود انہی حلف اُٹھانے والوں سے اپنے اصل مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کا مکر نہیں کرتی۔ یہ فری میسن کا مخصوص شیطانی طریقہ ہے کہ وہ مسجدِ اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے کوشاں ہے مگر اسے مسلمانوں پر ظاہر نہیں کرتی...... انہیں بھی ''ماسٹر میسن'' بناتی ہے۔

0......اسی طرح وہ دنیا بھر کی حکومتوں کا خاتمہ کر کے دجال کی عالمی حکومت کو اپنا ہدف بنا کر چل رہی ہے......لیکن اپنی برادری کے غیر مسلم کارکنوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتی۔

0......پھر وہ ایک خالص یہودی تنظیم ہے اور مکمل طور پر اس یہودیت کی تابع اور

اس کی سر بلندی کے لیے کوشاں ہے جو یہودی ربائیوں نے وضع کی اور ''تالمود'' نامی کتاب میں محفوظ کی۔ یہ تورات والی یہودیت یا موسوی شریعت کے ہرگز تابع نہیں......لیکن وہ اس چیز کو کبھی اپنے غیر یہودی کارکنوں پر ظاہر نہیں کرتی۔

ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائنز وغیرہ میں شمولیت اختیار کرنے والے حضرات اور بیگمات ان تنظیموں کا یہودیت سے تعلق قطعاً تسلیم نہیں کرتے اور انہیں قطعاً غیر مذہبی اور فلاحی یا سماجی تنظیم قرار دیتے ہیں۔ دراصل ایلیٹ کلاس کے یہ حضرات اور بیگمات ایک اعتبار سے درست کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی پسندیدہ تنظیم کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر ہر اصلی فری میسن اس بات کی تردید کرے گا کہ فری میسنری پر کسی قسم کا کوئی یہودی اثر ورسوخ ہے۔ لیکن اس امر کے ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ فری میسن یا اس کی ذیلی تنظیم یہودیت کے ٹھیٹھ متعصب نظریات وروایات کے زیرِ اثر ہیں۔ اس کا انکار کرنا شیطان کے معبودیت سے انکار کے مترادف ہے۔ بائبل کی کتابوں کے حوالے دیے جاسکتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ فری میسنری کے اُمیدوار کی روایتی اور رسمی تیاری میں یہودی اثرات پائے جاتے ہیں۔ تالمود کے ایک اقتباس میں کہا گیا ہے:

''کوئی شخص ٹمپل میں نہ تو اپنے عصا کے ساتھ جائے گا۔ نہ جوتے پہن کر جائے گا، نہ اوورکوٹ وغیرہ پہن کر جائے گا اور نہ اپنی جیب میں نقدی لے کر جائے گا۔''

......(266-1)

یہودیت شناس محققین کے مطابق ننگے پاؤں ٹمپل میں جانے کا عمل دو قدیم یہودی روایات سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک روایت احترام کے اظہار کی غماز ہے جبکہ دوسری روایت سے مراد میثاقِ بنی اسرائیل کی توثیق ہے۔ میثاقِ بنی اسرائیل سے مراد وہ معاہدہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان طے پایا تھا۔ قرآنِ مجید کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا تھا کہ وہ کوہِ طور پر جاتے ہوئے اپنے جوتے اُتار دیں۔ اس حوالے سے ہم فری میسنری پر یہودیت کے اثرات اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ امریکا

کی نائب صدارت کے اُمیدوار ''الگور'' صدارتی مہم کے دوران جب ہفتے کے دن ننگے پاؤں پیدل چلے تو انہوں نے اپنا تعلق ''عالمی خفیہ برادری'' کے ساتھ ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کی جو ہم نے فری میسن اور یہودیت کے باہمی مستحکم ربط اور دائمی تعلق کے حوالے سے کیا۔ الغرض...... یہودی دیو مالائی روایات اور رسوم کو سامنے رکھتے ہوئے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ فری میسنری اپنی تمام ذیلی تنظیموں سمیت ایک یہودی تنظیم تھی، ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ کوئی کلمہ گو مسلمان اس سے یا اس کے کسی ذیلی تنظیم سے وابستہ ہوتا ہے تو اسے ارضِ مقدس پر بارگاہِ خداوندی سے مردود کیے گئے یہودیوں کی واپسی میں مدد کے گناہِ عظیم کے ساتھ اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ دنیا میں دو ہی افراد یا گروہ ہیں جن کے متعلق تمام انسانیت کو پتا ہے کہ وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے دھتکار کر دور کر دیے گئے ہیں اور ان پر یہ لعنت ابدی اور دائمی ہے، فردِ ملعون شیطان ہے اور قوم مردود یہود ہے۔ اس لیے اب یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے حلیف تو بن سکتے ہیں...... اور بنے ہوئے ہیں...... لیکن کسی اہلِ ایمان کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ ان سے کسی طرح کا تحالف یا توافق کرے۔

فری میسن کے نشانات

فری میسن کے ''بگ برادرز'' اور ''گرینڈ ماسٹرز'' نے اپنی تنظیم کے افراد اور آلہ کاروں کی شناخت خفیہ رکھنے اور ان کو دی گئی مہمات بسہولت پوری کرنے کے لیے کچھ خفیہ نشانات، اشارے اور علامات مقرر کر رکھی ہیں۔ ان نشانات یا علامات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (1) پہلی قسم ان علامات کی ہے جنہیں فری میسنری سے زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہتی ہے کیونکہ ان علامات کے پیچھے ایک پیغام پوشیدہ ہے۔ فری میسنری چاہتی ہے کہ کرۂ ارض کے باسیوں کے لیے اس علامت کو اتنا عام اور مانوس کر دیا جائے کہ جب ان کے پیچھے پوشیدہ مطلب اور مفہوم مناسب وقت پر دنیا کے سامنے لایا جائے تو لوگوں کے شعور میں وہ علامت اور لاشعور میں وہ پیغام اتنا جاگزیں ہو چکا ہو کہ وہ سوچے سمجھے بغیر بلا جھجک اسے قبول کرتے اور اس کے آگے سر جھکاتے جائیں۔

(2) دوسری قسم: وہ خفیہ اشارات یا نشانات ہیں جن کو بہر صورت چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ برادری کے افراد کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا جاتا۔ صرف برادری کے ارکان ہی ان سے واقف ہوتے اور انہیں حسبِ ضرورت استعمال کرتے ہیں۔ ان کی مدد سے ایک فری میسن اپنے ''برادر'' کو بھری محفل میں اس طور پر شناخت کر لیتا ہے کہ آس پاس والوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔

دونوں قسم کی علامات سے متعلق، جتنی معلومات ہاتھ لگی ہیں، پیش خدمت ہیں۔

(1) فری میسن کی نیم علانیہ علامات:

آنکھ

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح الضلالۃ، دجال اکبر کی علامت یہ بتائی ہے کہ وہ یک چشم یعنی ایک آنکھ والا ہوگا۔ فری میسنری چونکہ دجال کی راہ ہموار کرنے والی پیشگی تنظیم ہے اس لیے وہ اس کانی آنکھ کو جو بدترین عیب کی علامت ہے، اپنی پہچان کی علامت بناتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتی۔ فری میسنری کی اصطلاح میں اسے ''میسونک لارڈ کی آنکھ'' کہا جاتا ہے۔ یہ ان کے نزدیک ''سب کچھ دیکھنے والی آنکھ'' ہے جو دنیا میں ہر طرف نظر رکھتی ہے کہ ابلیس کی جھوٹی خدائی کی پرستش کہاں ہو رہی ہے اور سچے معبود، اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کون کر رہا ہے؟ یہ اس شیطانی ''جساسہ'' (جاسوسی کرنے والی آنکھ) کے اندر چھپی اصل بے چینی اور بے تابی ہے۔ باقی ساری باتیں ضمنی اور ذیلی ہیں۔ فری میسنری کی کوشش ہے کہ ''اکلوتی آنکھ'' کا یہ معیوب نشان دجال کے خروج سے پہلے پہلے اتنا عام کر دیا جائے کہ یہ عیب اور عار نہیں، علامت اور شعار بن جائے۔ سوچیے تو سہی! یہ بذاتِ خود کتنا بڑا دجل و فریب ہے؟ کانے خدا کی جھوٹی خدائی منوانے کے لیے دجل و فریب کس سطح تک ہو رہا ہے؟

اس علامت کو بنی نوع انسان کے لیے مانوس اور قابلِ قبول بنانے کے لیے دنیا میں جا بجا مختلف شکلوں، ملتی جلتی صورتوں اور ادھوری و ناقص یا کامل و مکمل ایک آنکھ کی علامت وقفے وقفے سے یوں دکھائی جاتی ہے جیسے بدکے جانور کو سدھار کر لگام پہننے کا عادی بنایا جا رہا ہو۔ آپ آج سے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو آپ کو متعدد چیزوں میں شکل، رنگ اور ساخت بدل بدل کر آنکھ جھانکتی دکھائی دے گی۔ چاہے یہ بل بورڈ ہوں، نیون سائنز ہوں، اخبارات ہوں یا چھوٹی و بڑی اسکرین۔ آپ پی ٹی سی ایل کا نیا مونوگرام یا پاکستان پوسٹ آفس کا نیا لوگو دیکھ لیں۔ جیو کے مونوگرام یا موبی لنک کے لوگو پر ایک نظر ڈالیں۔

اکلوتی آنکھ مکمل یا نامکمل واضح یا مشتبہ، کسی نہ کسی شکل میں مخصوص انداز میں گرد و پیش کو تاڑتی نظر آئے گی۔ 18 دسمبر 2000ء کو انگلش ٹیلی ویژن چینل بی بی سی ون پر ایک پروگرام...... اے ٹریبیوٹ ٹو مائیکل کین...... دکھایا گیا۔ اسکرین کے پس منظر میں مسلسل ''آنکھ'' کا نشان دکھایا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ جس شخص کو نقاب پہنچا کر دکھایا گیا وہ بھی ایک ''آنکھ'' والا نقاب تھا۔ یہ چیزیں محض معمول کی بات نہیں ہیں۔ یہ آپ کے لاشعور کو قبضہ میں لینے کا ایک طریقۂ کار ہے۔ جب وقت آئے اور آپ حقیقی ''ایک آنکھ'' کو دیکھیں تو اس سے مانوس ہوں چنانچہ نہ تو کوئی مزاحمت کریں اور نہ اس کو مسترد کریں۔

بچوں کے اسکولوں کو بھی ''ایک آنکھ'' سے متعارف کرانے کے لیے بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ کمپیوٹر گرافک ڈیزائن بھی ''ایک آنکھ'' کا لوگو دکھاتا ہے۔ اگر آپ ''ایک آنکھ'' کے نشان پر نظر رکھنا شروع کردیں ایک آنکھ کی علامت پر توجہ دینا شروع کردیں تو یہ آپ کو اشتہارات میں متعلقہ اور غیر متعلقہ موضوعات میں دکھائی دے گا۔ یہ تمام اشتہارات دانستہ یا غیر دانستہ طور پر الدجال کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس نے اپنی قوم کو یک چشم کاذب (دجال) سے خبردار نہ کیا ہو۔ وہ ایک آنکھ رکھتا ہے تمہارا خدا یک چشم نہیں۔ لفظ ''کافر'' اس کی دو آنکھوں کے درمیان تحریر ہے۔ (روایت حضرت انس، صحیح بخاری 9.505)

$

اس نشان کو دنیا میں ہر کوئی پہچانتا ہے۔ چاہے وہ پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ۔ یہ نشان عالمی تجارت کی بنیاد ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ ڈالر کا نشان ہے اور ڈالر، امریکی کرنسی کی اکائی ہے۔ ڈالر پر ریاست ہائے متحدہ امریکا کی عظیم مہر ہے۔ نوٹ کی پچھلی طرف دائیں حصہ میں مہر دکھائی دیتی ہے۔ اس میں بنیادی طور پر ایک عقاب ہے۔ مہر کا پچھلا حصہ نوٹ کے بائیں طرف ہے۔ اس میں نمایاں طور پر اہرام اور اہرام کی چوٹی میں آنکھ کا نشان پایا

جاتا ہے۔ آنکھ کا یہ نشان بھی ہر اُن پڑھ آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکا کی عظیم مہر یا سرکاری نشان جو ڈالر کے نوٹ پر موجود ہے، فری میسنری کے فلسفے اور اُصولوں کا عکاس ہے۔

13 ستارے...... دیوتا کے نقیب جو اس کی عظمت کی نمایندگی کرتے ہیں۔

عقاب...... روح کی علامت ہے۔

13 پتیاں...... لارل کی پتیاں، امن کی علامت ہیں۔

13 تیر...... جنگ کی علامت ہیں۔

13 زینے اہرام کے...... ریاست ہائے متحدہ کی متنوع بنیاد ہیں۔ چوٹی کا پتھر ابھی مرتب نہیں کیونکہ ابھی ''وہ'' نہیں آیا۔

آنکھ کا نشان اکلوتے الوہی مرکز کی علامت ہے۔ جو ایک نئے سیکولر نظام (Novus Ordo Seclorum) کا ذریعہ ہے۔

یہ تمام میسونک نشانات ریاست ہائے متحدہ امریکا کی عظیم مہر یا سرکاری نشان کی تکمیل کرتے ہیں۔ آپ نے ان کو اجمالاً سمجھ لیا ہوگا۔ آیئے! اب تفصیل سے اِنہیں دیکھتے ہیں۔

اس کا پورا ڈیزائن فری میسنری کی علامات اور اس کے فلسفے پر مبنی ہے۔ اس کے ایک طرف عقاب کی تصویر ہے جو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اسکاٹش سلسلہ فری میسنری کے 32 درجوں کو ظاہر کرتے ہیں جو امریکا کے شمالی حصوں میں رائج ہے۔ بائیں بازو کے کھلے پر 33 ہیں جو اسکاٹش سلسلہ کے 33 درجوں کو ظاہر کرتے ہیں جو امریکا کے جنوبی علاقوں میں قائم ہے۔ 33 واں درجہ اہم اعزازی ڈگری انسپکٹر جنرل ہے۔ عقاب کی دم کے نو پر ہیں اور یہ یارک یا امریکن سلسلہ فری میسنری کے نو اہم درجوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ عقاب کے سر پر 13 ستارے اس طرح سے دکھائے گئے ہیں کہ یہ چھ کونوں والا ستارہ داؤدی بناتے ہیں۔ جو صہیونی اسرائیل کا عالمی نشان ہے۔ یہ تیرہ ستارے وہ تیرہ امریکی نوآبادیات ہیں جنھوں نے آزادی کی جنگ (1776ء) میں حصہ لیا۔ ان ستاروں کے

درمیان 24 مساوی درجے رکھے گئے ہیں۔فری میسنری کی اصطلاح میں یہ دن رات کو ظاہر کرتے ہیں۔مہر پر درج لاطینی حروف Epheribus unum فری میسن برادری (The Brotherhood of Freemasonry) کو ظاہر کرتے ہیں۔مہر کے دوسری طرف ایک آنکھ بنی ہے جو آپ کو ہر فری میسنری ہال میں ملے گی۔عوام میں یہ خدا کی آنکھ کہلاتی ہے۔اسے میسنری کی اصطلاح میں سب کچھ دیکھنے والی آنکھ All seeing Eye کہا جاتا ہے لیکن ہم اسے دجال کی آنکھ کہہ سکتے ہیں۔یہ آنکھ ایک مثلث کے اندر دی گئی ہے جو فری میسنری کا مخصوص نشان ہے۔عالمی فری میسنری کے کئی عہدیداروں کے تمغوں میں یہ نشان موجود ہے۔آنکھ کے نیچے ایک غیر تکمیل شدہ اہرام (Pyramid) دکھایا گیا ہے۔ماسونی اصطلاح میں اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ روح لافانی ہے اور ابھی اسے وہ بلندی حاصل نہیں ہوئی جس کی اسے ضرورت ہے۔یہ بلندی اسے مسیحا کی آمد پر حاصل ہوگی۔دوسرا اہم مطلب یہ ہے کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ابھی باقی ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس ہیکل کی تعمیر کا کام معمار اعظم حیرام ابیف کے سپرد کیا جو غیر یہودیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔اس ہیکل کی تعمیر کے بعد ہی فری میسنری کا عظیم مقصد پورا ہوگا۔

الغرض: دنیا کے کسی بھی ملک کی کرنسی پر اس ملک، قوم یا پھر تاریخ سے مطابقت رکھنے والی چیز چھپی ہوئی ہوتی ہے۔جیسے بادشاہ، ملکہ کی تصویر، تاریخی عمارت کی تصویر...... وغیرہ۔لیکن ایک امریکی ڈالر کے نوٹ پر مہر میں اہرام مصر کیا کر رہے ہیں؟ اس پر بہت سے سوالات اُٹھ سکتے ہیں۔آیئے! ان کا جواب تلاش کرتے ہیں۔

☆ یہ مہر دراصل مشہور زمانہ فری میسن کی مہر ہے۔

☆ اہرام ترقی، اوپر کی سمت مائل ہونے کی نشانی ہے جو کہ بالآخر روشنی کے Ultimate تک لے جاتی ہے۔اسی اہرام پر مشہور زمانہ فری میسنری کا نشان بھی بنا ہوا ہے جسے Trinacria ''ٹرائینا کریا'' بھی کہتے ہیں۔

☆ Trinacria مثلث میں پیوست آنکھ کو کہتے ہیں۔اس کو Shining Delta

بھی کہا جاتا ہے۔ مثلث میں موجود آنکھ فری میسن کی نگرانی کی صلاحیت کی علامت ہے۔
خواہ وہ ادارہ ہو، معاشرہ ہو حتیٰ کہ دوسری خفیہ تنظیمیں ہی کیوں نہ ہوں۔

☆ ٹرائینا کریا جسے Shining Delta بھی کہتے ہیں ایک اور معنیٰ بھی رکھتا ہے۔
یونان زبان میں مثلث خود ایک حرف ہے جسے ڈیلٹا کہتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں: ''
△ ''ریاضیات اور سائنس میں یہ حرف تبدیلی یا پھر تغیر کی علامت ہوتا ہے۔ اسی مہر میں
موجود یونانی الفاظ Novus ordo Seclorum اس کا مطلب مزید واضح کرتے ہیں
جس کا مطلب ہے: ''نیا سیکولر، لادینی نظام'' یا پھر موجودہ دور میں اسے ''نیا عالمی نظام'' کہا
جائے تو غلط نہیں ہوگا یعنی ''روشن تبدیلی کے ذرائع نئے عالمی نظام کا قیام'' اس سے روشن
خیال اعتدال پسند حضرات کے عزائم کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ یونانی الفاظ اسی مہر کے برابر میں لکھی ہوئی عبارت
کی کھلی تردید ہیں: ''In God we Trust'' یعنی ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔

☆ یہ الیومیناتی مہر موجودہ دور کی سب سے طاقتور کرنسی میں کس طرح سے آئی؟
اس کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ اکثر تحقیق کاروں کا یقین ہے کہ 1930ء کی دہائی میں اس
وقت کے امریکی نائب صدر ہنری والس (Henry Wallace) کے ذریعے ہی یہ مہر اس
نوٹ میں آئی۔

☆ والس خود فری میسن کے اونچے عہدیداروں میں سے تھا جبکہ ضرور اس کے
الیومیناتی کے ساتھ تعلقات تھے۔ اسی نے اس وقت کے امریکی صدر فرینکلن ڈی روز
ویلٹ (Franklin D. Roosevelt) کو باور کرا کے اس مہر کو ایک ڈالر کے نوٹ کا
حصہ بنایا تھا۔ خود روز ویلٹ اور والس بھی ایک طرح سے بھائی بھائی تھے کیونکہ روز ویلٹ
بھی ایک مشہور زمانہ فری میسن تھا۔

☆ یہی فرینکلن روز ویلٹ جب دوسری مرتبہ صدر بنا تو اس کا نائب صدر ہیری
ایس ٹرومین (Harry S. Truman) تھا جس نے اپنے دورِ صدارت میں اسرائیل کے

قیام کے اعلان کے گیارہ منٹ کے اندر اندر ہنگامی ریڈیو براڈ کاسٹ کے ذریعے فوراً سے تسلیم کیا تھا۔

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ یہ نوٹ غالباً 1930ء کے عظیم اقتصادی بحران کے بعد جاری کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے دنیا میں کتنی تبدیلیاں ہوئیں یا بحران سے گزرنا پڑا، آیئے! اس کی ایک فہرست بناتے ہیں:

☆......دوسری جنگِ عظیم

☆......اسرائیل کا قیام

☆......روس وامریکا کی سرد جنگ

☆......القدس پر اسرائیلی قبضہ

☆......اشتراکی نظام کی شکست

☆......امارات افغانستان، ساتھ ہی ساتھ عراق پر حملہ کر کے صلیبی جنگ کا آغاز جو دنیا کو تیسری عالمی جنگ ہرمجدون/آرمیگڈون تک لے جائے گی۔

☆محض چند دہائیوں میں (یعنی 1930ء سے لے کر اب تک) اوپر بیان کی گئی تبدیلیاں آئیں۔ اس کے برعکس آج سے چند صدیاں قبل جب فری میسن تحریک کا آغاز ہوا تھا اس وقت سے 1930ء تک درج ذیل تبدیلیاں یا تغیرِ زمانہ ہوئے تھے:

☆......صلیبی جنگیں۔

☆......بادشاہتوں کا خاتمہ اور جمہوریت کو فروغ۔

☆......مسلمان ممالک پر قبضہ اور ان کی نوآبادیات بننا۔

☆......خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ۔

☆اس سے بخوبی یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ نوٹ ایک طریقے سے بذاتِ خود اعلان تھا۔ فری میسنری کی طرف سے اعلان کیا کہ اس نے اتنی قوت پکڑ لی ہے کہ وہ اس دنیا کو حسبِ منشا شکل دے سکتی ہے اور یہ کہ دنیا کے پاس اب اپنے تحفظ کے لیے فری میسنری

کی شیطانی جادوئی طاقتوں سے لڑنے اور انہیں تباہ کرنے کے علاوہ اب کوئی راستہ نہیں۔

☆ آخر میں اگر مہر پر موجود اہرام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں رومن گنتی کے اعداد لکھے ہوئے ہیں۔ یعنی MDCCLXXVI جو کہ 1776ء بنتے ہیں۔ واضح رہے جہاں 1776ء میں امریکا کی آزادی کا اعلان ہوا تھا۔ وہیں یکم مئی 1976ء کو آرڈر آف الیومیناتی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ الیومیناتی اور فری میسنری کی ایک ذیلی تنظیم ہے جو دجال کے سرگرم ترین ہرکارے کا کام کرتی ہے۔

حرف G

فری میسنری کی علامات میں انگریزی حروفِ تہجی کا حرف G نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے مراد عموماً God، خدا ہوتا ہے...... لیکن فری میسن اس سے Grand Architect The Universe...... کائنات کا عظیم ترین آرکیٹکٹ یا پھر جیومیٹری (Geometry) مراد لیتی ہے۔ یہاں ہم ان دونوں مطلبوں پر قدرے روشنی ڈالنا چاہیں گے:

حرف G بحیثیت جیومیٹری: فری میسنری کے مطابق جیومیٹری، کمپاس کا مقدس علم ہے۔ اسی طرح Geomethria کے معنی جیوش لور اینڈ لیجنڈز کے مطابق یہ ہیں:

"عبرانی میں اعداد کا الگ نظام موجود نہیں ہے۔ حروفِ تہجی کا ہر حرف ایک الگ عدد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی شماریات یا اعداد کا نظام ہے۔ آنے والے مسیحا کی آمد کے وقت کا اندازہ بعض مرتبہ اسی جیومیٹری کے ذریعے لگایا جاتا ہے۔"

حرف G بطور گرینڈ آرکیٹکٹ: اس سے مراد عام طور پر خدائے بزرگ و برتر ہوتا ہے۔ وہ خدا جس نے کائنات تخلیق کی، جو ہم سب کا خالق و مالک ہے۔ داتا و دستگیر ہے...... لیکن...... کیا یہی وہ معنی ہیں جو واقعتاً یہ لوگ لیتے ہیں اور ان کے نزدیک کیا صرف یہی اس کا مطلب ہے؟ درج ذیل سطور میں کچھ سوالات ہیں جو فری میسن کا رکن بننے والے ایک اُمیدوار سے کیے گئے اور ساتھ ہی اس کے جوابات ہیں۔ اس مکالمے سے فری میسنری کے

شرکانہ شیطانی عقائد کا کچھ اندازہ ہوتا ہے:

سوال: جب تم عمارت کے وسط میں پہنچے تو تم نے کیا دیکھا؟

جواب: حرف G کی مشابہت۔

سوال: G کا حرف کس بات کی نشان دہی کرتا ہے؟

جواب: اس ہستی کا جو تم سے بڑی ہے۔

سوال: مجھ سے بڑا کون ہے؟ میں ایک آزاد اور مستند میسن ہوں۔ ماسٹر آف لاج ہوں۔

جواب: کائنات کا موجد اور سب سے بڑا معمار یا ''وہ'' جو مقدس معبد کے کلس کی چوٹی پر لے جایا گیا۔

یہاں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حرف G محض خدا کے لیے نہیں...... بلکہ ''اس'' کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو مقدس معبد یا ہیکل کے کلس کی چوٹی پر پہنچایا گیا۔ یہی وہ دیوتا یا الوہی شخصیت ہے جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں۔ برادری کے ریکارڈ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں کہ وہ اس بات کی پردہ پوشی کر رہے ہیں کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے نگران اعلیٰ حیرم آبیف (یا سحرا آصف) کو خفیہ مقبرہ یا پھر کلس تک لے جایا گیا۔ حیرم کا دعویٰ تھا کہ وہ محشر اور زندگی ہے۔ حیرم آبیف یا سحرا آصف کائنات کا گرینڈ آرکیٹکٹ تھا۔ اسے مقدس ہیکل کے کلس پر لے جایا گیا۔

یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہود کے ہاں کبھی نہ ختم ہونے والی داستانیں اور اساطیر ہیں جن کی دھند میں انہوں نے اپنے عقائد چھپا رکھے ہیں۔ اب تک سامنے آنے والے ثابت شدہ حقائق کے ساتھ حرف G کو درج ذیل اصطلاحات کے لیے بیان کیا جا سکتا ہے:

(1)......GOD......ایک آرکیٹکٹ کی حیثیت سے۔

(2)......Geometry......ایک مقدس علم کی حیثیت سے۔

(3)......حیرم آبیف یا سحرا آصف......ہیکلِ سلیمانی کے بڑے آرکیٹکٹ یا ماسٹر میسن کی حیثیت سے۔

یہود کے مطابق حیرم آبیف...... تابناک اوصاف رکھنے والا ماسٹر ہے۔ جبکہ حیرم ایک شیطان تھا۔ وہ ہیکل سلیمانی میں ایک ملازم معمار تھا جو اپنی موت مر گیا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جو کچھ یہود نے پھیلا رکھا ہے وہ ایسی جھوٹی داستان جو قیامت سے ذرا پہلے تک انہیں سرگرداں رکھے گی۔

(4) کائنات کے گریٹ آرکیٹکٹ کا ذکر رسوم کی کتاب میں Tgaotu لکھ کر کیا جاتا ہے۔ جو The Grand Architect of the Universe کا مخفف ہے۔ قرآن کی زبان میں...... جھوٹے خداؤں کو...... ''طاغوت'' (Tgaotu) کہا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فری میسنری سچے معبود، خالق کائنات کو نہیں بلکہ جھوٹے خدا ''طاغوت'' کو پکارنے کے لیے حرف ''G'' استعمال کرتی ہے اور دنیا اس سے GOD مراد لے کر دھوکے میں مبتلا رہتی ہے۔

ڈبل اسکوائر

ڈبل اسکوائر یا دہرے مربع سے مراد ایک مربع کے اوپر دوسرا مربع ہونا۔ یہ کسی بھی ترتیب میں ہو سکتا ہے۔ یہ خفیہ سوسائٹی کا نشان ہے۔ فری میسن کی خفیہ زبان میں ایک مربع کا مطلب ہے اس بات کا کنٹرول کہ کیا ٹھیک اور جائز ہے اور کیا غلط اور ناجائز؟ اسی سے انگریزی کی اصطلاحات Fair & Square اور Square deal مرتب ہوئی ہیں۔ ایک مربع کا دوسرے مربع پر ہونا اس بات کی عکاسی ہے کہ ان پر سب کنٹرول حاصل ہے جو ٹھیک ہے اور جو کچھ غلط ہے۔ وہ سب کچھ جو جائز اور جو ناجائز ہے۔ وہ سب کچھ جو مثبت اور جو منفی ہے۔ بہ الفاظ دیگر...... سب کچھ ہمارے کنٹرول میں ہے۔ فری میسن ہال کے فرش پر شطرنج کی بساط کی طرح کے ایک سیاہ اور ایک سفید مربع کے نشان لازمی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ یہی نشان آپ کو ٹوپیوں، ٹائیوں اور ٹی شرٹوں پر بھی ملے گا۔ ڈبل اسکوائر برطانوی پارلیمنٹ کی لابی کے عین وسط میں ہے اور اس کے ارد گرد دنیا بھر کی پولیس فورسز کے بیجز اسی نشان کے ساتھ ہیں۔

فری میسن کے خفیہ اشارات

دوسری قسم وہ خفیہ علامات اور رمزیہ اشارے ہیں جنہیں عام نہیں کیا جاتا۔ ''برادرز'' یا ''ماسٹرز'' ہی ان سے واقف ہوتے ہیں۔ برادری نے اپنے افراد کی پردہ پوشی یا رازداری ان نشانات اور ایک دوسرے سے تعارف کے خفیہ طریقۂ کار کے ذریعے برقرار رکھی ہے۔ اس سے برادری کے ان افراد کے درمیان غلطیوں کا امکان کم ہو جاتا ہے جو پہلے ایک دوسرے سے نہیں ملے ہوتے۔ مثال کے طور پر آپ کو کوئی پولیس افسر روکتا ہے۔ آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ میسن ہے یا نہیں؟ تاکہ آپ جرم کے باوجود نکل سکیں تو درج ذیل باتیں آپ کی مدد کر سکتی ہیں۔

1۔ خصوصی مصافحہ:

یہ ادھورا مصافحہ ہوتا ہے جس میں آپ کی ہتھیلی دوسرے شخص کی ہتھیلی سے پوری طرح نہیں ملتی بلکہ محض ایک دوسرے کی اُنگلیاں چھوئی جاتی ہیں۔ اس طرح آپ کا انگوٹھا از خود دوسرے فرد کی انگلیوں کی پشت پر کسی انگلی کے جوڑ سے مس کرتا ہے۔ آپ اپنا رتبہ یا درجہ بتانے کے لیے اپنے انگوٹھے سے دوسرے فرد کی متعلقہ انگلی کا جوڑ دباتے ہیں۔ اگر آپ پہلی ڈگری یعنی ابتدائی درجہ کے میسن یعنی ''انٹرڈ اپرنٹس'' (Intered Apprentice) ہیں تو آپ دوسرے شخص کی انگشت شہادت کا جوڑ دبائیں گے۔ اگر آپ دوسرے یعنی ثانوی درجے کے میسن یعنی ''فیلو کرافٹ'' (Fellow Craft) ہیں تو درمیانی انگلی کا جوڑ دبائیں گے اور اگر تیسری ڈگری رکھنے والے رکن یعنی ''ماسٹر میسن'' ہیں تو آپ تیسری انگلی یعنی رنگ فنگر کا جوڑ دبائیں گے۔ سامنے والا ''برادر'' جواب میں اپنی ڈگری کے مطابق آپ کی متعلقہ انگلی کو دبائے گا۔ اس کے بعد لاج اور ممبر شپ کے بارے

میں دوسری معلومات کا تبادلہ ہوگا۔ اگر وہ میسن نہیں ہے تو اسے آپ کے اشارے کی سمجھ نہیں آئے گی اور آپ کی شناخت نہیں ہو سکے گی۔

2- مخصوص جملے:

بیوہ کا بیٹا (Son of Widow) فری میسنز کا ایک اشارہ ہے۔ اگر آپ کسی ایسی پوزیشن میں ہیں کہ مصافحہ نہیں کر سکتے تو پھر آپ اپنی فری میسنری کا اعلان یہ مخصوص جملہ کہہ کر بھی کر سکتے ہیں۔ اسے آپ اپنی گفتگو کے دوران کسی وقت بھی ادا کر سکتے ہیں...... لیکن یہ جملہ اب بہت مشہور ہو چکا ہے اس لیے برادری نے اسے تقریباً ترک کر دیا ہے۔ ایک اور جملہ اپنی منزل کے بجائے سمت واضح کرنے کے لیے ادا کیا جاتا ہے مثلاً: عام حالات میں اگر ایک شخص دوسرے سے پوچھتا ہے کہ وہ کہاں جا رہا ہے تو جواب میں کہا جاتا ہے کہ میں نیویارک یا لندن یا کراچی جا رہا ہوں لیکن فری میسن جواب میں کہے گا: ''میں شمال کی طرف جا رہا ہوں یا میں مغرب کی طرف جا رہا ہوں۔''

کچھ اور مخصوص جملے اس طرح کے ہوتے ہیں: ''میری ماں نے مجھے محتاط رہنا سکھایا ہے...... میں اپنا بایاں پاؤں پہلے رکھتا ہوں۔'' اسی طرح کچھ مخصوص الفاظ ہیں مثلاً: جیومیٹری، لاج اور آن دی اسکوائر وغیرہ لیکن اس طرح کے جملے اور الفاظ جب عام لوگوں میں پھیل جائیں تو بدل دیے جاتے ہیں۔ اس لیے ان بدلتی اصطلاحات کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی۔

3- مخصوص اشیاء:

ان جملوں کا تبادلہ دراصل مدمقابل کی حیثیت کی جانچ اور تصدیق کی غرض سے ہوتا ہے ورنہ ان کی ادائی سے پہلے مدمقابل کو ایک نظر دیکھ کر اندازہ لگا لیا جاتا ہے کہ آیا وہ فری میسن ہے یا نہیں؟ اور یہ اندازہ فری میسنری کی علامات دیکھ کر کیا جا سکتا ہے جن میں انگوٹھی، اسٹڈ، بریسلیٹ اور آرائشی اشیا شامل ہیں۔ یہ نمایاں طور پر امتیازی اور فوراً شناخت کے قابل ہوتی ہیں۔ گھروں اور دفاتر وغیرہ میں نمایاں نظر آنے والی علامات میں کمپاس، مربع،

تکون، اہرام اور چھ کونوں والا ستارہ داؤدی بھی ہے۔ یہ بات بھی علم میں آئی ہے کہ جب کوئی فری میسن کسی ملازمت کے لیے درخواست دیتا ہے تو اپنی درخواست کو دوسروں سے نمایاں کرنے اور اپنی شناخت بتانے کے لیے درخواست کے کاغذ کو مخصوص انداز میں تہہ کرتا ہے یا اس پر انگریزی لفظ A لکھ دیتا ہے۔

4- جادوئی علامات:

جادو میں استعمال ہونے والے اشیا اور شیطان کی پوجا کے دوران مستعمل چیزیں بھی "فری میسنری" کی مخصوص علامات ہیں۔ مثلاً: انسانی کھوپڑی اور ہڈیاں (اسکلز اینڈ بونز)، بکرے کے سینگ یا ہاتھ سے ایسا اشارہ جو سینگوں کی شکل بنائے۔ یہ اشارہ دراصل شیطان کے سینگوں کی شبیہ ہے۔ اُلو یا دیگر حرام جانوروں کے پَر، سانپ یا اژدھے کی مختلف شکلیں، شطرنج کا نشان، سانپ کی طرح بل کھاتی سیڑھی، 666 کا ہندسہ وغیرہ...... ایسی مختلف چیزیں آپ مختلف اداروں یا کمپنیوں کے لوگو اور مونوگرامز میں بلاوجہ بنی ہوئی دیکھیں گے۔ مثلاً: سانپ یا بل کھاتی رسّی [جو مصر کے جادوگروں کی نظر بندی سے سانپ بن گئی تھی] بہت سے اداروں کے مونوگرامز میں بغیر کسی مناسبت کے ملتی ہے۔ پانی کی لہروں کی شکل میں یہی رسّی دکھائی جاتی ہے جیسے پیپسی کے لوگو میں۔ آپ اس طرح کی علامات کہیں دیکھیں تو یونہی نہ گزر جائیں، ایک لمحے کے لیے توقف کر کے غور کریں کہ اس ادارے یا کمپنی کے کام یا کاروبار کی ان شیطانی علامات سے کیا مناسبت ہے؟ شیطان کے چیلے اسے خوش کرنے کے لیے ان ابلیسی علامات کو پھیلاتے رہتے ہیں اور دنیا والے شعوری یا لاشعوری طور پر ان کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں۔ مثلاً: پنجاب پولیس کے لوگو میں سانپ کی شکل بندہ نے خود دیکھی ہے۔ آخر یہ کس لیے؟ دونوں میں کیا مناسبت ہے؟ اسی طرح جب کوئی لیڈر ہاتھ اُٹھا کر بیچ کی دو انگلیوں کو انگوٹھے سے ملا کر بند کرتا اور کنارے کی دو انگلیوں یعنی چھنگلیاں اور انگشت شہادت کو اوپر کھول کر دکھاتا ہے تو وہ درحقیقت برادری کے افراد کو دکھانے کے لیے شیطان کے سینگوں کی شبیہ بنا رہا ہوتا ہے۔ صدر کلنٹن اور صدر بش ایسی

تصویریں عام ہیں جن میں وہ عوام کے نعروں کا جواب دینے کے لئے ہاتھ سے اس طرح کی مخصوص شکل بنا کر ''برادری'' سے تعلق اور شیطان کی سر بلندی کے لئے اپنی وقیع کاوشوں کا غیر اعلانیہ اظہار کر چکے ہیں۔فری میسنری جادو اور شیطانی ٹونکوں میں انتہائی مہارت حاصل کرنے کے درپے ہے۔شیطان کی یہ برادری جادو کو انتہائی جدید انداز میں پھیلا رہی ہے۔ اب جادو کالا جادو بنگال یا افریقہ کے قبائل کا شیوہ نہیں، کیمپ ڈیوڈ یہودی سامریوں کا سب سے بڑا طلسمی گورکھ دھندا ہے۔سویڈن اور جنوبی افریقا یہودی سفلی عاملوں (جنہیں قبالہ کہتے ہیں) کے شیطانی دھندوں کا عالمی مرکز ہیں۔دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں ''بگ برادرز'' جادو کے اسٹیج شو منعقد کر رہے ہیں۔اس میں کچھ تو ہاتھ کی صفائی، آنکھ کا دھوکا یا شعبدہ بازی ہے....لیکن کچھ فی الواقع شیطانی جادو ہے۔پاکستان کے چند بڑے شہروں کے پوش علاقوں میں جادو گھر بنے ہوئے ہیں جہاں جادو کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ بڑے بڑے گھرانوں کی بیگمات اس میں دلچسپی سے حصہ لے رہی ہیں۔یہ معزز خواتین بڑے شوق سے جادو سیکھتی اور سکھاتی ہیں اور وہ تمام شیطانی اعمال کرتی ہیں جو اس گندے کام میں پڑ کر کرنے پڑتے ہیں۔

الغرض! اہلِ اسلام کو ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنے اور شریعت کی علامات کو پھیلانے اور شیطانی علامات کو مٹانے کی ضرورت ہے۔شرعی نشانات پر اللہ کی رحمت اُترتی ہے اور شیطان سے منسوب چیزوں پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ہمیں ذکر کے کلمات اور گنبد و مینار کی شبیہوں کو فروغ دینا اور شیطان پرستی و جادوگری کو دنیا سے مٹانے کے لیے حسبِ حیثیت کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

فری میسن کے پیغامات

گزشتہ دنوں ایک کثیر الاشاعت معاصر اخبار میں فری میسن کے حوالے سے ایک کالم چھپا ہے جس میں فراہم کی گئی معلومات کی سنسنی خیزی کا بڑا چرچا ہے۔ آیئے! ایک نظر اس کالم کے اہم اور مرکزی مندرجات پر اور پھر کچھ معروضات ان مندرجات میں چھپے فری میسن کے پیغامات پر۔ ذی وقار کالم نگار لکھتے ہیں:

''یوں تو ہمیں عید کے بے شمار پیغامات اور مبارکیاں بذریعہ ای میل آئیں لیکن ایک ای میل جو واشنگٹن سے ملی اس نے ہمیں لکھنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ای میل پاکستان سے پیدائشی تعلق رکھنے والے گوجرانوالہ کے فیروز شاہ معروف نے ارسال کی ہے جو گزشتہ تقریباً تیس برسوں سے امریکہ میں مقیم اور ایک عرصے سے امریکی شہریت کے حامل ہیں۔ بقول ان کے پچیس سال قبل انہوں نے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک یہودی خاتون سے شادی کر لی تھی جو ابھی بھی قائم ہے۔ دونوں اپنے اپنے مذاہب پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں لیکن گزشتہ کئی برسوں سے ان کے درمیان کچھ بے کیفی اور بے چینی ہے۔ اس کی وجہ فیروز صاحب کا مسلمان ہونا اور خصوصاً پاکستان سے تعلق ہونا ہے۔ ان کی بیگم جو فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں ایک فلاحی، رفاہی تنظیم کی عرصے سے رکن چلی آ رہی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نہ تو کبھی اپنی بیگم کی مصروفیات پر اور نہ ہی ان کی فلاحی سرگرمیوں پر توجہ دی، نہ میرے لئے وہ کبھی مسئلے کا باعث بنی لیکن اب میری مسلسل کوشش اور اسلام میں عورتوں کے حقوق سے خصوصاً متاثر ہو کر ان کی بیوی نے اسلام قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا تو ہے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکیں۔ وہ کہتے ہیں میرے بہت اصرار پر انہوں نے جو انکشافات کیے ان کو سن کر تو میں حیران و پریشان ہوں۔ بہت سوچ بچار کے بعد آپ کو یہ

حقائق بتا رہا ہوں۔

دراصل میری بیگم ابتدا سے ہی فری میسن تحریک کی سرگرم رکن رہی ہیں، اب اگر وہ اسے چھوڑنا بھی چاہیں تو چھوڑ نہیں سکتیں کیونکہ اگر وہ ایسا کریں گی تو تنظیم ان سے دنیا ہی چھڑا دے گی۔ فری میسن دراصل ایک خفیہ صہیونی تنظیم ہے۔ اس کے پیروکار دنیا کے تمام ممالک میں موجود ہیں۔ گو کہ پاکستان میں اس کے مراکز جنہیں لاجز کہا جاتا ہے بند کر دیے گئے ہیں لیکن اب بھی وہاں ہزاروں ممبران موجود ہیں۔ تنظیم کے پاس لاکھوں نہیں کھربوں ڈالر کے فنڈ ہیں۔ یہ سب کچھ میں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اصل بات آپ بآسانی سمجھ سکیں۔"

اس تجسس انگیز تمہید کے بعد اصل بات کا سنسنی خیز انکشاف کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے:

"آج کل پاکستان کے طول و عرض میں جو دہشت گردی ہو رہی ہے اس میں اس تنظیم کی نہ صرف منصوبہ بندی شامل ہے بلکہ تمام تر سرمایہ کاری بھی یہی لوگ کر رہے ہیں۔ ان سائیڈ اسٹوری یہ ہے کہ اگر پاکستان آج اسرائیل کو تسلیم کر لے تو آپ دیکھیں گے کہ پاکستان سے دہشت گردی یک لخت ختم ہو جائے گی۔ حیران نہ ہوں۔ مصر کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ مصر نے جب تک اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تھا اس وقت تک نہ صرف وہاں اندرونی طور پر اخوان برسرِ پیکار رہے بلکہ سرحد پر خود اسرائیلی افواج اپنی بھرپور کارروائیاں کرتی رہی۔ جب سے مصر نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہے کیا اب وہاں کہیں کسی طرف سے کسی گرم سانس کی آواز بھی آتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ جن جن ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے ان میں کسی قسم کی دہشت گردی نہیں ہو رہی۔ ان میں اقتصادی معاشی حالات بھی بہتر ہیں۔ انہیں تمام عالمی ادارے قرضے نرم شرائط پر دیتے ہیں جب کہ اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے والے ممالک نہ صرف کھلی دہشت گردی کا شکار ہوتے ہیں بلکہ انہیں معاشی اقتصادی بدحالی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ عالمی ادارے اپنی من مانی شرائط پر مہنگے قرضوں میں جکڑ لیتے ہیں۔ پاکستان کے لیے خصوصاً 2020ء کا ٹارگٹ مقرر کیا گیا ہے اگر اس وقت تک پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا تو ٹھیک ورنہ اس کے وجود کو بکھیر دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ بھی

ممکن ہے کہ امریکہ بہادر کسی حیلے بہانے سے اپنے اشتعال کا اظہار کر کے براہ راست پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے افغانستان کی طرح حملہ آور ہو جائے کیونکہ پاکستان اور دیگر ممالک میں یہ فرق نمایاں ہے کہ پاکستان ایٹمی قوت کا حامل ملک ہے۔"

بندہ نے جب یہ خط پڑھا تو اس میں دیے گئے زہریلے پیغام سے بھنا کر رہ گیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ نہ تو یہ ان سائیڈ اسٹوری ہے اور نہ اندر کی بات۔ یہ بالکل کھلی حقیقت ہے۔ جسے "اندر کی بات" کہہ کر تجسس کی فضا پیدا کی گئی ہے۔ ایسی حقیقت جسے ہمارے اکابر اور اہلِ تحقیق روزِ اول سے آگاہ کرتے اور اس فتنے سے بچاؤ کی تدابیر بتاتے آئے ہیں۔ ہمیں چونکہ اپنے اسلاف کی تحقیق اور وسعت نظری کا اعتراف نہیں اس لیے ان کی تنبیہات پر تو کان نہیں دھرتے البتہ مغرب سے کوئی گھسی پٹی بات کسی نئی پیکنگ میں آجائے تو خوب مزے سے نیا لیبل لگی پرانی شراب کا تذکرہ کرتے اور سنسنی خیزی پھیلاتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس تحریر کو بھیجنے والے مکتوب نگار اور اسے شائع کرنے والوں سے وہی فحش غلطی ہوئی ہے جو آج تک اس موضوع پر لکھنے والے غیر عالم قلم کاروں سے ہوتی رہی ہے۔ انہوں نے ہمدردی اور خیر خواہی کے طور پر جو باتیں کی ہیں اس سے پڑھنے والوں کا غیر شعوری طور پر وہ ذہن بنتا ہے جو فری میسن بنانا چاہتی ہے۔ قلم کار کا فرض ہے کہ وہ ایسی تحریروں کا ناقدانہ جائزہ لے اور قارئین کو قابلِ عمل حل تک پہنچائے بغیر ایسی چیز نہ چھاپے جس کا "فوق السطور" تو لوگوں کے شعور سے اُتر جائے گا البتہ "بین السطور" ان کے لاشعور میں محفوظ ہو جائے گا۔

اب آیئے! اس خط کے مندرجات پر ایک طالب علمانہ نظر ڈالتے ہیں:

(1) سب سے پہلے تو بندہ عرض کرے گا جب اسلام دل میں گھر کر جاتا ہے تو صاحب ایمان بندے یا بندی کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ اسے جان سے گزرنا پڑے گا یا دنیا چھوڑنی پڑے گی۔ اس طرح کے اندیشے ایمان والوں کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ حضرت آسیہ سے ایوان ریڈلی تک تاریخ گواہ ہے کہ اس معاملے میں مؤمنات مؤمنین سے پیچھے

نہیں رہی ہیں۔ بندہ کا تجربہ کہتا ہے محترمہ نے شدید اصرار کے بعد جو انکشافات کیے، یہ اصرار بھی محض تکلف تھا ورنہ وہ یہ پیغام بہرحال پاکستانیوں کو ایک پاکستانی شوہر کے ذریعے پہنچانے پر مامور تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سچے دل سے ایمان نصیب فرمائے۔

(2) اگلی بات وہی ہے جسے کہتے کہتے فری میسنوں کی باچھوں میں مینڈکیوں کی ٹانگیں بن گئیں لیکن وہ پوری ہو کر نہیں دے رہی۔ ارشاد ہے: "پاکستان جب تک اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا، اس کے طول و عرض میں جاری دہشت گردی ختم نہیں ہوگی اور جیسے ہی وہ اس ناجائز وجود کو تسلیم کرلے گا، یک لخت اسے دہشت گردی سے چھٹکارا مل جائے گا۔" یاد رکھیے! اسرائیل کو تسلیم کرلینے سے پاکستان میں کسی طرح کی بھی دہشت گردی ہرگز ختم نہ ہوگی بلکہ یہود کے ناجائز مطالبے کو تسلیم کرلینے سے اللہ نے ذلت و خواری کی جو مہر ان پر لگائی ہے اور انہیں جس غضب و قہر کا مستحق قرار دیا ہے، ہم بھی اس ذلت یا قہر میں سے وافر حصے کے مستحق ہو جائیں گے۔ صہیونی سازشوں کے آگے ہتھیار ڈالنے سے دہشت گردی کا خاتمہ ہرگز نہیں ہوگا بلکہ صہیونی دماغ ایک مرحلے کو کامیاب دیکھ کر فوراً اگلے مرحلے کی منصوبہ بندی شروع کردیں گے جو موجودہ دہشت گردی سے بھی زیادہ پُرخطر، موذی اور جان لیوا ہوگی۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کے مقابلے کے لیے وجود بخشا ہے۔ دنیا میں یہ دو ہی ریاستیں ہیں جو کسی نظریے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہیں۔ پاکستان تکوینی اذن سے قائم ہوا ہے، اس وقت تک قائم رہے گا اور دنیا کا کوئی مکار اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا جب تک یہ اپنے نظریے پر قائم ہے اور جس دن اس نے اپنے نظریے سے سے انحراف کیا اور اسرائیل کی دسیسہ کاریوں کا مقابلہ کرنے اور کرۂ ارض کو یہود کے منصوبوں سے بچانے کے بجائے ان کے سامنے سرنگوں ہوگیا، یہ اللہ اور اس کے مقربین کی نظروں سے گر جائے گا اور کوئی چیز اس کو یہود کے لیے مقدر ذلت سے نہ بچا سکے گی۔ یہود کی دوستی شیطان کو بھی راس نہیں آئی۔ امریکا کو برباد کر رہی ہے تو ہمیں دہشت گردی سے کیا نجات دلائے گی؟ یہود اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک وہ اپنے مقاصد یعنی مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل

سلیمانی کا قیام، ہیکل سلیمانی میں عالمی صہیونی حکومت کے ہیڈ کوارٹر یعنی داؤد بادشاہ کی نسل سے آنے والے عالمی حکمران کے قصرِ صدارت کی تعمیر کے راستے میں موجود رکاوٹ یعنی عالمِ اسلام کی واحد ایٹمی طاقت کو ختم نہ کر لیں۔ لہٰذا پاکستان جیسے ہی اپنے جائز موقف سے ہٹ کر اسرائیل کو تسلیم کرے گا وہ اسے برباد کرنے کے اگلے مرحلے کا آغاز کر دے گا۔ یہود کی دہشت گردی کا مقابلہ حوصلہ مندی سے ہی ہو سکتا ہے۔ بھیگی بلی بن کر ان کی چھتری تلے سر گھسانے سے جگ ہنسائی اور رسوائی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(3) آگے عرض کیا ہے: ''اسرائیل کو تسلیم کرنے والے ممالک کے معاشی حالات بہتر ہو جاتے ہیں اور اسے تسلیم کا جرم نہ کرنے والے بدترین معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔'' دنیا میں اس سے بڑی غلط فہمی شاید ہی پھیلائی گئی ہو۔ امریکا اور برطانیہ سے زیادہ یہود کو کس نے تسلیم کیا ہوگا؟ برطانیہ نے اسرائیل کو جننے میں دایہ کا کردار ادا کیا اور امریکا نے اسے گود لے کر لے پالک بنا کر پالا لیکن آج سے دس سال پہلے امریکا کے مجموعی قومی قرضے 1998ء میں 55,16,80,00,000 ڈالر تھے جبکہ 2008ء میں 10,331,139,000,845.92 ڈالر ہیں۔ برطانیہ کے مجموعی قرضے 1996ء میں 3,74,03,60,00,000 پاؤنڈ کو جا پہنچے تھے آج برطانیہ کا قرضہ اس کے کل جی ڈی پی کا 43.6 فیصد یعنی 1448 بلین پاؤنڈ ہے۔ ترکی 2007ء تک 69.2 ڈالر کا مقروض ہو چکا ہے۔ بھارت پر 89.8 ارب ڈالر کا قرضہ ہے جبکہ اس وقت انڈیا 125.9 بلین ڈالر کا مقروض ہے۔ مکتوب نگار کی پیش کی گئی اسرائیل کے لیے نرم گوشہ رکھنے کی مثال میں مصر ہے۔ مصر پر 1998ء میں عالمی بینک کے قرضوں کا حجم 31.4 ملین ڈالر تھا جبکہ 2008ء مصر 34.4 بلین ڈالر کا مقروض ہے۔ یہودی ادارے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کو اگر ہم خوش کر لیں گے تو اقتصادی حالت کبھی بہتر ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے کہ وہ کبھی بھی امداد نہیں کرتے۔ قرضہ دیتے ہیں اور جب وہ کسی کو قرضہ دے دیتے ہیں تو موت اس سے روح تو چھین سکتی ہے لیکن اس کی گردن یہودی قرضے کے سود سے نہیں نکل سکتی۔ تو جناب محترم!

آخر آپ ہمیں کون سی پٹی پڑھا رہے ہیں؟

(4) ''پاکستان کے لیے 2020ء کا ٹارگٹ مقرر کیا گیا ہے۔ اگر اس وقت تک پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم نہ کیا تو اس کا وجود بکھیر دیا جائے گا۔'' سبحان اللہ! یہ یہودی خاتون...... اللہ انہیں سچے ایمان کی توفیق دے...... مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کر کے دانستہ یا نادانستہ فری میسن کا پیغام آگے پہنچا رہی ہیں۔ یہود تو روزِ اول سے ہی پاکستان کا وجود بکھیرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ان کا بس چلے تو وہ خاکم بدہن 2020ء کیا، صبح ہونے سے پہلے ہی عراق کی طرح پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو ہدف بنالیں۔ اور پھر اسے خدانخواستہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ یہ تو خدا کی شان اور پاکستانی مجاہدین کی قربانیاں کہ یہود ہر دفعہ منہ کی کھاتے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی منہ کی کھائیں گے۔ یہ دھمکیاں وہ اپنی طرح کسی ٹوڈی کو دیں تو بہتر ہے۔ پاکستان کی شیرنی صفت مائیں شیر جوان مجاہد جننے سے بانجھ نہیں ہوئیں کہ پاکستانی عوام یہود کی عیارانہ دھمکیوں میں آجائیں گے۔ پاکستان کے بجائے یہود کو اپنی سوچنی چاہیے کہ 2013ء کے کتنے دن بعد تک اسرائیل قائم رہتا ہے؟ پاکستان اس وقت تک قائم رہے گا جب تک یہاں کے شیر جوانوں کا لشکر سیاہ جھنڈوں تلے جانبازانہ پیش قدمی کرتا ہوا اسرائیل نہیں پہنچے گا اور حضرت مہدی کی قیادت میں اسرائیل کو عراقی بادشاہ بخت نصر اور رومی بادشاہ طیطوس کی یلغار کی یاد نہ دلا دے گا۔ بس اے جھوٹے مکارو! انتظار کرو اس تیسری اور حتمی تباہی کا جو تمہیں کسی پتھر اور کسی درخت کے پیچھے نہ چھپنے دے گی۔

(4) باتوں باتوں میں آخری پیغام یہ دیا گیا ہے کہ اگر اسرائیل کو تسلیم نہ کیا گیا تو یہ بھی ممکن ہے، امریکا پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے افغانستان کی طرح حملہ آور ہو جائے۔

یا سبحان اللہ! جو بات کہی، واللہ لاجواب کہی۔ امریکا پاکستان کی اینٹیں کیا بجائے گا وہ پہلے افغانستان میں اپنی رلتی ہوئی ساکھ اور برباد ہوتی ہوئی قوت کو بچا لے تو بڑی بات ہے۔ اسے خود سمجھ نہیں آرہی کہ افغان فوج کو ساتھ ملا کر اپنی اگاڑی چھپائے یا نیٹو کو ساتھ

ملا کر پچھاڑی بجائے۔ یقین نہ آئے تو افغانستان کی کچی سڑکوں پر پڑے امریکا کے دیو ہیکل ٹینکوں، بکتر بندوں اور فوجی گاڑیوں کے ڈھانچے گن لیے جائیں جن میں فی یوم اتنا زیادہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے کہ اب امریکی ان کا اسکریپ اٹھانے کا تکلف بھی نہیں کر پا رہے۔ امریکی افواج آئی تو بڑی طمطراق سے تھیں مگر جب پالا پڑا تو اس حصار سے نکلنے کا راستہ نہیں ڈھونڈ سکتیں جس میں طالبان نے انہیں جکڑ رکھا ہے۔ اس عاجز نے موجودہ افغان جنگ کے آغاز میں...... جب طالبان نے 35 دن تک فضائی حملوں کا سامنا کرنے کے بعد حکمت عملی کے تحت شہری علاقے خالی کیے تھے...... ''داؤ'' نامی کالم میں اس امر کا اظہار کیا تھا کہ امریکا اپنی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی کرے گا اگر وہ افغان سرزمین پر خود کو فاتح سمجھ کر اُترے گا۔ افغانوں کا مزاج اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ غیر ملکی استعمار کو کبھی برداشت نہیں کرتے۔ افغان سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے ایسی جغرافیائی خصوصیات اور عسکری امتیازات سے نوازا ہے کہ وہ قابض یا غاصب کو اپنی پیٹھ پر برداشت نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی امر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی کے سر میں زمینی خدائی کا سودا سماتا ہے، رب العزت اسے یہاں لا کر ناک میں لنگڑا مچھر اور سر پر ننگے جوتے پڑواتا ہے۔ پہلے برطانیہ کا حشر اس حال میں ہوا کہ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ پھر روسی ریچھ کے سرخ دانت اس وقت ٹوٹے کہ وہ محاوروں کی فہرست میں یہ اضافہ کر چکا تھا کہ اس کے پنجے جہاں گڑ جاتے ہیں پھر نکالے نہیں نکلتے۔ اب امریکا کی باری آئی ہے تو طالبان کی نئی نسل کو من بھاتا شکار ہاتھ آ گیا ہے۔ امریکا کو دنیا افغانستان پر قابض سمجھتی ہے حالانکہ وہ قابض نہیں، مقبوض ہے۔ محاصرہ کر نہیں رہا، خود محاصرے میں ہے۔ پیش قدمی پر اسے قدرت نہیں، قرار گاہوں میں سمٹنے پر اس کا زور ہے۔ قرار گاہوں (چھاؤنیوں) کے اردگرد افغان ملی فوج ہے۔ بیچ میں امریکی اور یورپی افواج ہیں اور چاروں طرف طالبان نے گھیرا ڈال رکھا ہے۔ امریکا کی گاڑی جیسے ہی گشت پر نکلتی ہے تا کہ اپنا وجود ثابت کر سکے تو طالبان کی آنکھ میں وہ چمک آ جاتی ہے جو شکار کو دیکھ کر شکاری کو بے چین کرتی ہے۔ طالبان کا جو

گروپ جہاں ڈیوٹی دے رہا ہے اگر اس کی حدود سے امریکی گاڑی سالم نکل جائے تو وہ دوسرے گروپوں کی نظر میں نکو ٹھہرتا ہے۔ نکو سے بڑی گالی ان کے لیے کوئی نہیں۔ لہٰذا ہر طالب اسے سب سے پہلے شکار کرنے کے لیے انجام سے بے پرواہ ہو کر ٹوٹ پڑتا ہے اور اس کا ایک ہی نعرہ ہی ہوتا ہے......: ''یلغار......! ابھی نہیں تو کبھی نہیں......!!''

تو جناب من! رہنے بھی دیں۔ امریکا چالیس بیالیس ممالک کی افواج کو ساتھ ملا کر نہتے افغانوں اور پسماندہ قبائلیوں کو قابو نہ کر سکا وہ پاکستان کا رخ کر کے رہی سہی ساکھ کیوں برباد کروائے گا؟ بھرم بازی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کابل کی شاہی تقریب سے لے کر میریٹ ہوٹل کے ہیڈ کوارٹر میں مصروف کار امریکی سیکرٹ ایجنسیوں تک، امریکی ادارے اپنے لوگوں کو سیکیورٹی فراہم نہ کر سکے، پاکستان کو وہ کیا تحفظ فراہم کریں گے؟ پاکستان جب تک اپنے مقصد تخلیق سے صاف نہیں مکرتا، اس وقت تک اس کی حفاظت وہ عہد کرے گا جو پاکستانیوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے اپنے رب سے کیا تھا اور جس دن خدانخواستہ یہ اس سے منکر ہو گیا، اسے کوئی صلح، کوئی سمجھوتا، کوئی مددگار، تحفظ فراہم نہیں کر سکے گا۔ زمینی خداؤں سے ڈرنے کے بجائے ایک قادر مطلق سے ڈریے۔ اسی سے رحمت کی بھیک مانگیے۔ بے شک وہ حوصلہ رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔

خط کے آخر میں مکتوب نگار نے کہا ہے کہ ان گزارشات کو اربابِ اقتدار خصوصاً ارکانِ پارلیمنٹ تک پہنچا دیا جائے۔ سمجھ نہیں آتا کہ ارکانِ اسمبلی سے کس قسم کی توقع وابستہ کی جا رہی ہے اور کیا سمجھا جا رہا ہے کہ ان تک یہ گزارشات پہنچنے کے بعد وہ کیا کریں گے؟ کیا یہی کہ دہشت گردی ختم کرنے کے لیے اسرائیل کو تسلیم کریں گے یا معاشی حالات بہتر کرنے، پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانے اور امریکی حملوں سے بچنے کے لیے یہودی سازشوں کے سامنے جھک کر کورنش بجا لائیں گے؟؟؟ ہمارے معزز ارکانِ پارلیمنٹ کو سوچنا چاہیے کہ امریکا کے مقدر میں لکھی شکست تو اس کے وہ ساتھی بھی پڑھ چکے ہیں جو افغان زمین میں چھپے خزانوں کی لوٹ میں حصہ لینے اس کے ساتھ جوق در جوق آئے تھے۔ ان کو فکر ہے کہ

امریکا کی ''بصد اعزاز واپسی'' کے بعد امریکا تو القاعدہ اور طالبان سے اپنا دفاع اگر بالفرض کرلے گا لیکن ان ممالک کا کیا بنے گا جو انتقام کے ایک ''ڈز'' کا تحمل نہیں کر سکتے۔ جب امریکا کے اصل پارٹنر دیوار پر لکھی حقیقت پڑھ چکے ہیں تو بڑی بدنصیب ہوگی پاکستانی قوم اگر اس کے اربابِ اقتدار اس کھلی حقیقت کا ادراک نہ کرسکیں اور کبھی کسی کے دوست نہ بننے والے امریکا کو پاکستان کے فطری حلیف طالبان سے تعلق بہتر بنانے پر ترجیح دیں۔ امریکا اور فری میسن اس طرح کے پیغامات اور دھمکیوں سے پاکستان کو آگے لاکر طالبان سے ان کی دشمنی پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم کو اپنے شکست خوردہ وجود کی ڈھال بنا کر افغانستان سے باعزت واپسی کی راہ ہموار کی جائے گی۔ آخر ہم کیوں بغل بچہ بنیں؟ کیوں یہود کے مقدر میں لکھی کالک خود پر ملیں؟ کیوں پڑوسی سے دشمنی اور اس کے دشمن سے دوستی پالیں؟ مذہبی ہدایات پر عمل ہماری توفیق میں نہیں تو دنیاوی سیاست کے تقاضے ہم کیوں فراموش کررہے ہیں؟ نکّو بننے کا شوق ہمیں کیوں برباد کرنے پر تلا ہوا ہے؟ خدارا! ہوش کے ناخن لیں۔ جو دوست کی دشمنی پالتا ہے اس کو تباہی کے لیے دشمن کی دشمنی کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ اس کا اپنا رویہ اس کے لیے خودکش بن جاتا ہے۔ سمجھنا ہے تو سمجھ لے اے میری قوم! ورنہ تیرا خدا ہی حافظ ہے۔

فری میسن سے منسلک چند مشہور شخصیات

یہود کی بدنام زمانہ تنظیم فری میسن (جس کے نام، کام، مقاصد واہداف پر کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ معاشرے کے تمام طبقات میں اپنے نمایندے تلاش کر کے ان سے حسبِ موقع وحسبِ ضرورت کام لینے میں بے انتہا مہارت وشہرت رکھتی ہے۔ حکومت ہو یا حکمران، بیوروکریسی ہو یا میڈیا سے متعلقہ افراد، فری میسن کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر طبقے میں اپنے ایجنٹ تلاش کرے اور ان سے یہودیت نوازی کی خدمات لے۔ ماضی قریب میں وہ بڑے لوگ جن کے بارے میں متعین طور پر یہ معلوم ہے کہ وہ فری میسن تحریک کے سرگرم کارکن تھے، ان میں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا، ایران کے آخری بادشاہ شاہ رضا پہلوی، مصر کے صدر جمال عبدالناصر اور ایران کے وزیراعظم امیر عباس ہویدا اہم ہیں۔ اس کے علاوہ افغانستان کے امیر حبیب اللہ خان، مہاراجہ پٹیالہ اور نواب رام پور رضا علی خان اپنے اپنے لاجوں کے گرینڈ ورشپ فل ماسٹر تھے۔ اسی طرح مصر کا ایک اور صدر انور سادات ایک مشہور فری میسن تھا۔ اس کی بیوی ''جہاں سادات'' ایک معزز یہودی عورت تھی۔ اس خاتون کی یہودیوں میں عزت اور توقیر کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب عالمی یہودی کانگریس میں دو بڑے مذہبی طبقوں میں اختلاف رونما ہوا تو اسے ثالث قرار دیا گیا۔ اردن کا حکمران خاندان شریف حسین کے دور سے (جس نے خلافتِ عثمانیہ سے غدّاری اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری میں مرکزی کردار ادا کیا) آج تک کھلم کھلا یہود کا آلہ کار اور امریکن یہودی یا برطانوی عیسائی خواتین کا شوہر نامراد چلا آرہا ہے۔ یادش بخیر! عظیم فلسطینی مجاہد جناب یاسر عرفات کا فری میسن ہونا بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ان کی زوجہ محترمہ بھی ایک مشہور یہودی خاتون تھیں۔ افغانستان میں اقوام متحدہ کے سفیر کے طور پر

گرانقدر خدمات انجام دینے والے فارسی نژاد افغانی مشیر زلمے خلیل زاد بھی یہودی حسینہ کا شوہر ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ انڈیا میں ہندو شدت پسندی کو یہودی سرمائے کے بل بوتے پر فروغ دینے والے ایل کے ایڈوانی اور بال ٹھاکرے برملا اسرائیل سے اپنے تعلقات تسلیم کر چکے ہیں۔ ہمارے ہاں کے مشہور کھلاڑی اور اب اُبھرتے ہوئے سیاسی رہنما (جو حیرت انگیز طور پر اپنی سابقہ زندگی کے برعکس پاکستانیت اور اسلامیت کے حوالے سے بڑے دلچسپ بیانات دیتے اور حوصلہ افزا گفتگو کرتے ہیں) کی زوجیت میں بھی ایک یہودی حسینہ تھیں جو دنیا کے چند گنے چنے (سات افراد پر مشتمل ایک باڈی) اور "سر" کا خطاب پانے والے مشہور یہودی سرمایہ دار کی صاحبزادی تھیں۔ پھر ان کا باہمی میل نہ ہوا یا کیا، حقیقت خدا ہی جانے کہ بیل منڈھے نہ چڑھی اور بات جدائی تک جا پہنچی۔ خان صاحب پھر خان صاحب ہیں۔ آخر کو خان جو ہوئے۔ شاید کوئی رگ مسلمان پھڑکی ہو اور آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ بس اتنا خیال رکھا جائے کہ وہ کہیں پھر سے بھول کے سفر پر نہ روانہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خان صاحب کی حفاظت فرمائے اور انہیں نیک توفیق دے۔ الغرض "یہودی حسیناؤں کے مسلمان شوہر" ایسا موضوع ہے جس پر ہمارے نوجوان تحقیق کار کام کریں تو دلچسپ اور ہوشربا انکشافات سامنے آنے کی توقع ہے۔

مثلاً: پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان (15 اگست 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء) کی دوسری شادی بیگم رعنا سے ہوئی۔ (پہلی شادی جہانگیر بیگم سے ہوئی تھی) رعنا لیاقت علی خان پہلے ہندو تھیں، جوانی میں عیسائی مذہب اختیار کیا۔ اگرچہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کب اسلام قبول کیا تاہم دو تین واقعات کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ جب ان کی شادی ہوئی تو وہ مسلمان تھیں۔ جبکہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے آخر تک اسلام قبول نہیں کیا۔ (پاکستان کے حکمران، ص:82) اس کی ایک تائید ان کی این جی او رہنما تنظیم "اپوا" سے ہوتی ہے جس نے پاکستانی خواتین کے مسائل حل

کرنے میں کوئی کردارادا کیایانہیں؟ یہ تو پاکستانی خواتین کی حالت بتارہی ہے، البتہ خواتین کا گھر کی چار دیواری سے نکلنے اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کی ہمت افزائی ان کا اولین ہدف تھا جس کے لیے ''اپوا'' کے سائے تلے وہ عمر بھر کوشش کرتی رہیں۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ خاتون اوّل رہی ہوں گی تو انہوں نے کیا کچھ خدمات انجام نہ دی ہوں گی۔ ان خدمات اوراثرات کی ایک جھلک آپ قائد ملت پر لکھے گئے ایک مشہور صحافی کے درج ذیل الفاظ میں دیکھ سکتے ہیں۔

''نوابزادہ لیاقت علی خان اپنی عوامی سیاست میں بھی بیوروکریٹس کی معاونت لیتے تھے۔ یوں انہوں نے آغاز ہی میں مسلم لیگ کی جمہوری روح کچل ڈالی۔ جس کا قائداعظم کو ہمیشہ دکھ رہا۔ خان لیاقت علی خان اوران کے حواریوں نے قائداعظم جیسی ہستی کو اس قدر بے بس کر کے رکھ دیا کہ وہ کراچی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ قائداعظم نے کئی مقامات پر اس ٹولے کا ذکر کیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنی جیب کے کھوٹے سکے بھی قرار دیا۔ بقول فاطمہ جناح جب قائداعظم زیارت میں تھے تو وزیراعظم صاحب ان سے ملنے کے لیے گئے۔ جب قائد اپنی آرام گاہ میں تھے اور انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو بتایا کہ یہ شخص میرے سانس گن رہا ہے اور میرے مرنے کے انتظار میں ہے۔ قائداعظم کی موت بھی ایک داستان بن گئی۔ جس کسمپرسی میں ان کا انتقال ہوا اور حکومت نے جس سردمہری کا اظہار کیا، اس نے خان لیاقت علی خان کی حیثیت کو مشکوک بنا دیا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد سیاسی قیادت کی فراخدلی، وسعت نظری اور جمہوری روایات کو بھی موت واقع ہوگئی۔ نواب صاحب کی ذات شریف میں اقرباء پروری کی روش پہلے ہی پائی جاتی تھی۔ جب ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیدادیں الاٹ کی گئیں تو نواب صاحب، ان کے خاندان اور حواریوں کو عمدہ قسم کی جائیدادیں دی گئیں۔''

پاکستان کے تیسرے گورنر جنرل ملک غلام محمد (19 اکتوبر 1951ء تا 5 اکتوبر 1955ء) جن کا دور، اقدار وروایات کی بے دریغ پامالی اور شخصیت پرستی اور نوکرشاہی کی

من مانی کا دور سمجھا جاتا ہے، کے پیچھے بھی ایک غیر ملکی خاتون کا وجود نامسعود کارفرما تھا۔ اس خاتون کا نام ''مس روتھ بورل''، ملک سوئیڈن اور مذہب ''نامعلوم'' تھا۔ وہ کہاں سے دریافت ہوئیں اور کس قاعدے قانون سے پاکستان کے گورنر جنرل کی پرائیویٹ سیکرٹری بنیں؟ یہ تاحال فری میسنری کے دیگر کارناموں کی طرح سربستہ راز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ غلام محمد اپنی اس پرسنل سیکریٹری کو جرمنی میں پاکستانی سفارت سے اٹھا لائے تھے۔ مشہور ادیب جناب قدرت اللہ شہاب جو ملک غلام محمد کے سیکرٹری رہے ہیں، اپنی شہرۂ آفاق خودنوشت آپ بیتی میں لکھتے ہیں: ''میں گورنر جنرل ہاؤس پہنچا۔ ایک اے ڈی سی مجھے اپنے ساتھ اوپر والی منزل میں لے گیا۔ وہاں پر برآمدے میں قالین بچھا ہوا تھا اور اس پر صوفے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک گول میز پر بڑے خوبصورت پھول سجے ہوئے تھے۔ مسٹر غلام محمد ایک گدّے والی آرام کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے نیلے رنگ کا دھاری دار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ رومال اور جرابیں ٹائی کے ہم رنگ تھیں۔ کوٹ کے کالر میں گلاب کا پھول ٹنگا تھا۔ سر پر کالی ''جناح کیپ'' تھی۔ ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ ان کے قریب والی کرسی پر گورنر جنرل کی پرسنل پرائیویٹ سیکرٹری مس رُوتھ بورل بیٹھی تھی۔ یہ بڑی طرح دار، نازک اندام، خوبصورت نیم امریکن، نیم سوئس لڑکی تھی جسے وہ واشنگٹن سے منتخب کر کے اپنے ساتھ پاکستان لائے ہوئے تھے۔'' (ص: 639،640)

بعد میں ملک غلام محمد پر فالج کا حملہ ہوا اور بولنے کی صلاحیت ختم ہوگئی لیکن وہ نادیدہ قوتوں کی ایما پر بدستور اقتدار میں رہنا چاہتے تھے۔ جب بیماری نے شدت اختیار کی تو مجبوراً 5 / اکتوبر 1955ء کو مستعفی ہوئے۔ 29 اگست 1956ء کو انتقال ہوا اور کراچی کے مشہور ''گورا قبرستان'' میں دفن ہوئے۔ ایک مسلمان ملک کے مسلمان حکمران کا مسیحی قبرستان میں مدفون ہونا آنکھوں والوں کے لیے عبرت کے ہزار سامان رکھتا ہے۔

پاکستان کے چوتھے گورنر جنرل اور پہلے صدر میجر جنرل اسکندر مرزا (16 اکتوبر 1955ء تا 22 مارچ 1956ء) کی پہلی شادی بیگم رفعت سے ہوئی جن سے ان کے بیٹے

ہ، یوں مرزا پیدا ہوئے لیکن ان کی بیوی کے طور پر جو خاتون مشہور ہوئیں وہ "ناہید مرزا"
تھیں جو حکمرانی اور پھر معزولی سے لے کر انتقال تک ان کے ساتھ رہیں۔ اسکندر مرزا
1924ء کی مہم وزیرستان میں انگریزوں کی طرف سے پٹھان مجاہدین سے لڑے تھے۔ اس
اعتراف خدمت کے طور پر 14 اکتوبر کو میجر جنرل اسکندر مرزا کو قائم مقام گورنر جنرل مقرر
کرنے کے لیے ایک پریس نوٹ جاری ہوا جس کے مطابق: "فضیلت مآب گورنر جنرل
غلام محمد نے "صحت کی بنیاد" پر دو ماہ کی رخصت لی ہے۔ چنانچہ ہر میجسٹی ملکہ برطانیہ کی
منظوری سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس دوران عزت مآب میجر جنرل اسکندر مرزا، جو اس
وقت وزیرِ داخلہ ہیں بطورِ گورنر جنرل فرائض انجام دیں گے۔"

پھر 19 ستمبر 1955ء کو سرکاری اعلان ہوا کہ: "ملکہ برطانیہ نے حکومت پاکستان کی
سفارش پر 6 اکتوبر 1955ء سے اسکندر مرزا کو پاکستان کا مستقل گورنر جنرل مقرر کیا ہے۔"

یعنی وہ پہلے سربراہ مملکت تھے جو مسلمانوں کی سیاسی کشمکش کے دوران سلطنتِ
برطانیہ کے پرخلوص خیر خواہ اور وفادار رہے اور جن کا جنگ آزادی میں رتی بھر حصہ نہ تھا،
اس کے باوجود آزادی کے صرف آٹھ برس بعد اس وقت کی قومی اسمبلی کے عزت مآب
اراکین نے انہیں 21 توپوں کی سلامی کا حقدار ٹھہرایا۔

برطانیہ کے منظورِ نظر ہونے کا مطلب ہی فری میسن ہونا ہے کہ فری میسنری کی گرینڈ
لارج واقع لندن جب تک نوآبادیاتی ممالک میں کسی کو پاس نہ کرے، وہ ہر میجسٹی کا منظور
نظر ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسا شخص حکمران طبقے کا ہو تو 32ویں درجے کا فل ماسٹر ہوتا ہے۔
بہرحال! ہم یہاں مرزا صاحب کے بارے میں نہیں، محترمہ ناہید مرزا صاحبہ کے حوالے
سے پاکستان کے حکمران طبقے پر "مخصوص" خواتین کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔ پاکستان
کی خاتونِ اول محترمہ ناہید خانم ایک ایرانی سفارتکار کی اہلیہ تھیں۔ سکندر مرزا سے آمنا سامنا
ہوا تو مراسم بڑھے اور بڑھتے چلے گئے۔ نتیجتاً ناہید خانم نے اپنے ایرانی شوہر سے طلاق
حاصل کر لی اور سکندر مرزا کے حرم میں داخل ہو گئیں (یا کر دی گئیں)۔ مملکت خداداد

پاکستان کے ابھرتے ہوئے ستارے کی پیشانی دیکھ کر ایران کے معمولی سفارتکار کو کون ترجیح دیتا؟ ملکہ نور جہاں ثانی بننے کا حسین خواب پورا کرنے کے لیے محترمہ نے اپنے 3 بچوں (ایک لڑکا ہمایوں مرزا اور 2 لڑکیوں) کی بھی پروا نہ کی۔

م ب خالد اپنی کتاب میں ''ایوانِ صدر میں سولہ سال'' لکھتے ہیں مہر النساء (نور جہاں اوّل) اور ناہید خانم (نور جہاں ثانی) دونوں میں اہم ترین قدر مشترک یہ تھی کہ دونوں نور جہانیں اپنے جہاں پناہوں کو امورِ سلطنت کی انجام دہی میں مشورے دیا کرتی تھیں۔ (صفحہ 84، 85)

''مشوروں'' کے علاوہ اور وہ کیا کچھ کرتی تھیں؟ اس کے متعلق حفیظ گوہر لکھتے ہیں:

(قارئین محترم! اگر کوئی بات خلافِ تہذیب ہو تو دروغ برگردن راوی، پیشگی معافی کی درخواست ہے۔)

''سہروردی صاحب کھلانے پلانے کے بہت شوقین تھے۔ ان کے دور میں وزیراعظم ہاؤس میں بہت زیادہ دعوتیں ہوتی تھیں۔ ان دعوتوں میں اکثر ڈیڑھ سو سے دوسو کے قریب لوگ شامل ہوتے تھے۔ ان پارٹیوں میں غیر ملکی اور پاکستانی دونوں قسم کے لوگ تشریف لاتے تھے۔ ان پارٹیوں میں شراب بے دریغ استعمال کی جاتی تھی۔ ان محفلوں میں سہروردی صاحب اور ان کی ''بیگم صاحبہ'' بھی شامل ہوتیں۔ رات گئے تک رقص کی محفل گرم رہتی تھی۔ اسکندر مرزا صاحب سہروردی صاحب کی نواسی کے ساتھ انگریزی ڈانس کرتے اور سہروردی صاحب اکثر بیگم اسکندر مرزا صاحبہ کے ساتھ ڈانس کرتے تھے۔ مجید چپڑاسی نے بتایا کہ ایک رات تو یہ رنگ جما کہ ناچتے ناچتے رات کے دو بج گئے۔ شراب کے دور پر دور چلتے رہے۔ اسکندر مرزا اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گورنر جنرل ہاؤس چلے گئے۔ دوسرے مہمان بھی اپنی گاڑیوں میں چلے گئے۔ سہروردی صاحب اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ مجید چپڑاسی نے ہال کمرے کا پردہ اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا ایک عورت صوفے پر بے ہوش لیٹی ہوئی ہے۔ شراب کے نشے میں اس عورت کو اپنا ہوش نہیں تھا۔ مجید چپڑاسی قریب گیا تو پہچان گیا کہ یہ تو اسکندر مرزا صاحب کی بیگم ہیں۔ اس نے سہروردی صاحب کے

کمرے میں جا کر اطلاع دی کہ حضور بیگم اسکندر مرزا تو یہاں ہی رہ گئی ہیں۔ سہروردی صاحب آئے، بیگم موصوف کو کسی طرح گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا اور پھر سہروردی صاحب خود گاڑی چلا کر بیگم اسکندر مرزا کو گورنر جنرل ہاؤس چھوڑ کر آئے۔'' (ص:134،135)

اسکندر مرزا صاحب لندن کے ایک فلیٹ میں کسمپرسی کے عالم میں انتقال کر گئے۔ تادم مرگ بیگم صاحبہ ان کی خدمت کرتی رہیں۔ انہیں ایران کے دارالحکومت تہران کے شاہی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا لیکن جب وہاں انقلاب برپا ہوا تو عوام نے اس شاہی قبرستان کو مسمار کر دیا۔ اسی وجہ سے آج ان کی قبر کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ فَاعْتَبِرُوا یَا أُولِی الْأَبْصَارِ.

پاکستان کے پانچویں وزیراعظم (12 ستمبر 1956ء تک 11/اکتوبر 1957ء)

حسین شہید سہروردی جنہوں نے اپنے دورِ حکومت میں ایک شاندار کارنامہ جولائی 1956ء کو اس وقت انجام دیا جب نہر سوئز کو قومیانے کے مسئلے پر انہوں نے برادر اسلامی ملک مصر کا ساتھ دینے کے بجائے صہیونیت نوازی کا واضح ثبوت دیتے ہوئے برطانیہ، فرانس (اور اسرائیل) کے موقف کو درست قرار دیا۔ نہر سوئز دنیا کی تجارتی شاہراہوں میں شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کو اسرائیل کے حوالے کرنا فلسطین اور مسلم امہ کی پشت میں چھرا گھونپنے کے مترادف ہے۔ یہ بھی خیر سے ایک ''غیر ملکی عورت'' کے شوہر تھے۔ ان کی پہلی شادی سر عبدالرحیم کی صاحبزادی سے ہوئی۔ موصوفہ خاندانی عورت تھیں اور پوری طرح سہروردی صاحب کا ساتھ عمر بھر نبھانے کی اہل...... لیکن نادیدہ قوتوں کی رہنمائی پر ایک انگریز خاتون جس کا حاشیہ اور قافیہ اور حسبِ دستور آج تک کسی کو معلوم نہیں، پاکستان کے وزیراعظم سے ٹکرائیں اور بالآخر خاتونِ اوّل کا اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں اور پاکستان کے دامن پر صہیونیت کی خدمت کا وہ داغ لگا گئیں جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اس عورت کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا اسلامی نام ''رشید'' رکھا گیا۔ سہروردی صاحب 5 دسمبر 1963ء کو بیروت کے ایک ہوٹل میں ستر برس کی عمر میں انتقال کر گئے اور انہیں ڈھاکہ میں دفن کیا گیا۔ میم صاحب اپنے مشن کی تکمیل سے فارغ ہو چکی تھیں لہٰذا صاحبزادے کو

لے کر انگلستان چلی گئیں اور آج کوئی پاکستانی جانتا بھی نہیں کہ ان کے ایک وزیر اعظم کا نیم دیسی نیم ولایتی وزیرزادہ انگلینڈ کے ایک قصبے میں مقیم ہے اور اس کی قوم کی دوسری خواتین کسی اور پاکستانی حکمران کے تعاقب میں ہیں۔

نعیم احمد اپنی کتاب ''پاکستان کے پہلے سات وزرائے اعظم'' میں لکھتے ہیں:
''حسین شہید سہروردی کو انگریزی ڈانس کا بہت شوق تھا۔ ہر پارٹی میں چاہے وہ وزیر اعظم ہاؤس میں ہو یا باہر، ہمیشہ ناچ کر دل بہلاتے تھے۔ اگر ''بدقسمتی'' سے کسی باہر کی پارٹی یا دعوت میں ناچنے کا موقع نہ ملتا تو گھر آتے ہی گراموفون پر کسی انگریزی گانے کا ریکارڈ لگادیتے اور اس کی دھن پر اکیلے ہی دس پندرہ منٹ ڈانس کر کے دل بہلاتے۔ وہ ڈانس کرنے کے بعد اپنے آپ کو فٹ محسوس کرتے اور چست ہو جاتے تھے۔ گراموفون کے انگریزی ریکارڈ کی بہت بڑی تعداد آپ کے پاس تھی۔ انہیں اپنی جماعت کو مضبوط کرنے کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ جماعت کو طاقت ور بنانے کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھے۔ اپنی جیب اور میز کی درازوں میں نوٹوں کی گڈیاں رکھتے تھے۔''

پاکستان کے ساتویں وزیر اعظم ملک فیروز نون (16 دسمبر 1957ء تا 17 اکتوبر 1958ء) بھی ایک نامعلوم اور غیر معروف ''برطانوی عورت'' کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔ ان کی دور حکومت کے کارناموں میں ان خاتون کا عمل دخل مکمل طور پر سربستہ راز ہے۔ ان کی خاندانی شادی 1954ء میں وقار النساء بیگم سے ہوئی۔ موصوف خوشحال ازدواجی زندگی گزار رہے تھے کہ تاکنے والی خفیہ آنکھوں کی زد میں آگئے اور ایک برطانوی عورت کے سحر نے ان کو رام کرلیا۔ پھر اس کے بعد وہی ہوا جو اس سے قبل مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے کہ زبان ان کی ہوتی تھی اور اس کے پیچھے دماغ کسی ''اور'' کا۔ آدمی جب شراب اور شباب کی افیم کا رسیا ہو جاتا ہے تو غفور الرحیم کو بھی بھول جاتا ہے۔ حفیظ گوہر اپنی کتاب ''پاکستان کے حکمران'' میں لکھتے ہیں: ''ملک فیروز خان نون وزیر اعظم پاکستان شراب پیتے تھے۔ ایک برطانوی عورت سے شادی کی تھی، وہ بھی شراب پیتی تھی۔'' (ص:145)

گوہر صاحب نے یہ تو بتا دیا کہ وہ عورت وزیر اعظم پاکستان کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتی تھی، یہ نہ بتایا کہ اس کا مذہب کیا تھا اور شراب نوشی کے دوران نون صاحب کے دماغ خانہ خراب میں کیا کچھ فیڈ کرتی تھی؟ دراصل اس حوالے سے ہمارے تحقیق کاروں نے کام کیا ہی نہیں کہ یہ غیر ملکی خواتین جو ہمارے ایوانِ صدر یا وزیر اعظم ہاؤس میں براہِ راست بآسانی پہنچ جاتی تھیں، کون تھیں؟ کیا پس منظر رکھتی تھیں اور کس طرح ہمارے ان رہنماؤں سے آن ٹکرائی تھیں؟ جن کے ہاتھ میں ملک وقوم کے فیصلے ہوتے ہیں اور یہ فیصلے حیرت انگیز طور پر ہمیشہ صہیونیت اور صہیونیت نواز فرقوں مثلاً: قادیانیت اور اسماعیلیت کے حق میں ہوتے ہیں۔

شراب و شباب کے ذریعے کام لینا یہودیوں کا مخصوص اور کارگر طریقہ ہے۔

یہودیوں کے ''دانا بزرگوں'' کی مرتب کی ہوئی دستاویزات کا یہ پیراگراف پڑھیے:

''آپ نشے میں بدمست ان جانوروں کو دیکھتے ہیں۔ ان کا دماغ نشے کی وجہ سے مختل ہو جاتا ہے۔ ان کی آزادی نے انہیں اس بسیار نوشی کی اجازت دی ہے۔ ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے اور ہمیں اس راہ پر نہیں چلنا چاہیے۔ غیر یہودی افراد شراب کے نشے میں اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ ان کے نوجوان قدامت پرستی، فسق و فجور اور بدکرداری کی وجہ سے غبی اور کند ذہن ہو چکے ہیں۔ ہم نے اپنے مخصوص گماشتوں کے ذریعہ انہیں اس راہ پر لگایا ہے۔ یہ کام مدرسین کے ذریعہ، اپنے کاسہ لیسوں کے ذریعہ، امراء کے گھروں میں کام کرنے والی خادماؤں کے ذریعہ اور اپنی لڑکیوں کو عیاشی کے ان اڈوں میں داخل کر کے جہاں غیر یہودیوں کی عام طور پر آمد و رفت ہے، کروایا گیا ہے۔ مؤخر الذکر گروہ میں، وہ خواتین بھی شامل ہیں جنہیں سبھا کی پریاں (Society Ladies) کہا جاتا ہے۔ یہ خواتین بدکاری اور عیاشی میں دوسروں کی رضا کارانہ تقلید کرتی ہیں۔'' (پہلی دستاویز: 82)

فری میسن سے منسلک چند مشہور تحریکیں

پچھلے مضمون میں چند مشہور شخصیتوں کا ذکر ہوا تھا جن کے فری میسنری ہونے پر مختلف مخصوص علامات اور شواہد وقرائن پائے جاتے ہیں۔ آج ایسی تحریکوں یا فرقوں کا ذکر مقصود ہے۔ جو پنجۂ یہود میں گرفتار اور ان کے اشارے پر رقص کناں رہتی ہیں۔

مسلمانوں میں چند تحریکیں اور تنظیمیں ایسی ہیں جو یا تو براہِ راست یہودی تنظیمیں ہیں یا ان سے منسلک اور ان کی ایجنٹ ہیں۔ ان میں تین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1- قادیانی:

1880ء میں پنجاب کے ایک سیاسی غدار خاندان کے چشم و چراغ مرزا غلام احمد نے قادیان سے اس تحریک کا آغاز کیا۔ انہوں نے مجدد، مہدی، مسیح موعود، نبی و رسول اور تمام مذاہب کے موعود اور کرشن ہونے کے دعوے کیے۔ ان کے اس جھوٹے اور بے بنیاد دعوؤں کے پیچھے مذموم سیاسی اور مذہبی مقاصد تھے۔ موصوف اول جلول قسم کی شخصیت تھے۔ روحانیت کے ان بلند و بالا مقامات کے دعویٰ کے باوجود ساری عمر ان مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم رہے جن سے واضح طور پر فری میسنری کے منصوبوں کی تکمیل ہوتی تھی۔ آپ کو اگر یہ بات مبالغہ محسوس ہو تو میں درخواست کروں گا کہ ان خدمات پر ایک نظر ڈال لیجیے جو موصوف کی جدوجہد کا عنوان اور حاصل وصول رہے ہیں۔ ویسے اس حوالے سے جناب شورش کاشمیری کی کتاب ''ربوہ سے تل ابیب تک'' اور محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب کی کتاب 'قادیان سے اسرائیل تک' ایسی ہیں کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتیں۔

سیاسی مقاصد:

☆ انگریز کی سیاسی حمایت اور ''خدا کی وحی کی رُو سے'' حکومت انگریزی کی

تابعداری کی تعلیم مرزا صاحب کا بنیادی نظریہ تھا۔ ان کو عمر بھر ایک وحی بھی انگریز اور اس کی حکومت کے خلاف نہ ہوئی۔

☆ سب سے خطرناک اور تباہ کن کام جوان کے فری میسنری ہونے پر مہر ثبت کرتا ہے یہ کہا کہ برطانوی سامراج (جو صہیونیت کا سرپرست اعلیٰ اور فری میسنری کے گرینڈ ماسٹرز کا سب سے بڑا اکھٹ تھا) کے استحکام کے لیے جہاد کو منسوخ قرار دے دیا، آزادی پسند علما کو بدنام کیا اور ان کی جاسوسی کے لیے اپنے پیروکاروں کو لگائے رکھا۔ بدلے میں انگریزوں سے آج تک مراعات حاصل کررہے ہیں۔ ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔'' آج تک صورتِ حال یہ ہے کہ یورپ کے دروازے مسلمانوں کے لیے بند لیکن قادیانیوں کے لیے چوپٹ کھلے ہیں۔ قادیانیوں کا فراہم کردہ فارم بھرنے اور مخصوص رنگ کی انگوٹھی ہاتھ میں پہننے کی دیر ہے، آپ پورے یورپ کے ہر ائیرپورٹ سے بے کھٹکے گزر کر جاسکتے ہیں۔ اس حوالے سے آئے دن دارالافتا میں خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں کہ ایسے نوجوانوں کا کیا حکم ہے جو یہ فارم بھر کر بیرون ملک جاتے ہیں۔ دراصل ہم سمجھتے ہیں کہ کافر قرار دینے سے یہ فتنہ ختم ہوگیا لیکن جب تک فری میسنری باقی ہے اور صہیونیت کا مشن مکمل نہیں ہوتا (اس کا ایک ہی مشن ہے: مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر) قادیانیت باقی رہے گی۔

☆ عرب دنیا میں برطانوی استعماریت کے حق میں پروپیگنڈا اور انہیں درس محکومی دینا وہ واحد کام ہے جو موصوف اور ان کی جماعت نے عرب ممالک میں کیا۔ اب اسی پروپیگنڈے کا رخ برطانوی استعمار کے بجائے صہیونی طاغوت کی حمایت کی طرف پھر گیا ہے۔

☆ کابل میں برطانوی اقتدار کے قیام کے لیے اپنے ایک گماشتے مولوی عبداللطیف کو بطورِ جاسوس روانہ کیا جس کو افغان حکومت نے سنگسار کردیا۔

☆ دنیا بھر کے مسلمان خلافت عثمانیہ کا بقا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے بے مثال قربانیاں بھی دیں۔ موصوف نے ترکی کی تباہی کا پروپیگنڈا کیا، پیش گوئیاں کیں اور ترک زعما کو بدنام کرنے میں پورا زور صرف کیا۔ کون نہیں جانتا کہ خلافت کا زوال فری

میسنری کا اولین ہدف تھا اور وہ اسرائیل کے قیام کو خلافت کے زوال سے مشروط رکھتے تھے۔

☆ برطانوی نوآبادیات کے توسیع پسندانہ منصوبوں کے لیے وحی کا پرچار، دُعا، چندہ جمع کرنا اور پروپیگنڈا کرنا، جنوبی افریقا کے علاقہ ٹرانسوال میں انگریزی فتح کے لیے قادیان سے زبردست آواز اُٹھائی گئی لیکن برطانیہ اور یورپی ممالک کے مسلم کش رویہ پر قادیانی خاموش رہے۔

☆ سرحد میں جاری جہاد پر مبنی مجاہدین کی تحریک حریت کے خلاف کارروائیاں اور سازشیں کرنا۔ آج بھی قادیانی ملت کا ایک فرد کہیں بھی کسی بھی جگہ جہاد تو درکنار استعمار کے خلاف کبھی آواز بھی بلند نہیں کرے گا۔ توہین رسالت کے مسئلے سے لے کر مسلمانوں کے قتل عام تک اسے کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کے حق میں دو بول کہہ کر استعماری آقاؤں کو ناراض کرنے کا خطرہ مول لے۔

مذہبی مقاصد:

☆ ایک سازش کے تحت مرزا صاحب نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا اور نبوت محمدیہ کے مقابلے میں متوازی نبوت ایجاد کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دامن نبوت سے چھڑا کر اپنی صہیونی چھتری تلے آنے کی دعوت دی۔

☆ فری میسنری کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی توجہ، کرنے کے کاموں سے ہٹا کر کسی اور طرف مبذول کر دی جائے۔ قادیانیت نے یہ خدمت جس طرح سے انجام دی، شاید ہی کوئی اور اس درجے تک پہنچا ہو۔ اس نے لایعنی مباحث، فضول دلیل آرائی اور بے مقصد مناظرہ بازی کی بنیاد پر مسلمانوں میں ذہنی وفکری انتشار اور دین بے برگشتگی پیدا کر کے ان کی فعال قوتوں کو ضائع کیا اور ان کی توجہ انگریز کی سیاسی مخالفت اور جہاد سے ہٹا کر قادیانی فتنہ کے استیصال کی طرف مبذول کروادی۔ یہ قادیانیت کا وہ جرم ہے جسے اُمت مسلمہ کبھی معاف نہ کرے گی۔

☆ مسلمانوں کے نزدیک حضرت مہدی جب قائد المجاہدین کے طور پر آئیں گے تو

یہوداور اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف جہاد کر کے صہیونیت اور فری میسنری کا قلع قمع کر دیں گے۔اس عقیدے کو ملیامیٹ کرنے کے لیے مرزا نے خود مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔وہ یہود کے خلاف جہاد تو کیا کرتے، اُلٹا انہوں نے ''حکومت انگریزی'' اور ''جہاد'' اور ''حقیقت المہدی'' جیسے رسالے لکھ کر عرب دنیا میں پھیلا دیے اور جہاد مخالف، پُرامن اور برطانیہ کے تابعدار مہدی کا روپ دھارا۔یہ پوری اُمت مسلمہ کے خلاف عالمگیر سازش تھی جس میں علمائے کرام کی کوششوں کی بدولت مرزا کو ناکامی کی رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

☆ترکی (خلافت عثمانیہ) کی تباہی اور یہود کے ارض مقدس میں اکٹھا ہونے کے متعلق مرزا صاحب نے متعدد پیش گوئیاں کیں۔یہ ساری پیش گوئیاں من گھڑت اور فری میسنری کی تلقین کردہ تھیں۔درحقیقت فری میسنری کے منصوبوں کو مرزا صاحب روحانی پیش گوئیوں کی شکل دے دیتے تھے تاکہ مسلمان ان شیطانی منصوبوں کو خدائی تقدیر سمجھ کر قبول کر لیں۔ان کے فرزند مرزا محمود احمد نے لندن یاترا کے دوران 1924ء میں یہود سے ہمدردی کا کھلم کھلا اظہار کرتے ہوئے ان کے وطن کے قیام کا اعلان کیا جبکہ اس وقت فلسطین برطانوی انتداب میں تھا اور فلسطینیوں کو زبردستی نکال کر یہودیوں کو بسایا جا رہا تھا۔ اسرائیل کا منصوبہ اس وقت طشت ازبام نہ ہوا تھا۔1928ء سے آج تک اسرائیل میں احمدیہ مشن مسلسل پھل پھول رہا ہے۔اس کی تمام سرگرمیاں فلسطینیوں کو قادیانی بنانے، ان کی تحریک کو سبوتاژ کرنے اور جہاد کی مخالفت پر مبنی ہیں۔آج تک ایک بھی یہودی نام کے لیے بھی قادیانی نہیں ہوا۔وہ قوم جنہوں نے اصل مسیح کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جعلی مسیح کو کیسے مان سکتی ہے؟ لیکن قادیانیوں کی اصل توجہ یہودیوں کو مسلمان بنانے کے بجائے اس پر ہے کہ مسلمانوں کو جہاد سے برگشتہ کر کے طاغوت کے سامنے مریل بکری یا زکام زدہ بھیڑ بنا دیں۔

☆قادیانیت اور فری میسنری کے مقاصد میں سو فیصد ہم آہنگی کے باوجود مرزا غلام احمد نے اپنی جماعت کے الگ تشخص اور مستقل مذہبی حیثیت کو قائم رکھنے کے لیے قادیانیوں کو فری میسن بننے کی اجازت نہیں دی۔مرزا کی ایک وحی سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ

وہ فری میسنوں سے خوفزدہ تھے اور ڈرتے تھے کہ وہ ان کو ہلاک نہ کردیں۔ معلوم نہیں یہ ان کا طبعی خوف تھا یا ان کو سونپے ہوئے مشن کو بکمال پورے کرنے کی مشکلات تھیں کہ ان کی ایسی وحی منظر عام پر آئی۔ بندہ کو مرزا صاحب کی اس وحی کی ان کی کتابوں سے تلاش ہے۔ اگر کوئی صاحب اس میں تعاون فرمائیں تو بندہ دل سے ان کا شکر گزار ہوگا۔

10/ اکتوبر 1901ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک الہام میں مرزا نے کہا: ''فری میسن مسلط نہیں کیے جائیں گے کہ اسے ہلاک کریں۔'' مرزا جی کے ترجمان کی طرف سے فری میسنوں سے مراد وہ لوگ بتائے گئے جن کے ارادے مخفی ہوں۔ لاہوری جماعت کے ڈاکٹر بشارت احمد کہتے ہیں کہ مرزا کو بذریعہ الہام الٰہی یہ بتایا گیا تھا کہ ''فری میسنوں کی خفیہ سوسائٹی میں آپ کو ضرر پہنچانے کا ریزولیوشن پاس ہو چکا ہے لیکن خدا ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔'' دراصل یہ سب کچھ یہ ثابت کرنے کی کوشش تھی کہ مرزا صاحب فری میسن نہیں ہیں تبھی تو فری میسنری ان کو ہلاک کرنا چاہتی ہے جبکہ فری میسنری کو تو ایسے بت تراشتے تراشتے عرصہ لگ جاتا ہے۔ وہ اپنے گھڑے ہوئے مٹکے میں خود اپنے ہاتھوں کیوں سوراخ کرتی؟

یہودیت کے مشہور محقق اسرار عالم لکھتے ہیں:

''قادیانیت کے سلسلے میں زیادہ عرض کرنا چنداں ضروری نہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان جانتے ہیں کہ اس زہریلے پودے کی کاشت ہی انگریز یہودیوں نے اس لیے کی تھی کہ اس کے خطرناک زہر سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے تاہم تین باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر بطور خاص کیا جانا چاہیے:

(1) ہندوستان میں بٹالہ کے نزدیک واقع قادیان اور پاکستان میں ''چناب نگر'' (اس کا سابقہ نام ربوہ ہے جو علمائے کرام کی محنتوں سے تبدیل ہو گیا ہے) کے بعد ان کا سب سے منظم مرکز اسرائیل کے شہر ''حیفا'' میں ہے۔ اس وقت بھی جب اسرائیل میں مقامی فلسطینی مسلمانوں کا رہنا دوبھر ہے، باہر سے آئے ہوئے عجمی قادیانیوں کو اسرائیل میں کام کرنے کی پوری پوری آزادی ہے۔

(2) کمیونسٹ روس میں جہاں کسی کا اعلانیہ مسلمان رہنا موت کو دعوت دینا تھا اور جہاں لینن سے لے کر برژنیف کے دور تک کروڑوں مسلمان شہید کیے گئے، انقلاب روس سے اب تک قادیانیت کو کام کرنے کی پوری آزادی رہی۔

(3) جنگ خلیج کے بعد دنیا میں جو سیٹلائٹ چینل کا مواصلاتی انقلاب برپا ہوا ہے اور مواصلاتی ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے مغرب نے عالمِ اسلام پر مواصلاتی یلغار کر دی ہے تاکہ ساری اسلامی دنیا کو مغربی ثقافت کے رنگ میں غرق کر دیا جائے، ایسی حالت میں 1992ء کے اواخر میں سب سے بڑی مراعات قادیانیت کو دی گئیں تاکہ وہ وسطی ایشیا کے تمام ملکوں میں اپنے خیالات وعقائد مصنوعی سیارچوں کے ذریعے پھیلائے اور مسلمانوں کو اسلام کی طرف لوٹنے سے باز رکھ سکے۔"

علمائے کرام کی بے انتہا قربانیوں اور کارکنانِ ختم نبوت کی قابلِ قدر ولائق ستائش جدوجہد کے باوجود یہ فرقہ جواب تک اپنی موت آپ نہیں مرا۔اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ اس کو یہودیوں کے پاس موجود اس جدید ترین ذریعۂ ابلاغ سے استفادے کی وافر سہولت بہت پہلے میسر آچکی تھی جو اس فرقے کے خلاف کام کرنے والی مسلمان تنظیم یا ادارے کے پاس آج بھی موجود نہیں۔

2- بہائی:

بہائیت مسلّمہ طور پر اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم ہے۔ ہندوستان میں یہودی سازش کے تحت قادیانی فتنہ اُبھرا تو ایران میں بابی تحریک (1844-1850ء) کا آغاز ہوا۔ اس کے پیچھے زار روس کی انٹیلی جنس کا ہاتھ تھا جو مکمل طور پر فری میسنری کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی۔ بابی تحریک کو ان کی تشدد پسندی کے باعث ایران میں کچل دیا گیا تو یہ بہائی تحریک کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ بہاء اللہ نے ترکی میں جلاوطنی کے دوران بہائیت کو فری میسنری، یورپی سامراج اور یہودیت کی اعانت سے پروان چڑھایا۔ بہائیت نے صہیونیت کی روایتی کاسہ لیسی کرتے ہوئے اسلام کو منسوخ قرار دیا، جہاد کی تنسیخ کا اعلان کیا اور فری

میسنری ہونے کی مہر واضح طور پر اپنے ماتھے پر لگوالی۔ اس کے بعد اس نے ترقی کرتے ہوئے الوہیت کا دعویٰ کیا اور قرآن کی جگہ اپنی شریعت اقدس پیش کی۔ بہاء اللہ کی موت (1892ء) کے بعد ان کے فرزند عبدالبہا (1892-1921ء) نے فلسطین میں اسرائیلی صہیونیت کی زبردست حمایت اور وکالت کی اور فلسطین کی برطانوی انتدابی حکومت سے ''سر'' کا خطاب لیا۔ اس کے بعد اس کا نواسہ شوقی آفندی برطانوی سامراج اور یہودی صہیونیت کا زبردست حامی رہا۔ بہائیوں کا مرکز اسرائیل میں ہے اور قادیانیوں کی طرح ان کے صہیونی ریاست سے قریبی تعلقات ہیں۔ ایرانی انقلاب کے دوران 1979ء میں جب بہائیوں پر سختی کی گئی تو عالمی یہودی پریس نے ان کی زبردست حمایت کی۔ کراچی میں پٹیل پاڑہ میں ''بہائی ہال'' کے نام سے فری میسنری کے ایجنٹوں کی مرکزی اجتماع گاہ عرصے سے کام کر رہی ہے اور وہاں جانے والوں کو (بندہ خود کئی مرتبہ جا چکا ہے) اسرائیل کو تسلیم کرنے، فلسطینیوں کی جدوجہد کو بے مقصد بنانے اور بیت المقدس کو بین الاقوامی شہر قرار دلوانے کا سبق دے کر رخصت کیا جاتا ہے۔

اسرار عالم لکھتے ہیں: ''جہاں تک بہائیت کا تعلق ہے تو وہ گویا شیعوں کے قادیانی ہیں۔ سید علی محمد المعروف بہ باب (پیدائش 1818ء) سے لے کر بہاء اللہ (پیدائش 1817ء) تک اور عبدالبہا (پیدائش 1844ء) سے لے کر آج تک ان کی پوری تحریک اسلام کے انہدام کے لیے تھی۔ ان کا قبلہ جو ''مشرق الاذکار'' کہلاتا ہے، اسرائیل میں کوہِ کرمل میں واقع ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بہائیت کے ابتدائی مؤیدین میں مشہور یہود نواز روسی ادیب ٹالسٹائی اہم ہے۔ اس کے دیگر مغربی مؤیدین میں ملکہ رومانیہ لیڈی مارتھا، بادشاہ ڈنمارک، شہزادہ اونگا، مارتھا روتھ، ڈوروتھی بیچہ، ایملیا، کیلنس، لواگیٹ سنگر، تھور بورن کروپر، لیڈی بلوم فیلڈ ور سارا فارمر جیسے مرد و خواتین رہے ہیں۔''

یاد ش بخیر! فلسطین کے موجودہ وزیر اعظم محمود عباس بہائی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر یہودیوں میں انتہائی مقبول و محبوب اور فلسطینی مسلمانوں کے نزدیک انتہائی

مبغوض ومردود ہیں۔اسرائیلی حکومت شیخ احمد یاسین کو تو ان کی وہیل چیئر پر بھی برداشت نہیں کرسکتی حالانکہ وہ معذور تھے لیکن بہائیوں کا یہ سپوت ان کو ہر حال میں قابلِ قبول ہے۔

3-اسماعیلی:

اسماعیلی پاکستان، شام، ایران، مشرقی افریقا، چین، روس اور وسط ایشیا کی ریاستوں میں پائے جاتے ہیں۔ایران میں ان کو آغا خانی، افغانستان میں علی الٰہی، وسط ایشیا میں مولائی، بھارت اور پاکستان میں خوجہ، اسماعیلی، برما، جاپان، مڈغاسکر میں اسماعیلی اور یورپ میں آغاخانی یا اسماعیلی کہا جاتا ہے۔اسماعیلیوں کے موجودہ امام پرنس کریم آغا خان ان کے 49ویں نمبر کے امام ہیں۔اگر ان کے والد پرنس علی خان امام بنتے تو ان کا نمبر 50واں ہوتا لیکن ان کے دادا نے ان کے والد کی کچھ مخصوص حوالوں سے شہرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے پوتے کو 23 سال کی عمر میں جبکہ وہ انگلینڈ میں طالب علم تھے، امام بنالیا اور اس طرح برطانوی تعلیمی اداروں کو مشرقی فرقے کے ایک اور رہنما کی تربیت کی سعادت نصیب ہوگئی۔آغا خان کا لقب اسماعیلی حضرات میں 46ویں امام سے شروع ہوا۔اس طرح اب تک چار آغا خان آچکے ہیں۔تین دنیا سے گزر گئے اور چوتھے حاضر وموجود ہیں۔ان چاروں آغا خان کی سوانح ایک انگریز نے لکھی ہے۔اس کا ترجمہ آغا خان کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔(جمہوری پبلی کیشنز 9، السحر بلڈنگ نیلا گنبد لاہور 042-6670001) سبحان اللہ! پڑھنے کی چیز ہے۔ عام لوگوں سے زیادہ آغا خانی حضرات کے لیے مفید ونافع، بصیرت افروز اور معلومات افزا ہے۔صفحہ صفحہ پلٹتے جایئے اور کرشموں پر تعجب کرتے جایئے۔بندہ کئی مرتبہ مطالعہ کے باوجود اب تک سیر نہیں ہوسکا۔جب بھی اس پر نظر پڑتی ہے تو تفریح طبع کے لیے ورق گردانی شروع کردیتا ہوں اور انگریز محقق کی بے لاگ تحقیق پر داد دینے اور آغا خانی حضرات کی اندھی تقلید پر افسردہ ہونے پر خود کو مجبور پاتا ہوں۔

کتاب دی آغا خانز کا مؤلف کہتا ہے: ''مصر کے اسماعیلی خفیہ لاجوں میں ملتے تھے اور رازداری کا حلف اُٹھاتے تھے۔ان کے سات درجے تھے۔یورپ کے صلیبی سرداروں کو

جب اسماعیلیوں سے واسطہ پڑا تو انہوں نے یورپ میں خفیہ سوسائٹیاں بنائیں۔ نائٹ ٹمپلر (Knight Templars) یا صلیبی جنگوں کے دوران زائرین کے محافظ اور مسلمان افواج کے خلاف سازشوں میں ملوث سرداران خفیہ تنظیموں کے گرینڈ ماسٹر تھے۔ ٹمپلر تنظیم میں شامل ہونے کے مختلف مراحل تھے جو اسماعیلیت سے اخذ شدہ تھے۔ اسماعیلی مورخ سوسائٹی آف جیزس (Society of Jesus) کو اسماعیلی تنظیم سے نسبت دیتے ہیں اور ان کے جذبۂ قربانی اور ارادت مندی کا اسماعیلی فدائین سے موازنہ کرتے ہیں۔ فری میسنوں نے اسماعیلی لاجوں اور ان کی داخلی تنظیم کی بنا پر اپنی انجمنیں بنائیں۔''

مشہور محقق اسرار عالم لکھتے ہیں: ''اسماعیلی (آغاخانی) سب سے بڑھ کر یہودیوں کے آلۂ کار اور مددگار رہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے روابط حسن علی شاہ آغا خان اوّل کے زمانہ امارت (1834ء) میں از سرِ نو استوار ہوئے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب آغا خان اوّل کو کرمان کی گورنری کا عہدہ چھوڑنا پڑا اور وہ اصفہان چلے گئے۔ واضح ہو کہ اصفہان، فلسطین سے یہود کی دوسری جلاوطنی سے لے کر آج تک یہودیوں کا ایک بڑا مرکز رہا ہے اور دجال کے خروج تک رہے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہودیوں کی وساطت سے حسن علی شاہ کو ہندوستان میں برطانوی عمل داری میں پناہ ملی۔ یہ 1842ء کی بات ہے۔ ہندوستان میں جتنے کم عرصے میں آغا خان جیسے غیر ملکی کو عروج و مقبولیت اور رسوخ حاصل ہوا، وہ شاید ہی کسی کو ہوا ہوگا۔ حسن علی شاہ کے بعد اس کے بیٹے آغا خان دوم علی شاہ (متوفی 1885ء) اور پھر اس کے بیٹے آغا خان سوم سر سلطان محمد کو جیسا رسوخ حاصل رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سلطنت برطانیہ کی پوری وسطی ایشیا کی پالیسی آغا خان اوّل و دوم و سوم اور اب چہارم کے تعاون سے چل رہی ہے۔ شاید ہی کسی شخص کو اتنا نوازا گیا ہو جتنا اس خاندان کو نوازا گیا۔ مثلاً سر سلطان محمد آغا خان (پیدائش 1877ء) کو 1898ء میں K.C.L.E، 1903ء میں C.C.I.E، 1911ء میں G.C.S.I اور 1923ء میں G.C.N.O کے خطابات دیے گئے۔ کسی مذہبی شخصیت کو پہلی بار سلطنت برطانیہ نے فرسٹ کلاس چیف

گیسٹ مع گیارہ توپوں کی سلامی سے نوازا ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ وہ 1906ء میں ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کے سیاہ وسفید کے مالک ہو گئے اور 1930ء میں ہندوستانیوں کے تمام طبقات کی طرف سے متفقہ طور پر گول میز کانفرنس میں نمائندہ قرار پائے اور کسی نے اس کا نوٹس نہ لیا۔ مسلمانوں کی سادگی سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان کی نمائندگی پر نہ تو سلطنت برطانیہ کو اعتراض تھا نہ مہاتما گاندھی جیسی سیاسی شخصیت کو۔ آغا خان کی خصوصی خدمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ برطانیہ کی وزارت خارجہ نے جس کی خفیہ فائلیں حسبِ روایت پچاس سال کے بعد عام (Declassify) کر دی جاتی ہیں، خلاف معمول اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ وسطی ایشیا افغانستان اور شمال مغربی ایشیا کی وہ فائلیں جو آغا خان سے متعلق ہیں، مزید ایک سو پچاس سال تک عام نہ کی جائیں۔ اسی ایک بات سے آغا خانیوں کے انگریز کے ساتھ گہرے روابط اور ہندوستان میں ان کے آلہ کار ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔"

بندہ کو آغا خانیت کے بارے میں متعدد کتب پڑھنے اور متعدد نومسلم آغا خانیوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ آغا خانیت ایسی چیز ہے کہ اس کے جتنے پرت کھلتے جائیں حیرت کا ایک نیا جہاں تحقیق کار کا منتظر ہوتا ہے۔ فری میسنری پر کتابوں کا ذخیرہ حاصل کرنے کے بعد متعدد فری میسنری ہالوں کا چکر لگانے کا موقع ملا (یہ اپنی جگہ دلچسپ داستان ہے۔ خدا جانے اس کو بیان کرنے کا موقع نصیب ہوگا یا نہیں؟) قدم قدم پر مصنوعی اسرار اور فرضی رازوں کی تہ در تہ پیچیدہ گتھیاں ہیں جو فری میسنری کے عیاں مقاصد کو نہاں پردوں میں چھپانے کے لیے جان بوجھ کر پھیلائی اور اُلجھائی گئی ہیں۔ آغا خانیت اور فری میسنری کو قریب سے دیکھا جائے یا دور سے، مماثلت ہی مماثلت اور یکسانیت ہی یکسانیت نظر آتی ہے۔ ہمارے ملک کے حوالے سے خطرناک بات یہ ہے کہ اسماعیلیوں کی نظر گھوم گھام کر ہم پر مرتکز ہوتی ہے۔ جیسے ہمارے ہاں کے ایک سیاست دان کے متعلق مشہور ہے کہ انہیں خداتعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے سوائے بیوی کے۔ اسی طرح آغا خان صاحب کے پاس سب

کچھ ہے سوائے ریاست کے۔ آغا خان اول سے جب کرمان کی گورنری چھنی (1841) اس دن سے آج تک وہ ریاست کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ گوادر، قلات، مسقط، مغربی افریقا، سب طرف سے ہوکر اب پاکستان کے جنت نظیر شمالی علاقوں پر ان کی نظر ہوس جم گئی ہے۔

گوادر سے آغا خان حضرات کی دلچسپی نہایت قدیم ہے۔ بندہ جب گوادر گیا تو دیکھا کہ آغا خانی جماعت کا ڈیڑھ سو سالہ قدیم جماعت خانہ موجود ہے۔ سو سالہ قدیم اسکول بھی قائم ہے۔ اس جماعت خانہ اور اسکول کے گرد پورا محلّہ آباد تھا جسے ''اسماعیلی محلّہ'' کہتے تھے۔ گوادر میں واحد جدید ہوٹل اسماعیلی شاہوانی ؟؟ کا قائم کردہ پرل کانٹی نینٹل ہے جو گوادر میں اسماعیلیوں کی خصوصی دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ بہرحال اسماعیلی ریاست کے طور پر بے آب وگیاہ گوادر سے زیادہ کشش سرسبز و شاداب شمالی علاقوں میں ہے۔ ان افواہوں کی بازگشت پوری دنیا میں سنائی دیتی ہے۔ اگر کوئی نہیں سنتا تو وہ ہمارے محبِّ وطن حکمران ہیں۔

بشیر احمد فری'منیسٹری' نامی کتاب میں لکھتے ہیں: ''شمالی علاقوں میں سرگرم عمل ایک این جی او یعنی آغا خان رورل سپورٹ پروگرام AKRSP پر کافی عرصے سے شدید اعتراضات کیے جارہے ہیں۔ عوام کے دلوں میں اس بات کا شدید خطرہ پایا جاتا ہے کہ ان علاقوں میں ایک اسماعیلی ریاست قائم کی جائے گی۔ اسماعیلی ریاست کا قیام سر آغا خان سوم کا خواب تھا جو ان کی تمام تر مساعی اور برطانوی حکومت سے نہایت قریبی تعلقات کے باوجود شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ وہ رومن کیتھولک پوپ کی ویٹی کن سٹی طرز کی ایک اسماعیلی ریاست کے قیام کے ازحد خواہاں رہے۔ اس کے لیے انہوں نے برطانوی حکومت کو کئی تجاویز پیش کیں۔ ایک تجویز یہ تھی کہ سلطان مسقط سے ایک چھوٹا سا علاقہ خرید لیا جائے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو خان آف قلات سے ایک علاقہ خرید کر وہاں اسماعیلی ریاست بنادی جائے جس کے وہ سربراہ ہوں اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو جزیرہ نما عدن کے برطانوی جزیروں میں سے ایک جزیرہ حاصل کرلیا جائے۔ 1930ء کی دہائی میں جب کشمیر میں سیاسی حقوق کے حصول کی تحریک جاری تھی۔ اس وقت یہ تجویز سامنے آئی کہ کشمیر میں آغا خان کو اقتدار دلوایا

جائے گا۔ برطانوی منصوبے کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ کو وادئ کشمیر اور گلگت کے علاقہ سے دستبردار ہونا تھا جس پر آغا خان کو حکمران بنا دیا جانا تھا۔ مہاراجہ کشمیر نے اس کی سخت مخالفت کی۔ بعد کے سیاسی حالات کے باعث اس اسکیم پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔

محترمہ شہوار جنید صاحبہ اپنے ایک مضمون Charity, Zakat and NGO Activity مطبوعہ نیشن لاہور، 26 اکتوبر 2000ء میں رقمطراز ہیں: ''حکومت پاکستان نے قومی مفاد کی خاطر 1986ء تک ایسی این جی اوز کی سرگرمیوں پر نظر رکھی۔ وفاقی اکنامک افیئرز ڈویژن نے ان این جی اوز کی ضلعی سطح پر ذیلی تنظیمیں قائم کرنے اور بیرونی امداد حاصل کرنے کے اقدامات کی بہت کم اجازت دی تاہم آغا خان رورل سپورٹ پروگرام اس پابندی سے مستثنیٰ تھا جو آغا خان فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کا حصہ تھا جو پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں جاری تھیں۔ یو ایس ایڈ چین کے صوبہ سنکیانگ اور وسط ایشیائی اسٹیٹس کی سرحدات پر واقع علاقوں کے لیے آغا خان فاؤنڈیشن کو کثیر مالی امداد دیتی ہے۔ حکومت نے فاؤنڈیشن کو ٹیکسوں اور کسٹم ڈیوٹیوں کی وسیع تر چھوٹ دے رکھی ہے۔ اقوامِ متحدہ اور یورپی یونین آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کے تحت بھاری مالی امداد خاص جماعتوں (اسماعیلیوں) کو شمالی علاقوں میں صرف کرنے کے لیے دیتی ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق 98-1997ء میں یورپی یونین نے اس کو 19.20 ملین یورو دیے۔ یہ فنڈ چھوٹی صنعتوں کی ترقی کے لیے دیے گئے، عمومی صنعتی ترقی کے لیے نہیں دیے گئے۔ اس سے ان کے مقاصد اور جن لوگوں کو یہ فنڈز دیے جائیں گے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

شمالی علاقہ جات میں غیر اسماعیلیوں کو ان بھاری فنڈز اور تکنیکی امداد سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ مغربی ممالک کی این جی اوز کے متعلق بین الاقوامی اور کثیر القومی (Multilateral) مالی امداد کی پالیسیوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نسلی (Ethnicity) اور مذہب کی بنیاد پر دی گئی۔ یہ امداد ثقافتی اور معاشی عدم توازن پیدا کرنے کا باعث بنی ہے۔ ان پروگراموں نے ایک تو وہ طبقہ پیدا کیا ہے جو ان سے فائدہ اُٹھا رہا

ہے اور دوسرے ان کے بیرونی آقاؤں کو جنم دیا ہے۔ ان سرگرمیوں سے علاقے میں شکوک وشبہات اور باطنی نفرتوں کی خلیج بڑھ رہی ہے کیونکہ حکومت اس علاقے کے دوسرے لوگوں کو ایسی سہولیات مہیا کرنے سے قاصر ہے۔"

موصوفہ مزید لکھتی ہیں:

"پاکستان کے بعض حلقوں میں یہ خیال عام ہے کہ شمالی علاقہ جات کو ایک مقصد کے تحت خصوصی طور پر ترقی دی جارہی ہے۔ یہاں ایک اسماعیلی ریاست قائم کیے جانے کا اندیشہ ہے۔ لوگوں کی وفاداریوں کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ یہ بھی باور کیا جاتا ہے کہ کشمیر کے بارے میں تیسرا حل Third Option یعنی خودمختار کشمیر کا قیام ہے۔ اس کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ یہ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ انجام کار شمالی علاقوں میں خودکار نظم ونسق کی حامل انتظامیہ جنم لے گی جو خودمختار کشمیر کی حلیف اور معاون ہوگی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ایسی ریاست مغرب کے مفادات کو آسانی سے پورا کرسکے گی۔ یہ چین، افغانستان، ہندوستان، ایران اور وسط ایشیا میں نقل وحرکت کی نگرانی کے لیے سماعت کی چوکی Listening Post ہوگی۔ دو سال قبل پاکستان اور بھارت کے اچانک کیے جانے والے ایٹمی دھماکوں نے ثابت کردیا ہے کہ بیرونی طاقتوں کی اس علاقے میں بذریعہ سیٹلائٹ نقل وحرکت معلوم کرنے کی استعداد بہت کم ہے۔"

زیرزمین تیاریاں اور برسرزمین خدمت گزاریاں مکمل ہیں۔ ناقوس بجنے کی دیر ہے۔ کشمیری خودمنت کرکے پاکستان کے بجائے اسماعیلی ریاست میں شامل ہونے کو ترجیح دیں گے۔ یہ محض اندیشہ نہیں حقیقت ہے لیکن سب اس سے چشم پوشی کیے ہوئے ہیں۔ فقیروں کا کام آگاہ کرنا ہے۔ ماننا نہ ماننا حضور کی مرضی ہے۔

فری میسن کے جدید ترین ہرکارے

4- جدت پسند اسکالرز:

چوتھا اور سب سے خطرناک طبقہ ان نام نہاد بزعم خود محققین، پروفیسرز، اسکالرز اور ڈاکٹر حضرات کا ہے جن میں تین اوصاف تو مشترک ہوتے ہیں اور تین غیر مشترک۔ قارئین پڑھیں اور گردوپیش پر منطبق ہو تو سر دھنیں۔ تین مشترک اوصاف یہ ہیں:

مشترک اوصاف:

(1) وہ اپنی دعوت و اصلاح کا محور و مرکز عامۃ المسلمین کے بجائے طبقہ اشرافیہ (ایلیٹ کلاس) کو بناتے ہیں۔ جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام معاشرے کے تمام طبقوں کو سامنے رکھ کر دین کی محنت کرتے تھے اور عموماً ان کے ساتھ پسماندہ طبقہ رہتا تھا۔ "ملأالقوم" اور "مترفین" یعنی حکمران اور مراعات یافتہ طبقہ تو انبیائے کرام علیہم السلام کے ابتدائی ساتھیوں کو "واتبعک الأرذلون" کہہ کر طعنہ دیتے تھے۔ (آپ کی پیروی تو معاشرے کے گرے پڑے لوگ کر رہے ہیں) چونکہ یہودی اور عیسائی پروفیسروں کے تربیت یافتہ ان نام نہاد اسکالرز کی محنت کا اصل میدان (اصل کے لفظ پر زور دے کر پڑھیے) مقتدر اور خوشحال طبقے ہوتے ہیں اس لیے فطری طور پر ان کے دعوتی مراکز عام مساجد و محافل نہیں ہوتیں جہاں ہدایت کا ہر طلب گار پہنچ سکے، بلکہ آڈیٹوریم، سیمینار ہالز، کلب اور مہنگے ہوٹلوں کے سجے ہوئے پورشن یا شادی ہالوں کے پھولدار لان ہوتے ہیں جہاں خواص کے علاوہ کسی کا گزر نہیں ہوسکتا۔

(2) ان کی سرمایہ طلب دعوتی سرگرمیوں کے لیے فنڈنگ ملکی و غیر ملکی مخصوص طاقتیں کرتی ہیں۔ انہیں سرکاری سرپرستی بھی حاصل رہتی ہے اور ملکی وسائل سے بھی بھرپور استفادہ

کے مواقع ملتے ہیں لہٰذا انہیں فنڈ کی قلت کا کبھی شکوہ نہیں ہوتا۔ جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے طرز پر محنت کرنے والے افراد اور ادارے اللہ پر توکل اور قناعت کے بعد عامۃ المسلمین کے عطیات اور انفاق فی سبیل اللہ کی برکت سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں اور اکثر وبیشتر مالی وسائل کے حوالے سے مشکلات کا سامنا کرتے رہتے ہیں جو ان کے لیے رجوع الی اللہ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ نیز انہیں سرکاری دربار کی مخالفت، مخاصمت، رکاوٹوں اور دھمکیوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو ان کے لیے غیر اللہ سے نظر ہٹا لینے کی تربیت کا سبب بن جاتا ہے۔

(3) ان جدت پسندوں کی دعوت میں اکابر پر بے اعتمادی، خود نمائی، خود بینی، اپنی رائے پر اصرار اور اپنی "جدید" تحقیق کی سابقہ تمام تحقیقات پر ترجیح بنیادی اور لازمی عنصر کے طور پر شامل ہوتی ہے جو ان کی سیاہ بختی اور شقاوت قلبی کی علامت اور آزاد خیالی وگمراہی کا ذریعہ ہوتی ہے جبکہ نبوی طرز پر کام کرنے والے داعیان دین اپنی ذات کی نفی کر کے مخلوق کو خود سے جوڑنے کے بجائے اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے جوڑتے ہیں۔ ہمیشہ سابقہ علمائے راسخین کے علم وتقویٰ پر غیر متزلزل اعتماد رکھتے اور اپنی رائے کو متہم سمجھتے ہیں۔ اکابر کی غلطیاں نکال کر اپنے قصیدے پڑھنے کے بجائے ان کے دامن سے وابستہ رہنے میں اپنی اور اپنے متعلقین ومریدین کی عافیت سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اکابر اور سلف وصالحین کے ذریعے ہی قیامت تک آنے والے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو سکتے ہیں۔ یہ مزاج اور یہ رویہ ان کی سعادت مندی کا ذریعہ اور گمراہی سے حفاظت کی ضمانت بن جاتا ہے جبکہ متجددین کی آزاد خیالی اور اکابرین امت سے ذہنی دوری ان کو عجب وتکبر میں مبتلا کرتی اور اباحیت ولادینیت کی وادیوں میں بھٹکاتی پھرتی ہے۔

غیر مشترک اوصاف:

اب تین غیر مشترک اوصاف بھی سن لیجیے اور اگر کسی ایسے ریسرچ اسکالر یا علامۂ دوراں پر منطبق ہوتے نظر آئیں جس کا طوطی بول رہا ہو تو اسے "محض اتفاق" سمجھ کر درگزر فرما دیجیے۔

1-ایسے لوگ یا تو قرآن اور قرآنیات پر اس لیے زور دیتے اور خود کو اس کا ماہر باور کراتے ہیں کہ حدیث کا کھلا یا چھپا ہوا انکار کرسکیں اور کتاب اللہ کی نبوی تشریحات سے امت کو ہٹا کر اپنی من مانی تشریحات کو ''قرآن کا مفہوم ومصداق'' قرار دیں۔ چونکہ وہ اپنا امیج ''اہل قران'' اور ''ماہرین قرآنیات'' کا بنا چکے ہوتے ہیں اس لیے اپنے لیکچرز اور ''مقالات'' میں جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں، عوام اس کو قرآن کریم کا حاشیہ سمجھ کر قبول کرتے چلے جاتے ہیں جبکہ درحقیقت وہ کسی مستشرق کی باسی تحریف کا سڑا اندز دہ ابال ہوتا ہے۔

2-یا پھر یہ ''جدید یے'' قرآن وحدیث دونوں پر اس لیے زور دیتے ہیں کہ ''فقہ'' کا انکار کیا جاسکے اور فقہائے کرام نے اپنی راسخ دینی تحقیق اور بے مثال وسیع وعمیق علم سے جو اسلامی قوانین مدوّن کیے ہیں، ان کی اتباع وتقلید چھڑوا کر اِن نت نئی تحریفی تحقیقات پر امت کو ڈال دیا جائے جو دراصل قرآن وسنت کی روح کی منافی اور یہودی وعیسائی تھنک ٹینکس کی تلقین کردہ ہیں۔ اس موقع پر ان کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے فقہائے کرام کی مستند تحقیقات پر بے سروپا بحثیں چھیڑ کر ان کو مشکوک اور نا قابل اعتماد بنایا جائے پھر آہستہ آہستہ ان کے متبادل کے طور پر وہ ''جدید اجتہادیات'' پیش کردی جائیں جو معاشرتی علوم کے مغربی ماہرین (مستشرقین: اسلامی علوم کے ماہر یہودی وعیسائی ڈاکٹر وپروفیسرز) نے اپنے ان ہونہار اور حلال خور شاگردوں کو سکھائی ہیں۔ مثلاً: ہمارے ہاں کی ایک مشہور مفسرہ ومبلغہ اور ان کے شوہر نامدار دونوں گلاسکو یونیورسٹی میں پروفیسر جان ہیٹک نامی شخص کے چار سال تک شاگرد رہے ہیں۔ 1986ء سے 1989ء تک۔ وہاں پی ایچ ڈی کے نام پر اس غیر مسلم استاذ نے انہیں جو گھول کر پلایا، آج وہ اجماعی مسائل میں جمہور اُمت کے موقف سے انحراف اور خواتین میں دین کے نام پر آزادروی پھیلانے کی شکل میں سامنے آرہا ہے۔ لطف یہ ہے کہ دونوں حضرات کی یہ ''اعلیٰ تعلیم'' سرکاری خرچ پر ہوئی ہے۔ اور اگر علمائے کرام کی طرف سے ان پر سخت تنقید نہ ہوئی ہوتی تو وہ آج کراچی میں تاریخ اسلام میں خواتین کی پہلی مسجد قائم کرنے میں کامیاب ہوچکی ہوتیں اور خواتین کا پہلا جمعہ امینہ ودود

امریکا میں نہ پڑھاتی بلکہ یہ اعزاز موصوفہ کو پاکستان ہی میں مل جاتا۔

3۔ یا پھر امت مسلمہ کے خیر خواہ حضرات رواداری اور ''ٹالریشن'' کی اس لیے پرزور تبلیغ کرتے ہیں کہ ''جہاد'' کا انکار کیا جا سکے۔ وسائل اور ٹیکنالوجی سے مالا مال مغربی دنیا اور خصوصا یہودی منصوبہ سازوں کو اس وقت اگر کسی سے حقیقی خطرہ ہے تو وہ جہاد اور نہتے مجاہدین سے ہے۔ اس وقت اہل مغرب اور آلِ یہود کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں سے ''ذوق جہاد'' اور ''شوق شہادت'' کا خاتمہ کر کے انہیں فحاشی وعریانی اور دنیا پرستی ونفس پروری کا گرویدہ بنا دیا جائے۔ سو جدت پسند پوری دل سوزی اور مکمل خیر خواہی سے مسلمان نوجوانوں کو تحمل وبرداشت اور وسعتِ نظری ورواداری کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو حکمت عملی سیکھنے اور صلح وحدیبیہ والا نرم رویّہ اپنانے کی تربیت دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ صلح حدیبیہ ہوئی اس لیے تھی کہ صرف ایک مسلمان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کے سپہ سالارِ اعلیٰ (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے چودہ سو مسلمانوں کو قربان کرنے کا عزم کرتے ہوئے ان سے موت پر بیعت لے لی تھی۔ مسلمان اس وقت کفار سے تعداد میں کم تھے۔ وہ لڑنے کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تھے۔ ان کے پاس ہتھیار بھی ناکافی تھے۔ وہ اپنے ''بیس کیمپ'' سے کئی سو کلومیٹر دور تھے۔ ان کی کوئی دفاعی لائن نہ تھی۔ ان کو کمک کا پہنچنا تقریباً ناممکنات میں سے تھا۔ وہ مشکل حالات میں پلٹ کر کسی دفاعی حصار میں پناہ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ اس کے باوجود جب اپنے ایک ساتھی کی مظلومانہ شہادت کا بدلہ لینے کے لیے پورے لشکر نے موت تک لڑنے کا عہد کر لیا تو اس دینی غیرت اور ایمانی اخوت کے بے مثال مظاہرے نے کفار کو اس قدر مرعوب کیا کہ وہ آ کر صلح کی بات چیت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آج ہمارے اسکالرز نے ایسی غیرت اور حمیت کو ایک طرف رکھ کر خود صلح حدیبیہ کی ہی ایسی تشریح شروع کر دی ہے جو ہماری بزدلی اور بے ایمانی کو سند فراہم کر سکے۔

ذکر کچھ جدت پسندوں کا

جدت پسندوں کا طبقہ جو آج ایک مرتبہ پھر ٹی وی مذاکروں میں خدا کے وجود پر عقل اور فلسفہ کی روشنی میں گفتگو کا خواہش مند ہے، جبکہ اس عقل اور فلسفے کو اس بحث سے گندے ٹماٹروں کی طرح باہر پھینک دیا گیا تھا، آج سے فری میسن نہیں ہوا، یہ سلسلہ کافی قدیم ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپی سامراج کے ایشیا اور افریقا میں غلبہ وتسلط کے ساتھ ساتھ فری میسنری بھی یہاں داخل ہوگئی۔ سامراجی فوجی اور تاجر جس ملک میں جاتے وہاں فری میسن لاجیں قائم کرتے رہے۔ فری میسنری، سامراجیت اور سرمایہ داریت کا آپس میں قریبی اشتراک تھا۔ اس کی لاجیں ملک کے سازشی، موقع پرست اور ملک دشمن عناصر کی پناہ گاہیں تھیں۔ فری میسن لاجیں ان کے خفیہ اڈے تھے۔ ان لاجوں میں قابلِ اعتماد حکام، اقتدار کے طلب گار اور معاشرے کے اہم افراد کو آنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ اقتدار کے پجاری اور ہوس کے مارے ہوئے یہ افراد ترقی کی لالچ میں آکر بآسانی فری میسن کے جال میں پھنس جاتے تھے۔ میسنری کے خلاف آواز اُٹھانے والوں میں علمائے کرام پیش پیش تھے۔ فری میسن یہ تاثر دیتے تھے کہ ان کی تنظیم موجودہ دور کے جدید رجحانات کی حامی اور روشن خیال طبقوں کی نمائندہ ہے۔ ان کے اس دھوکے اور فریب کا پردہ علمائے کرام نے چاک کیا۔ انہوں نے لوگوں کو اس کے خطرات اور مضمرات سے آگاہ کیا۔ عرب دنیا میں ماسونیت یعنی صہیونیت پر زبردست کام ہوا اور عرب علماء نے ''الماسونیۃ'' کے نام سے صہیونیت اور فری میسن کے اہداف، طریق کار اور تاریخ پر گرانقدر تحقیقی کام کیا۔ بندہ نے اس موضوع پر لکھی گئی اہم اُردو، عربی اور انگریزی کتابوں کا حوالہ اپنی نئی کتاب ''عالمی یہودی تنظیمیں'' کے آخر میں دیا ہے۔ نیز یہودیت پر قابل قدر کام کرنے والے ملکی اور غیر ملکی اہلِ علم کے ناموں کی فہرست

اس کتاب کے مقدمے میں دی ہے۔شائقین وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے 1901ء میں دو رسالے مرتب کیے: الحمی فی احکام الرقی اور طلسم کشائی فری میسن۔ ان میں میسنری کے متعلق بعض معلومات درج ہیں۔ اس زمانے میں اس پیچیدہ اور خفیہ موضوع پر لکھنا ہی ایسا قابلِ تحسین کام تھا جو حضرت کی علمی بصیرت اور غیر معمولی فراست پر دلالت کرتا ہے۔

1947ء میں برصغیر کی تقسیم کے وقت سابق مشرقی پاکستان کے بڑے بڑے شہروں؛ ڈھاکہ، چٹاکانگ، مرشد آباد وغیرہ میں فری میسن لاجیں قائم تھیں۔ ان کا تعلق گرینڈ لاج انگلینڈ سے تھا۔ مغربی پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں فری میسن لاجیں کام کر رہی تھیں جن کی تعداد 30 تھی اور دو ہزار کے قریب ممبران تھے۔ لاہور، سیالکوٹ، پشاور، راولپنڈی، ملتان، کوئٹہ، حیدر آباد، کراچی کی لاجیں زیادہ اہم شمار کی جاتی تھیں۔ لوگوں میں یہ جادو گھروں کے نام سے مشہور تھیں۔ لاہور ماڈل روڈ پر واقع ''جادو گھر'' تو عوام میں بھی مشہور تھا۔ کراچی کا فری میسن ہال (نزد کراچی پریس کلب) اگرچہ عام مشہور تو نہ تھا لیکن اس کی عمارت آج تک باہر سے دیکھتے ہی ان تمام علامتوں پر مشتمل نظر آتی ہے جو فری میسن ہالوں کی پیشانی پر ثبت ہوتی ہیں۔ بندہ کو متعدد مرتبہ اس عبرت کدہ میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس کی تصویریں بھی قارئین دیکھ چکے ہیں۔ پشاور کا فری میسن ہال جہاں واقع تھا وہاں مشہور عالم دین مولانا حسن جان صاحب کا مدرسہ اور مسجد درویش واقع ہے۔

1948ء سے 1968ء کے دو عشروں میں فری میسنری بھرپور طور پر پاکستان میں کام کرتی رہی۔ اول تو اس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ اگر ان کی سرگرمیوں کے خلاف کسی نے آواز بلند کی تو وہ نہ تو مؤثر ثابت ہوئی اور نہ ہی کوئی عوامی مطالبہ بن سکی۔ جنگ سوئز (1956ء) اسرائیل کی بڑھتی ہوئی جارحیت، سامراجی تسلط کے خاتمے اور آزادی کے نئے رجحانات کے نتیجے میں 1960ء کے عشرے میں بعض عرب ممالک میں فری میسنری پر

پابندی عائد کی گئی اور اس کے صہیونیوں سے روابط کی خبریں شائع ہوئیں۔ اس وقت پاکستان میں بھی اس کی گونج سنائی دی۔ان دنوں پاکستان میں ایک اہم پیش رفت ہوئی۔

اسلامی ریسرچ اکیڈمی کراچی کے ریسرچ اسکالر مصباح الاسلام فاروقی نے فروری 1967ء میں یہودی اکابر کے پروٹوکولز شائع کردیے۔ یہ پروٹوکولز پہلی دفعہ پاکستان میں شائع ہوئے۔ان کا نام ''تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ'' تھا۔ان کا شائع ہونا تھا کہ تہلکہ مچ گیا اور فری میسنری پر پابندی لگانے کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ فاروقی مرحوم کی کتاب میں یہودی سازش اور عالمِ اسلام میں مسلمانوں کو یہودی سازشوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ فری میسنری کی حقیقت، اہداف اور طریق کار پر کھل کر گفتگو کی گئی تھی۔ بندہ کو یہ کتاب سب سے پہلے تقریباً 15 برس کی عمر میں پڑھنے کا موقع ملا۔ سنسنی خیز، انکشافات سے بھرپور یہ کتاب نہایت مقبول ہونے کے باوجود عام نہیں ملتی تھی اور چھپتے ہی اسٹالوں سے فوراً غائب کردی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے دوسری معرکۃ الآرا کتاب ''فری میسنری: ایک تنقیدی مطالعہ'' لکھی جس میں فری میسنری کا کوئی راز، راز نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ اس کے مصنف مصباح الاسلام فاروقی صاحب کراچی میں اپنی ''طبعی موت'' سے دنیا سے چلے گئے اور فرضی معماروں کے بے ہودہ رازوں کا پردہ چاک کرکے اس کائنات کے حقیقی معمار کے روبرو پیش ہوگئے۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے اور عظیم شہادت کا رتبہ انہیں عطا کرے۔

آج فری میسنری اپنے نام سے تو کام نہیں کررہی لیکن اس کے لیے کام کرنے والے افراد سیاست داں ہوں یا تاجر، اسرائیلی ملاّ ہوں یا عقلیت پرست علمائے اور اسکالرز، تھری پیس سوٹ میں ملبوس چٹ صاف مذہبی اُمور کے ماہر ہوں یا سرکاری چھتری تلے پروان چڑھنے والے جدید صوفی ازم کے فرنچ کٹ ڈاڑھی والے جعلی صوفی، سب کے سب صہیونیت کے مشن کی تکمیل کے لیے سرگرم ہیں اور صہیونیت کا سب سے بڑا مشن چونکہ ارضِ مقدس میں صہیونی ریاست کا قیام ہے جس کا مرکز مسجدِ اقصیٰ کی جگہ پر تعمیر کیا گیا ''ہیکل سلیمانی'' ہوگا اور اس مشن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کا تقویٰ اور جہاد ہے

اس لیے آپ جس بھی منہ پھٹ اسکالر کو دیکھیں کہ وہ کتاب وسنت کی تعلیمات سے مسلمانوں کی وابستگی ختم کرنے کے لیے پردہ، ڈاڑھی یا مسنون حلیے اور لباس کے خلاف بول رہا ہے یا جہاد پر بے معنی بحثیں چھیڑ رہا ہے (مثلاً: جہاد فرد کا فریضہ ہے یا ریاست کا؟ جہاد کے لیے امیر لازمی ہے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ) تو سمجھیے کہ یہ تنخواہ دار اپنی ڈیوٹی پوری کرنے اور مال بٹورنے کے لیے مسلمانوں کا ایمان خراب کر رہا ہے۔ خدا جانے آپ بات سمجھے یا نہیں؟ میں آپ کو ایک دو مثالیں دیتا ہوں اللہ کرے آپ اس عاجز کے ساتھ وہاں تک ہو آئیں، جہاں تک آپ کو اور دیگر قاری برادری کو جانا ضروری ہے۔

☆ آج کل مسلمانوں میں خصوصاً نئی نسل اور نوجوانوں میں تیزی سے بڑھتی ہوئی فحاشی اور دنیا و آخرت کی تباہی ہر کوئی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ہر سڑک، ہر فٹ پاتھ اور ہر پارک کے ہر درخت کے نیچے دیکھ رہا ہے۔ ہر موبائل، ہر نیٹ کیفے، ہر چیٹنگ پر دیکھ رہا ہے۔ اس صورتِ حال میں اُمت کا غم کھانے والوں پر فحاشی کے خلاف بولنا لازم ہے یا فحاشی پر دی جانے والی سزاؤں کے خلاف اپنی بے ہودہ اور فرسودہ دماغی کاوشیں صرف کرنا ضروری ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان جانتا ہے......لیکن آپ نے کچھ ایسے چٹ صاف علاماؤں کو دیکھا ہوگا کہ ان کو کچھ عرصے پہلے اس کی شدید فکر تھی کہ زنا اور فحاشی کی سزاؤں میں تخفیف یا تعطل کیسے پیدا کیا جائے؟ اور انہیں اس وقت تک چین نہ پڑا جب تک انہوں نے قوم کے باقی ماندہ بچوں اور بچیوں کو بے راہ روی کے اس عذاب میں دھکیل نہ دیا جوان کی حدوداللہ کے خلاف مہم کا ہدف اصلی تھا۔ آج کسی پریمی جوڑے کو نہ پولیس پوچھ سکتی ہے کہ وہ بھری دوپہر میں مزارِ قائد کے درختوں کے نیچے دھونی رمائے کیوں بیٹھے ہیں نہ مرضی کی شادی کرنے والے جوڑوں کو این جی اوز کے اثر اور ڈر سے کوئی اپنا یا پرایا لعن طعن کر سکتا ہے، نہ خاندان والے اور دوست احباب اس کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کم نصیب اور ایمان فروش اسکالرز کی کارستانی ہے۔ یہ اپنے ساتھ ان تمام عصمتوں کے لٹنے کا عذاب لے کر مریں گے جو ان کی مہم کے نتیجے میں برباد ہوئیں۔

☆مسلمان اس وقت مغربی تہذیب کی ایسی منہ زور یلغار کی زد میں ہیں جس کے نتیجے میں وہ اپنی شناخت اور تہذیب وثقافت سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔اس وقت دل سوزی اور خیرخواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں رجوع الی اللہ، رجوع الی المذہب اور ربط بالملّت کی دعوت دی جائے اور تمام مسلمان بھائی ایک دوسرے کو عقائد کی تصحیح، اتباع سنت اور شرعی طور طریقوں پر جمے رہنے کی دعوت اور صبر ومصابرت کی تلقین کریں۔ مگر آپ چند دانش وروں کو دیکھیں گے کہ ان کی ''دانش سراؤں'' میں بس اس پر زور ہوگا کہ اسلام کی اپنی کوئی شناخت، کوئی تہذیب، کوئی مخصوص ثقافت ہی نہیں۔ اسلام کسی حلیے یا لباس کی پابندی نہیں کرواتا۔ چست پتلون یا لمبے چڈے (برموداشاٹس) بھی درست ہیں اور کندھوں تک بغیر بازوؤں اور کولہوں سے اوپر تک کھلی ہوئی چاکوں والی نسوانی قمیص میں بھی کوئی حرج نہیں وغیرہ وغیرہ۔

☆ آج کل پوری دنیا میں مسلمان ضعف (ایمانی، جسمانی اور وسائل کی کمزوری) اور ''وہن'' (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت) کا شکار ہیں اور مظلومیت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ان حالات میں دربدر مارے پھرنے اور کسمپرسی کے عالم میں مزاحمت کرنے والے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے بجائے جو تھوڑی بہت مزاحمت ہورہی ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ''امن عالم میں مسلمانوں کا کردار'' جیسی بحث چھیڑی جارہی ہے اور نئی نسل کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ دنیا بھر میں مسلمان امن کی بربادی کے ذمہ دار ہیں۔ اس لیے انہیں ٹک کر بیٹھنا چاہیے تاکہ باری آنے تک وہ پھڑکنے کا جرم بھی نہ کرسکیں۔

☆''مکالمہ بین المذاہب'' کا غلغلہ بھی مسلمانوں میں اسی سوچ کو پیدا کرنے کے لیے ہے کہ اقوام عالم کے سامنے عذر معذرت کر کے اُمت مسلمہ کی جان چھڑائیں جو چند لوگوں کے ''غلط رویے'' کی وجہ سے طاغوت کی دشمنی کا ہدف بنی ہوئی ہے۔ حالانکہ مغرب کی اسلام دشمنی بلکہ مذہب بیزاری وہ تاریخی جدلیّت ہے جو ہمارا دور شروع ہونے اور ہمارے پیدا ہونے سے پہلے...... بہت پہلے...... پائی جاتی تھی۔ انہوں نے اپنے انبیائے

کرام علیہم السلام کے ساتھ مکالمہ کو کامیاب نہیں ہونے دیا تو ہمارے مکالمے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی یہود ونصاریٰ نے پاس داری نہ کی تو ہمارے معافی ناموں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ لیکن یہ چند ہمدرد مکالمے کے نام پر مغرب سے معافی منگوانے کو اُمت مسلمہ کی سب سے بڑی خدمت قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

غرضیکہ جب قوم کو کسی ایک رخ پر لے جانے کی ضرورت محسوس ہو اور کچھ لوگ اسے دوسرے رُخ پر لے جانے پر مصر ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اپنی بولی نہیں بول رہے۔ یہ تو وہ کیسٹیں ہیں جو گرینڈ ماسٹر کی ہدایات پر بج رہی ہیں۔ یہ وہ بدنصیب کٹھ پتلیاں ہیں جنہیں کوئی ورشپ فل ماسٹر نچوا رہا ہے اور وہ تھرک تھرک کر ناچ رہی ہیں۔

فری میسنری سے متعلق چند مشہور ادارے

یہ اسلام آباد کا ایک درمیانے درجے کا ہوٹل ہے۔ اس میں کچھ علمائے کرام ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بندہ ان سے ملاقات کی غرض سے جاتا ہے تو استقبالیہ کے ساتھ دیوار پر موجود ایک مخصوص علامت کو دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے۔ ساتھیوں کا اصرار ہے کہ شاہ صاحب دیر ہو رہی ہے۔ یوں داخلی دروازے کے پاس کھڑا ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ بندہ کو اس کا احساس ہے کہ ساتھی انتظار کر رہے ہیں۔ یوں بیچ راہ کے کھڑے ہونا اور کسی چیز کو تاڑنا صحیح نہیں ہے، آداب کے منافی ہے، مگر اس کا کیا کیجیے کہ جس چیز پر نظر ٹھہری ہوئی ہے وہیں جم کر رہ گئی ہے اور بندہ کے ذہن میں اسے دیکھ کر بہت سی چیزوں نے گردش شروع کر دی ہے۔ تعجب اور افسوس کے ملے جلے جذبات نے قدم روک لیے ہیں۔ دیوار پر ایک خصوصی قسم کا پہیہ بنا ہوا تھا۔ اس پر انگلش میں درج تھا: ''روٹری کلب انٹرنیشنل، منگل، شام پانچ تا آٹھ بجے۔'' قارئین میں سے بہت سوں کو اس نام میں کوئی خاص بات محسوس نہ ہوئی ہوگی۔ بہت سے اس کے بارے میں اجمالاً جانتے ہوں گے۔ بہت سے تفصیل سے جاننے کے خواہش مند ہوں گے تو آج کی محفل فری میسن کی اس ذیلی تنظیم اور اس جیسی اور دوسری تنظیموں کے لیے خاص ہے۔

☆☆☆☆

فری میسنری کی مشہور ذیلی تنظیموں میں زیادہ مشہور روٹری انٹرنیشنل Rotary International، لائنز کلبز اور این جی اوز ہیں۔ ان کے ممبروں کا کہنا ہے کہ یہ خالصتاً فلاحی نوعیت کی تنظیمیں ہیں اور سماجی بہبود کے لیے کام کرتی ہیں لیکن ان اداروں کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ فری میسن ادارے ہیں۔ ہم جانبین کے اس الزام اور

جواب الزام پر بحث کرنے سے پہلے ان کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں اور اس کے لیے ہم اسلامک اسٹڈی فورم راولپنڈی کی فری میسنری پر شائع کردہ جناب بشیر احمد کی کتاب سے استفادہ کریں گے جس پر ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

(1) روٹری انٹرنیشنل (Rotary Internationl):

روٹری انٹرنیشنل ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جس میں اعلیٰ صنعت کار، تاجر، ڈاکٹر، وکیل وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کا بانی امریکا کا ایک وکیل پال ہیرس (Paul Harris) تھا۔ اس نے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ 1905ء میں اس کی بنیاد رکھی اور شکاگو میں اس کی پہلی میٹنگ بلائی۔ روٹری کے کلب تمام دنیا میں قائم ہیں۔ اس کا پہلا ہیڈ کوارٹر ایونسٹن الی نائے امریکا میں ہے۔ 1997ء میں روٹری کلبوں کی کل تعداد 28736 تھی جو 157 ملکوں میں قائم تھے۔ اس کے ممبران کی کل تعداد 12 لاکھ کے لگ بھگ ہے جو ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ڈائریکٹروں، سرمایہ داروں اور بین الاقوامی پیشہ ورانہ تنظیموں کے اراکین پر مشتمل ہے۔ اس کا مقولہ ہے ''وسعت حاصل کرو تا کہ بہتر خدمت کرسکو۔'' ''Expand to serve Better'' روٹری نے پال ہیرس کی وفات کی 50 سالہ برسی 1998ء میں منائی۔ روٹری نے دنیا کو 145 ضلعوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر ڈسٹرکٹ کا ایک گورنر ہوتا ہے جس کو ڈسٹرکٹ کلب چنتے ہیں۔ یہ گورنر عالمی روٹری کے صدر کا انتخاب کرتے ہیں۔ پاکستان میں روٹری کلبوں کی تعداد 20 اور ممبروں کی تعداد 5 ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ممبر سازی بذریعہ دعوت کی جاتی ہے۔ مالی وسائل کا بڑا ذریعہ ممبر شپ فیس اور عطیات بتائے جاتے ہیں۔ آج سے چند سال پہلے ممبر سازی کی فیس ایک سے دو ہزار روپے تھی۔ بڑے بڑے صنعت کار روٹری کلبوں کو بھاری عطیات دیتے ہیں اور ہفتہ وار اجتماعات میں پُر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ روٹری کے اعلیٰ اراکین کا ملک کے تجارتی، مالی اور صنعتی اداروں، اسٹاک ایکسچینجوں اور بیرونی بینکوں سے قریبی تعلق ہوتا ہے۔ ان کے عالمی بینک، آئی ایم ایف اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) جنیوا سے قریبی روابط ہیں۔ روٹری کو

اقوامِ متحدہ میں این جی او کا درجہ حاصل ہے۔

روٹری کے یو این ایجنسیوں UNICEF،WHO وغیرہ اور امریکا کے بیماریوں پر قابو پانے والے مرکز CDS(US Center for Disease Control) سے بھی روابط ہیں۔ روٹری پر تفصیلی معلومات اور اس کے مقاصد کے لیے دو کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:

(1) Honouring Our Past-The Words and Wisdom of Paul Harris.

(2) Paul Harris and his Successors-Profiles in Leadership.

پاکستان میں روٹری انٹرنیشنل بعض ترقیاتی اور فلاحی نوعیت کے منصوبوں پر عمل درآمد کر کے اپنی تنظیم کا جواز پیش کرتی ہے۔ 1954ء میں کراچی روٹری کے صدر آغا ہلالی تھے جو ایک عرصے تک اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے کے طور پر کام کرتے رہے۔ 1956ء میں فرید احمد، 1963ء میں جی ٹی تہور اور 1964ء میں کے ای بشیر روٹری کے صدر رہے۔ ایوب خان دور (1958-1969ء) کے خاتمے کے بعد ملک میں پائے جانے والے سیاسی عدم استحکام کے باعث روٹری کی سرگرمیاں محدود ہو گئیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد قائم ہونے والی بھٹو حکومت نے کئی صنعتوں اور بینکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا، اس سے روٹری متاثر ہوئی۔ بھٹو حکومت کے خاتمہ اور مارشل لا کے زمانے میں روٹری نے دوبارہ پر پرزے نکالے اور اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کیا جو اب تک جاری ہے۔

اپریل 1991ء میں روٹری کلب اسلام آباد کے ڈسٹرکٹ گورنر ایم اصغر قریشی نے عمران خان کو شوکت خانم میموریل ہسپتال کے لیے 25 ہزار کا عطیہ دیا۔ کلب کے صدر ہانس جورگ اینگل Hans Jorg Engel نے انہیں پال ہیرس فیلو کا اعزاز دیا۔ یہی اعزاز بنگلہ دیش روٹری نے سابق وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کو دے رکھا تھا۔ 1992ء میں روٹری کے گورنر مشہور صنعت کار عطاء الرحمٰن باری تھے۔ 1993ء میں اے ایم محسن گورنر بنے جو پیشے کے اعتبار سے انکم ٹیکس ایڈوائزر تھے۔ 1994ء میں فیصل آباد کے صنعت کار اے کیو علوی گورنر مقرر ہوئے۔ روٹری پاکستان کلب سے بڑا اور امیر ترین کلب کراچی میٹرو

پولیٹن کلب ہے۔ اسے اے ایم محسن نے 1986ء میں قائم کیا۔ اس کلب کے ممبروں اور سرپرستوں میں کثیر الاقوام کمپنیوں (ملٹی نیشنل) اور بیرونی بینکوں کے اہم عہدیدار شامل ہیں۔ حنیف آدم جی اور رفیق حبیب جیسے پاکستانی صنعت کاروں نے اس کی ترقی میں حصہ لیا۔ 1993ء میں اس کلب کے صدر الیاس انصاری تھے جو بروک بانڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔ آپ کے بعد پاکستان میں امریکن بزنس کونسل کے لبنانی نژاد امریکی صدر صبحی جرودی صدر بنے۔ ان کا تعلق سائنا مائڈ (Cynamide) کمپنی سے تھا۔ کلب کے دیگر اراکین میں وائتھ لیبارٹریز کے ڈاکٹر اعجاز خان اور مشہور آرکیٹک اعجاز شامل تھے۔ اس زمانے میں اس کلب کے سارجنٹ ایٹ آرمز لفتھا نسا ائیر لائنز کے جورگن تھامسن Juergon Thomson تھے۔

روٹری کلبوں کا تمام نظم و نسق مردوں کے پاس ہوتا ہے۔ خواتین کے لیے انر وہیل کلب IWC(Inner Wheel Club) بنائے جاتے ہیں جن میں کلب کے سرمایہ دار اراکین کی مائیں، بہنیں اور بیویاں شامل ہوتی ہیں۔ 1993ء میں پاکستان کے IWC کی صدر محترمہ یاسمین قاسم تھیں جو کراچی اسٹاک ایکسچینج کے سراج قاسم کی اہلیہ ہیں۔

1996ء میں روٹری کے صدر لوئی ویسنٹ گیا نے Luis Vicent Giay نے روٹری کے 21 ویں صدی میں حاصل کیے جانے والے مقاصد اور پروگراموں کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس بات کا ذکر کیا کہ روٹری ہر سال 20 فیصد کے قریب ممبر شپ کھول رہی ہے اور یہ ایک تشویش ناک صورتِ حال ہے جس کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

روٹری انٹرنیشنل کے اہم کنونشن انڈیانا امریکا (جون 1998ء) سنگاپور (جون 1999ء) بیونس آئرس ارجنٹینا (جون 2000ء) ٹکساس اسٹیٹ امریکا (2001) اور وی آنا (آسٹریا) میں 2002ء میں ہو چکے ہیں۔

(2) لائنز Lions:

لائنز انٹرنیشنل کی بنیاد 7 جون 1917ء کو شکاگو کے ایک صنعت کار میلون جونز

Melvin Jones نے رکھی جو انشورنس کے شعبے سے وابستہ تھے۔ اس کا پہلا اجلاس جون 1917ء میں سیسل ہوٹل شکاگو میں منعقد ہوا۔ امریکا کے 22 کلبوں کے 36 نمائندے شکاگو کے اجلاس میں جمع ہوئے۔ انہوں نے لائنز تنظیم کے قیام پر اتفاق کیا۔ اس کے پہلے صدر ڈاکٹر ولیم پی وڈز Dr. William P. Woods منتخب ہوئے جن کا تعلق امریکا کی انڈیانا اسٹیٹ سے تھا اور سیکرٹری کے لیے میلون کو چنا گیا۔ 1917ء کے بعد امریکا کی کئی ریاستوں میں لائنز کلب قائم کر دیے گئے۔ 1920ء میں ونڈسر کینیڈا میں پہلا کلب قائم ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ دی انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف لائنز کلبز اس کا مرکزی ادارہ ہے۔ تنظیم کا صدر دفتر للّی نوائے امریکا میں ہے۔

لائنز کے لفظی معنی شیر کے ہیں۔ شیر بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ایک قبیلہ کا نشان تھا۔ لائنز (Liberty, Intelligence our Nation's Saftety) کا مخفف ہے یعنی آزادی اور دانش مندی میں ہمارا (امریکیوں کا) تحفظ ہے۔ اس تنظیم کا مقولہ ہے کہ ہم خدمت کرتے ہیں (We serve)۔

کسی ملک کے سرمایہ دار، ممتاز تاجر، صنعت کار اور پیشہ ور افراد لائنز کے ممبر بنتے ہیں اس کا نشان L یعنی لائین ہے جو میسنری کے رنگ میں ہوتا ہے جس کے اردگرد جامنی رنگ پھیلا ہوتا ہے۔ اس رنگ کے ساتھ دائیں بائیں طرف کناروں پر شیروں کی تصویر بنی ہوتی ہے۔ لفظ لائنز اوپر لکھا ہوتا ہے اور انٹرنیشنل نچلے حصے میں تحریر ہوتا ہے۔ شیروں کے چہرے ایک دوسرے کی مخالف سمت میں ہوتے ہیں جو ماضی اور مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

لائنز کے نزدیک جامنی رنگ وفاداری کی علامت اور قوت و محنت کا نشان ہے۔ سنہرا رنگ مقصد میں نیک نیتی، انصاف میں آزادی اور خدمت کی علامت ہے۔ پیلا رنگ دوستی اور خوشی کو ظاہر کرتا ہے جبکہ لائنز کے ناقدین کہتے ہیں کہ یہ سب رنگ پُراسرار نوعیت کے ہیں اور فری میسن رسومات میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس بین الاقوامی فلاحی تنظیم میں ہر رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے افراد شامل ہیں اور بین الاقوامی سطح پر بھائی چارے کو فروغ

دینے کے دعوے دار ہیں۔اس تنظیم میں 14 لاکھ سے زائد ممبران ہیں۔دنیا کے جغرافیائی خطوں کے حساب سے 182 ممالک میں اس کی 42 ہزار شاخیں (کلب) ہیں۔اس کا صدر دفتر اوک بروک (Aok Brook) ریاست ایلی نائے امریکا میں ہے۔یہ دنیا کی سب سے بڑی غیر سرکاری تنظیم این جی او ہے جس کو اقوامِ متحدہ نے تسلیم کر رکھا ہے۔

اپنے کاروبار اور پیشے میں نمایاں حیثیت کے حامل مرد اور عورت دونوں لائنز کلب میں شامل ہو سکتے ہیں۔کلب کا اجلاس مہینے میں ایک بار ہوتا ہے۔اکثر اوقات کسی اہم شخصیت کو مدعو کیا جاتا ہے اور حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کی جاتی ہے۔کلب بنانے کے لیے 20 / افراد کا ہونا لازمی ہے۔ایک لائن ہی دوسرے لائن کو کلب کا ممبر بناتا ہے۔نئے ممبر کی رکنیت کا فیصلہ کلب بورڈ کے ممبران کرتے ہیں۔کلب کی ایک انتظامی کونسل ہوتی ہے جس میں صدر، نائب صدر، سیکرٹری، خزانچی وغیرہ ہوتے ہیں۔جنرل کونسل مہینے میں دو اجلاس بلاتی ہے جب کہ انتظامی کونسل ضرورت پڑنے پر اجلاس طلب کرتی ہے۔عام ممبر شپ فیس تھوڑی ہے لیکن مالدار افراد بھاری عطیات دیتے ہیں۔اس تنظیم کے دائرۂ کار میں آٹھ شعبے ہیں جن کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معاشرے کے ہر طبقے میں اس کے اثر ونفوذ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔وہ آٹھ شعبے یہ ہیں: جوان نسل، شہری زندگی، شہری ترقی، عوامی بھلائی، تعلیم، طبی سہولیات، سماجی بہبود اور اندھوں اور ناداروں کا تحفظ۔

لائنز کی ذیلی تنظیم Leo کہلاتی ہے۔لیو کلب 1957ء میں بنے۔ان میں 12 سے 28 سال تک کے نوجوان شامل ہوتے ہیں۔12 سے 17 سال تک کی عمر کے ممبران الفا Alpha اور 18 سے 28 سال تک کی عمر کے ممبران اومیگا Omega کہلاتے ہیں۔اس تنظیم کے وہی اغراض و مقاصد ہیں جو لائنز کے ہیں۔یاد رہے کہ فری میسنری نے امریکا میں طلبہ کی انجمنوں کے نام الفا، بیٹا کاپا وغیرہ یونانی حروفِ تہجی پر رکھے ہوئے ہیں۔

پاکستان میں لائن ازم:

پاکستان میں لائن ازم کا تعارف فروری 1956ء میں ہوا۔شفیق منصور نامی ایک

ترکی باشندہ جو کہ لائینز انٹرنیشنل کا نمائندہ تھا، بمبئی انڈیا میں لائینز کا پہلا کلب بنا کر واپس جارہا تھا۔ فلائٹ کے انتظار میں اسے ایک رات کے لیے کراچی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرنا پڑا۔ وہ ہوٹل میٹروپول میں ٹھہرا جس کے مالک سائرس فرام جی من والا پارسی سرمایہ دار تھے۔ انہوں نے اس شخص سے ملاقات کی اور لائن ازم سے متاثر ہوکر اس تنظیم کو پاکستان میں متعارف کرانے کا اظہار کیا۔ شفیق منصور نے ہیڈکوارٹر سے اجازت لے کر دے دی۔ اس طرح 20 فروری 1956ء کو پاکستان میں پہلا لائینز کلب بنا۔ سائرس منِ والا فری میسنری سے بھی وابستہ رہے۔ اس کلب کے قیام کے بعد 5 مارچ 1957ء کو حیدرآباد میں اور 12 مارچ 1957ء کو لاہور میں لائینز کلب قائم ہوئے۔ پاکستان کو لائینز انٹرنیشنل نے ڈسٹرکٹ 305 کا نام دیا اور سائس منِ والا کو پہلا گورنر مقرر کیا۔

رانا محمد یحییٰ نے لائینز کے نمائندے کے طور پر مشرقی پاکستان میں کلبز قائم کیے، اس طرح پاکستان 2 ڈسٹرکٹوں یعنی 305 West اور 305 East میں تقسیم ہوگیا۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پاکستان میں صرف ایک ڈسٹرکٹ رہ گیا۔

1989ء میں پاکستان میں لائینز کلبوں کی تعداد 100 سے زائد تھی۔ انتظامی ضرورت کے تحت اس وقت کے ڈسٹرکٹ گورنر عبداللہ چشتی اور فیروز نے پاکستان میں دو ڈسٹرکٹ بنانے کی تجویز پیش کی اُور 205 S اور 305 N کے نام سے ڈسٹرکٹ بنائے۔ صوبہ سندھ میں 120 سے زائد کلب اور 2600 سے زائد ممبرز ہیں اور باقی تین صوبوں میں 86 کلبز تھے۔ ڈسٹرکٹ 305 N کے پہلے گورنر رانا محمد ایوب تھے۔ 1960ء کی دہائی میں لائینز کی ترقی میں اس کے انٹرنیشنل ڈائریکٹر آر بی کھمباٹا اور اس کے صدر ایڈورڈ بیری کی کوششوں کا گہرا دخل تھا۔ 1970ء کے عشرے میں لائینز کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ 13 جون 1968ء کو امریکا میں لائینز فاؤنڈیشن LCIF (Lions Clubs International Foundation) کا قیام عمل میں لایا گیا تا کہ لائینز کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے رقومات فراہم کی جائیں۔ پاکستان میں لائینز نے جو نام نہاد فلاحی منصوبے

شروع کر رکھے ہیں ان کے لیے ملک کے سرمایہ دار عطیات دیتے ہیں۔ بعض منصوبوں کے لیے بین الاقوامی اداروں اور تنظیموں سے مالی امداد لی جاتی ہے یا مشترکہ منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ ہر کلب کا ایک مستقل منصوبہ ہوتا ہے۔

پاکستان میں لائینز کلبوں کی مقبولیت کے پیش نظر راولپنڈی اور اسلام آباد کے بعض سرکاری افسروں اور سرمایہ داروں کی بیگمات نے 1991ء میں کئی لائینز کلب بناڈالے۔ ان میں چھ زیادہ مشہور تھے۔ راولپنڈی کلب، ہاؤس وائیو کلب، مارگلہ کلب، پروفیشنل ویمن کلب، ینگ لائینز کلب اور ٹائیگر کلب۔ باہمی تنازعات کے باعث ان کلبوں کی شیرنیاں آپس میں اُلجھ پڑیں اور خطرہ پیدا ہوگیا کہ ان کے کاغذی شیر بھی میدان میں کود پڑیں گے اس لیے اکتوبر 1991ء میں ان کو ختم کر دیا گیا اور خواتین کو باضابطہ کلبوں کا رکن بنایا گیا۔ گزشتہ عشرے میں لائینز کی فلاحی اور تنظیمی نوعیت کی ''مفید'' سرگرمیاں پاکستان کے طول وعرض میں جاری ہیں اور اس ملک کو عجوبوں کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہیں۔

(3) این جی اوز (NGO's):

پاکستان میں جب سے لاہور کے چڑیا گھر کے نزدیک واقع ''جادو گھر'' کا راز کھلنے کے بعد فری میسنری پر پابندی عائد ہوئی ہے، ''برادری'' کے لوگ مختلف رفاہی تنظیموں کے ذریعے یا ان کی مشابہت میں کام کر رہے ہیں۔ این جی اوز وہ جدید ترین نقاب ہے جس کے پیچھے فری میسنری چھپی ہوئی ہے۔ یہ این جی اوز یعنی ''نان گورنمنٹ آرگنائزیشنز'' پاکستان کے غریب اور پسماندہ علاقے کے لڑکے اور لڑکیوں کو ملازم رکھتی ہیں۔ خاص طور پر غیر شادی شدہ لڑکیوں کو پر کشش ترغیبات کے ذریعے وابستہ کیا جاتا ہے۔ ان ملازمین کو فیلڈ ورک کے لیے لیا جاتا ہے اور پھر مخلوط گروپوں کی صورت میں انہیں فیلڈ میں بھیجا جاتا ہے۔ جہاں رات آجائے انہیں وہ وہیں گزارنا ہوتی ہے۔ یہ تنظیمیں نہ صرف غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کو عیسائی بنا رہی ہیں بلکہ حکومت کے بارے میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کرتی ہیں کہ وہ ان کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ یہاں تک کہ پاکستان میں رہنے

والے ہندو شکایت کر رہے ہیں کہ ان کے لوگوں کو عیسائی بنایا جا رہا ہے۔

پاکستان میں این جی اوز کے کردار پر سخت تنقید کی جاتی ہے اور ان کے خلاف سنگین نوعیت کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ ان کی جو تھوڑی بہت فلاحی قسم کی خدمات ہیں ان کو محض اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور اپنی مذموم سرگرمیوں کو جاری رکھنے کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ عوامی مفاد کے نام پر کام کرنے والی این جی اوز Public Interest NGO's کے بارے میں تقریباً یہ طے ہے کہ یہ دوطرفہ لوٹ مچا رہی ہیں۔ بیرون ملک سے پیسے بٹور رہی ہیں اور اندرون ملک مذموم خفیہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ بعض تنظیموں پر الزام ہے کہ انہیں عیسائی چلا رہے ہیں۔ ان میں اے ایس آر (ASR)، شرکت گاہ، سمی رغ، پنجاب نوجوان، پائنرز، پنجاب لوک رس، ڈیموکریٹک ویمن ایسوسی ایشن جیسی این جی اوز شامل ہیں۔ پاکستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی این جی اوز میں سے اجوکا، دستک، انسانی حقوق کمیشن اور عورتوں کے حقوق کی تنظیموں جیسے خواتین محاذ عمل اور عورت فاؤنڈیشن کے کاموں پر بہت اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ 1980ء کے بعد این جی اوز کا جو ریلا پاکستان میں آیا اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے ان پر عمومی اعتراض یہ ہیں: (1) این جی اوز کو بیرونی ذرائع سے مالی امداد ملتی ہے خصوصاً مغرب کی اسلام دشمن صہیونی تنظیمیں ان کی پشت پناہ ہیں۔ یہ ان کے ایجنڈے پر کام کرتی ہیں ان کے ہراول دستے میں انہوں نے ان کو سامنے رکھ کر اپنا کھیل جاری کیا ہوا ہے۔ (2) این جی اوز پاکستان میں بیرونی طاقتوں کے اڈے ہیں۔ جاسوسی کے اعصابی نظام ہیں، ان کے سربراہ غیر ملکیوں کے تنخواہ دار ملازم ہیں اور ان کے مفادات کے محافظ اور نگران ہیں۔ (3) ان کو بیرونی انٹیلی جنس اداروں خصوصاً موساد، سی آئی اے، را اور مغربی یورپ کے خفیہ اداروں کی پشت پناہی، مالی امداد اور سرپرستی حاصل ہے۔ ان کو بھاری رقومات دی جاتی ہیں، بیرونی ملکوں میں دورے کرائے جاتے ہیں، تربیت دی جاتی ہے اور ان کا غسل ذہنی کیا جاتا ہے۔ (4) عورتوں کے حقوق کے نام پر چلنے والی این جی اوز پاکستان میں جنسی بے راہ روی، غیر اسلامی افکار، مغرب کی

تہذیبی یلغار، فحاشی وعریانی اور یورپ کی سیکس فری سوسائٹی قائم کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے مغرب کی ایسی ہی بے لگام سوسائٹیوں سے روابط ہیں وہ ان کا پروگرام یہاں چلا رہی ہیں، ان میں شامل خواتین اچھے کردار کی مالک نہیں۔ (5) پاکستان کے نظریاتی تشخص کو پامال کرنے کی اس مذہبی اقدار کو تباہ کرنے اور اسلامی قوانین اور اداروں کو روبہ انحطاط کرنے کے لیے یہ این جی اوز مسلسل کوشاں ہیں، ان کا مقصد اسلامی نظام کی راہ روکنا، اسلامی جماعتوں کو بدنام اور اسلامی اداروں کو مفلوج کرنا ہے تاکہ لوگوں پر مذہب کی گرفت کم ہو۔ (6) عیسائیوں، قادیانیوں اور بہائیوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے این جی اوز اپنے پلیٹ فارم کو استعمال کرتی ہیں وہ اقلیتوں کے خفیہ ایجنڈے کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں۔

اس قسم کی سخت تنقید اور الزامات کے جواب میں این جی اوز نہایت معصومانہ انداز اختیار کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بیرونی ممالک کی مفت امداد پر انحصار کرتی ہیں، ان کا کردار غیر جانبدارانہ ہے اور وہ ان معاشی، سماجی ناہمواریوں کو چیلنج نہیں کرتیں، جو ملک میں سماجی، معاشی اور سیاسی وجوہات کی بنا پر موجود ہیں بلکہ ان کا مقصد ترقیاتی کاموں میں مدد دینا اور ملک کی سماجی فلاح و بہبود میں اضافہ کرنا ہے۔ وہ ملکی ذرائع کا استعمال کرتی ہیں اور سماجی انصاف کی فراہمی میں مدد دیتی ہیں لیکن اس کا کیا جائے کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو تحفظ دینے کے لیے سرکردہ سیاسی شخصیات کو اپنا اعزازی سربراہ بنا لیتی ہیں۔ موجودہ حکومت کی کابینہ میں بعض وفاقی وزرا این جی اوز کے سربراہ ہیں ان کی وجہ سے پرویز مشرف حکومت کو این جی اوز کی سرپرست اور ان کی ترجمان قرار دیا جاتا ہے۔

نواز شریف کے دورِ حکومت میں بعض این جی اوز نے آئین میں پندرہویں ترمیم ایٹمی دھماکوں کے سوال پر حکومت کے موقف سے اختلاف کیا اور اسلام آباد میں سرعام دھماکوں کے خلاف، جن پر پوری قوم جشن منا رہی تھی، احتجاجی مظاہرے کیے جن میں گھروں میں کام کرنے والی ماسیوں کو کھینچ کھانچ کر لایا گیا تھا۔ چند ماڈرن خواتین کے ہمراہ غریب کالونیوں کی رہائشی یہ عورتیں اور بچے انگلش زبان میں لکھے گئے بینرز اُٹھائے

ہوئے انتہائی مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔ ان مظاہروں پر ملکی پریس میں سخت تنقید کی گئی اور کہا گیا کہ انہوں نے اپنے دائرہ کار سے باہر نکل کر پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کی ہے، یہ طرزِ عمل ملک کی خودمختاری اور آزادانہ پالیسیوں کے منافی ہے اس سے ملکی سالمیت اور بقا کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے اس لیے ان تنظیموں کو لگام دینا ضروری ہے۔ اس وقت این جی اوز کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے کے لیے ملک میں سوسائٹیز ایکٹ 1868ء موجود ہے جو ایک فرسودہ اور ناکافی قانون ہے۔ مئی 1999ء میں اس وقت کی نواز شریف حکومت نے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کے لیے ایک بل تیار کیا تھا جس کے تحت حکومت کو یہ اختیار حاصل ہونا تھا کہ وہ کسی بھی این جی او کو ممنوع قرار دے کر اس کے اثاثے ضبط کرلے۔ اگر رجسٹرار سوسائٹیز کو معلوم ہو کہ فلاں این جی او ملک کے مفاد کے خلاف کام کررہی ہے اور اس کی سرگرمیاں مفادِ عامہ کے منافی ہیں تو اس پر آسانی سے پابندی عائد کی جاسکتی تھی البتہ ایسی سوسائٹی صوبائی حکومت کے پاس اپیل کرنے کی مجاز تھی اور اس کا فیصلہ آخری سمجھا جاتا تھا لیکن نواز حکومت کے خاتمے کے بعد یہ بل سامنے نہ آسکا۔

مذہبی اور محبِ وطن طبقہ این جی اوز کے بہت خلاف ہے۔ ان کا یہ سوال ہے کہ اگر یہ تنظیمیں بیرونی مفاد کی محافظ اور آلہ کار نہیں تو ان کو کس بنیاد پر کثیر مالی امداد دی جاتی ہے اور ایسے بے غرضانہ ایثار کا مظاہرہ کیوں کیا جاتا ہے؟ مذہبی جماعتوں اور محبِ وطن رہنماؤں کا کہنا ہے کہ حکومت نے این جی اوز کے ایما پر دینی مدارس اور مذہبی جماعتوں کے خلاف ایک محاذ کھول دیا ہے۔ افغان جہاد کے بعد اسلام دشمن قوتیں اس بات کا الزام دھرتی ہیں کہ دینی مدارس پاکستان میں مذہب کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اسلام بنیاد پرستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ ان کے دلوں میں آزاد خیالی کی جگہ اسلامی اقدار کا بیج بوتے ہیں اور انہیں جہاد کی ترغیب دیتے ہیں جس کے بعد وہ رضاکارانہ طور پر کشمیر، چیچنیا وغیرہ میں جاکر کارروائیاں کرتے ہیں جس کو مغربی دنیا دہشت پسندی Terrorism قرار دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی طبقہ ہر اس تحریک کے خلاف آواز بلند کرتا ہے جو اسلامی قوانین کے نفاذ

کو ناکام بنانے کے لیے اُٹھے۔ ناموسِ رسالت کے تحفظ کے قانون، حدود آرڈی نینس وغیرہ کے خلاف جب بھی این جی اوز حقوقِ انسانی کی انجمنوں اور غیر مسلم تنظیموں کی طرف سے آواز اُٹھی، دینی طبقے نے اس کے خلاف تحریک اُٹھائی۔ مذہبی جماعتیں این جی اوز کے اشارے پر عیسائیوں اور دیگر اقلیتوں کے مطالبات جیسے مخلوط انتخابات کا نفاذ وغیرہ کے خلاف آواز بلند کرتی ہیں۔ یہ مطالبہ ملک کے آئین کو سبوتاژ کرنے اور پاکستان کے اسلامی تشخص کو مٹانے کے مترادف ہے۔

مغرب میں آزادی اور جمہوریت کے نام پر جو آزاد خیال معاشرہ تشکیل پا چکا ہے، اس کو سول سوسائٹی Civil Socity کا نام دیا گیا ہے۔ (آج کل جب سول سوسائٹی کا نام وکلا کی تحریک کے ضمن میں بار بار آتا ہے تو بندہ چونک جاتا ہے کہ محبِ وطن قوتیں تو وکلا تحریک کا ساتھ نہیں دے رہیں اور سول سوسائٹی کی اصطلاح مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ نجانے آج کے یہ تحریکی کارکن جب کل کے ہیرو بن جائیں تو کیا گل کھلائیں؟) ایسی سوسائٹی کی بنیاد سیکولرازم، دین سے لاتعلقی اور آزاد خیالی پر رکھی گئی ہے۔ جبکہ دینی مدارس مذہبی فکر کو اُجاگر کرتے ہیں اور مذہبی بنیادوں پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل پر زور دیتے ہیں۔ حکومت نے دینی مدارس کے لیے جو طریق عمل اختیار کیا ہے اس کے مطابق دینی مدارس کی کل تعداد کا اندازہ لگانا، درسِ نظامی اور طریقہ تعلیم کی تفاصیل حاصل کرنا، مالی وسائل کا پتا لگانا اور انتظامی اُمور کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے۔ یہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ یہ بھی پتا لگایا گیا ہے کہ ان مدارس میں کوئی اسلحہ خانے تو نہیں ہیں جیسا کہ عام پروپیگنڈا کیا جارہا تھا۔ اسلام دشمن طاقتوں کے نزدیک دینی مدارس جو دہشت گردی کے اڈے، بنیاد پرستوں کے مراکز اور مذہبی انتہا پسندوں کی کمین گاہیں ہیں، ان سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کو ایک نئی ڈگر پر چلانا ضروری ہے تاکہ یہ مولوی یا مُلا سے مسٹر بن جائیں۔ جدید تقاضوں کو سمجھیں اور سیکولر ذہن بنائیں اس کے لیے حکومت نے دینی مدارس کے لیے ایک کمیشن قائم کیا ہے جو ان کے لیے اصلاحات تجویز کرے گا۔ دوسرے حکومت اپنی سرپرستی میں جدید طرز کے دینی مدارس

قائم کرے گی۔ تیسرے چند مخصوص مدارس کو یونیورسٹی کا درجہ دیا جائے گا۔

این جی اوز وہی کام کر رہی ہیں جو کسی زمانے میں فری میسنری نے لاج کے خفیہ پردوں کے پیچھے کیا۔ یہ تنظیمیں موثر قوت بن کر اُبھر رہی ہیں۔ گزشتہ صدی میں صہیونی سامراجی مقاصد کی تکمیل فری میسن کٹھ پتلیوں کے ذریعے کی گئی جن کو اپنے اصل آقاؤں اور ان کے مذموم مقاصد کا کوئی علم نہ تھا۔ ایسی ہی صورتِ حال این جی اوز نے پاکستان میں پیدا کر رکھی ہے۔ یہ سماجی ملٹی نیشنل کارپوریشن ہیں جن کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے موثر قانون بنانے اور اس پر عمل درآمد کرنے کی سخت ضرورت ہے جبکہ ہمارے ہاں پھر رہا ہے کہ ان کو تمام مراعات سرکاری طور پر مہیا کی جاتی ہیں اور چند ایک محب وطن دینی فلاحی ادارے جن کی خدمات کی ساری دنیا معترف ہے۔ ان پر بغیر کوئی وجہ بتائے پابندی لگائی جا رہی ہے۔ فری میسنری کی یہ کامیابیاں ہمیں کہاں پہنچا چھوڑیں گی؟

فری میسن کی مشہور ذیلی تنظیمیں

1-الیومیناتی:

الیومیناتی خفیہ یہودی تنظیم ہے جو دوسری خفیہ صہیونی تنظیموں کی ماں ہے۔ اسے فری میسن کی ذیلی تنظیم کے بجائے فری میسن کی بانی تنظیموں میں ذکر کرنا چاہیے لیکن آج کل الیومیناتی فری میسن کو جنم دے کر جو کہ پسِ منظر میں چلی گئی ہے اور ذیلی تنظیم کی طرح کم مشہور اور کم اثر انگیز ہے۔ درحقیقت الیومیناتی اور فری میسن الگ الگ تنظیمیں تھیں جن کے مابین اتحاد 16 جولائی 1782ء میں Congress Of Wilhelmsbad میں ہوا تھا۔

الیومیناتی کا تعارف:

اس کا آغاز اور اس کی سازشوں کی تفصیلی تعارف مصنف ''رابرٹ اُوڈریسکول'' کی کتاب ''دجّال کا تخت'' کے پہلے حصے میں ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ تفصیل ہماری دوسری کتاب ''عالمی دجالی ریاست کا یہودی منصوبہ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

''الیومیناتی'' سے مراد ''عقلی مذہب'' اور ''جمہوریت کی حامی خفیہ انجمن'' یا پھر وہ افراد جو ''بصیرت'' یا ''روشن ضمیری'' کے حامی ہوں۔ یہ تنظیم ایڈم ویشاٹ نے 1760ء کے عشرہ میں قائم کی۔ وہ ایک کیتھولک پادری تھا لیکن کیتھولک چرچ سے نکال دیا گیا تھا۔ انٹرنیشنل بینکرز کی سرپرستی میں اس نے یہ تنظیم قائم کی۔ اس خفیہ سوسائٹی کے ارکان کھلم کھلا چرچ کی مخالفت اور عیسائیت کے تمام فرقوں کو مسترد کرتے تھے۔ یہ لوگ چرچ میں اصلاحات لانے کا مطالبہ کرتے تھے۔

ویشاٹ کو 1760ء میں چرچ سے خارج کردیا گیا تھا۔ اس نے جلد ہی شیطانی منصوبے کے ساتھ دنیا پر حکمرانی کرنے کا پروجیکٹ شروع کردیا۔ اس نے باضابطہ طور پر یہ

پروجیکٹ یکم مئی 1776ء کو مکمل کیا۔ اس کو ''یوم مئی'' کہا گیا۔ یومِ مئی مختلف ملکوں میں مختلف حوالوں سے منایا جاتا ہے۔ کہیں یہ بنک ہالیڈے ہے تو کہیں محنت کشوں کا دن ہے۔ بعض ملکوں میں اسے کسانوں کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے لیکن یکم مئی کو بنک ہالیڈے کے پیچھے اصل کہانی یہی ہے۔

اپنے نصب العین میں یہ سوسائٹی یسوعیوں سے مختلف نہیں ہے۔ ایڈم ویشاٹ کے منصوبے کا اصل ہدف تمام موجودہ حکومتوں اور مذاہب کا خاتمہ تھا۔ اس ہدف کے حصول کے لیے دنیا بھر کے لوگوں کو اقتصادی، نسلی، مذہبی، لسانی اور سیاسی امور میں متحارب گروہوں میں تقسیم کر کے انہیں اسلحہ فراہم کرنا، دشمنی بڑھانا اور اتحاد اور ہم آہنگی کا خاتمہ کرنا ہے۔ ویشاٹ کے منصوبہ کے چیدہ چیدہ نکات یہ تھے:

1- حکومتوں کے مختلف عہدیداروں اور زندگی کے اہم شعبوں میں بااثر مردوں پہ قابو پانے کے لیے انہیں مالی اور جنسی رشوت پیش کرنا (کیا یہ کسی مذہبی فرقہ کی تعلیمات ہوسکتی ہیں؟) جب ایک دفعہ بااثر اور بااختیار افراد دروغ گوئی اور دھوکہ دہی پہ تیار ہو جائیں اور الیومیناتی کی ترغیبات کے شکار ہو جائیں تو پھر انہیں سیاسی، معاشی اور جنسی بلیک میلنگ کی زنجیروں میں جکڑا جاتا تھا۔ ان کو دی جانے والی دھمکیوں میں معاشی تباہی، عوام میں ننگا کرنا، جسمانی نقصان پہنچانا یہاں تک کہ انہیں اور ان کے عزیزوں کو موت کے گھاٹ اُتارنا شامل تھا۔ ہمارے ہاں کے سیاست دان اور بعض مشہور شخصیات نہ چاہتے ہوئے بھی بعض ایسے کام کرتے ہیں جن کی کوئی عقلی توجیہ وہ عوام کے سامنے نہیں کر سکتے۔ اس کے پیچھے یہی بلیک میلنگ کا یہی شیطانی حربہ کارفرما ہوتا ہے۔

2- الیومیناتی کے ارکان جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں موجود تھے، انہیں ایسے طالب علم تیار کرنا تھے جو غیر معمولی ذہانت رکھتے ہوں اور ایسے متمول گھرانوں سے رکھتے ہوں جو بین الاقوامی رجحانات کے مالک ہوں۔ انہیں بین الاقوامیت کی خصوصی تربیت کے لیے نامزد کرنا تھا۔ اس طرح کی تربیت ''رہوڈز اسکالرشپ'' جیسے وظائف کے ذریعے

فراہم کی جاناتھی۔اس طرح کے دانشوروں کو پہلے راغب کیا جانا تھااور پھرانہیں قائل کرنا تھا کہ خصوصی ذہنی صلاحیت اور امتیازی جوہر رکھنے والے مردوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کمتر صلاحیتیں رکھنے والے افراد پر حکومت کریں۔اس کی ایک توجیہہ یہ ہے کہ عوام الناس نہیں جانتے کہ ان کے لیے جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر کیا بہتر ہے؟ اس طرح ہر ملک کے لیےایک حکمران طبقہ تیار کیا جاتا ہے۔

3- تمام بااثر افراد جنہیں الیومیناتی کے کنٹرول میں لانے کے لیے پھانسا گیا تھااور وہ طالب علم جنہیں خصوصی تعلیم اور تربیت دی گئی تھی، انہیں ایجنٹوں کی حیثیت سے استعمال کرتے ہوئے تمام حکومتوں میں ایکسپرٹس اور اسپیشلسٹس بنا کر داخل کرنا تھا کہ وہ متعلقہ حکومتوں کوایسی پالیسیاں اپنانے کا مشورہ دیں جوآگے چل کرالیومیناتی کی ''عالمی حکومت'' کی سازش اور منصوبے میں مددگار ہوں۔جن حکومتوں اور مذاہب میں ان کا تقرر کیا جائے ان کی تباہی و بربادی کو یقین بنائیں۔ ہمارے ہاں بیرونِ ملک سے جو ماہرین ومشیرین بھاری معاوضوں پر درآمد کیے جاتے ہیں،ان کی حقیقت اس پیرگراف کے مطالعے کے بعد قارئین پر مخفی نہیں رہنی چاہیے۔

4- انہیں پریس پہ مکمل کنٹرول حاصل کرنا تھا تا کہ تمام خبریں اور معلومات ایسے انداز میں پیش کی جائیں کہ لوگوں کو یقین آجائے کہ ایک عالمی حکومت ہی ان کے مختلف اور زیادہ تر مسائل کا حل ہے۔اسی نکتہ کے تحت دورِ جدید میں انہیں مختلف قومی ریڈیواورٹی وی چینلز پر کنٹرول حاصل کرنا ہے۔

(The History Of Iluminati, Myron Coureval Fagan)

مختلف مما لک میں اخبارات کے بڑے بڑے گروپ ''برادری'' کی ملکیت میں یا ان کی سخت نگرانی میں ہیں۔اخبارات،نیشنل ریڈیواورٹی وی چینلز یا سیٹلائٹ کے پیچھے وہی چہرے ہیں۔مثلاً: ''دی ٹائمنز'' کے بارے میں ساری دنیا سمجھتی ہے کہ ایک قابلِ اعتبار اخبار ہے۔اس کے ذرائع مستند اور موقر ہیں، درحقیقت یہ: ''نیوز انٹرنیشنل کی ملکیت ہے. جس کے

پاس بی سکائی بی کے 40 فیصد حصص بھی ہیں۔'' (''دی ٹائمز لنڈن'': 17 اکتوبر 1999ء)

نیوز انٹرنیشنل ایک بہت بڑا گروپ ہے جس کی ملکیت میں اور بہت سے اخبارات اور میگزینز ہیں۔ ہر ملک میں نیوز ایجنسیاں قومی سطح پر خبروں پر کنٹرول کرتی ہیں۔ یہ ایجنسیاں انٹرنیشنل نیوز ایجنسی کو جواب دہ اور اس کی نگرانی میں ہوتی ہیں اور انٹرنیشنل نیوز ایجنسی ''برادری'' ہی کی ایک شاخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کچھ موضوعات پر اتنا ابہام پایا جاتا ہے۔ سیکڑوں ادارے اور تنظیمیں اس دجالی نظام کے تحت کام کرتے ہوئے اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں جس میں ہم بے خبری کے ساتھ مکمل تاریکی میں دھکیلے جا رہے ہیں۔

2- کمیٹی آف 300:

یہ کمیٹی عالمی اشرافیہ، بلیک نوبیلٹی اور الیومیناتی کے ساتھ فری میسنری کی براہِ راست ماتحت ہے۔ کمیٹی آف 300 اپنے فرائض کلب آف روم، سکل اینڈ بونز اور دیگر خفیہ سوسائٹیوں کے ذریعے سرانجام دیتی ہے جو فری میسن کی ڈگری کے اعتبار سے چوٹی سے چوتھے نمبر پر ہیں۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے درجے والی سوسائٹیاں بھی چوتھے درجے والوں سے کام لے سکتی ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ نیٹ ورک ہے لیکن اس کے باوجود ہر تنظیم منفرد اور خفیہ ہے۔ مختلف سوسائٹیوں کے ارکان ایک ہی پروجیکٹ پر اپنے اپنے شعبہ کے ذریعے کام کرتے ہیں۔ اسے ''شعبہ جاتی تقسیم'' کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو صرف اتنا معلوم ہونا چاہیے جو آپ کے کام کے لیے ضروری ہے۔ ایک بڑے پروجیکٹ کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مختلف شعبوں کو تفویض کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً شعبوں کو علم نہیں ہوتا کہ وہ جس مشین کے پرزے تیار کر رہے ہیں وہ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟ اور انہیں اس میں کیسے نصب کیا جائے گا؟ یہی نظام یو ایس آرمی، ناسا اور تمام سائنسی پروجیکٹس کے علاوہ تمام سیکرٹ سوسائٹیوں اور انٹیلی جنس ایجنسیوں میں رائج ہے۔ ایک نظر اس کمیٹی کے ڈھانچے پر ڈالیے:
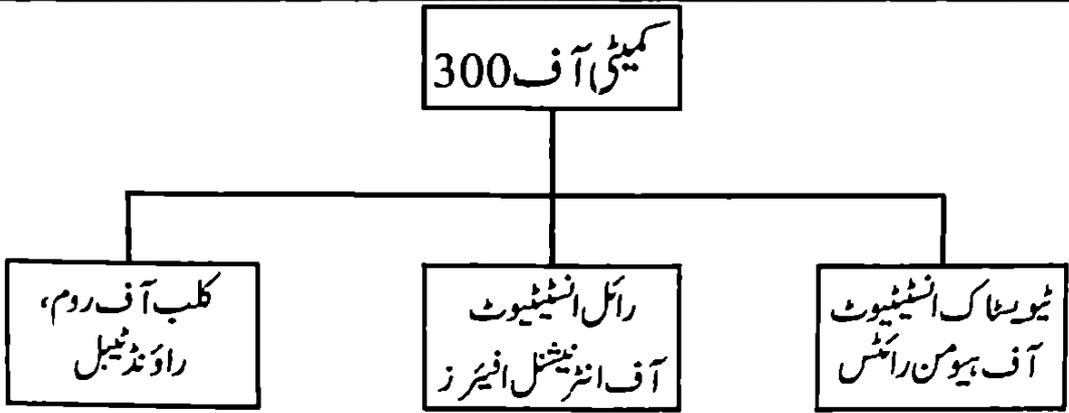
ان شاخوں کے ذریعے 300 کی کمیٹی براہِ راست 166 مختلف اداروں اور ذیلی تنظیموں پر اثر انداز ہوتی ہے یا یہ اس کی ملکیت میں ہیں جن میں ''عرب بیورو'' عرب ہایئر کمیٹی اور ایشین ریسرچ انسٹیٹیوٹ شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کمیٹی 150 برسوں سے موجود ہے اور 300 کی کونسل کی براہِ راست جانشین ہے جو برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے پالیسی سازی کا کام کرتی تھی اور جس نے چین میں افیون کی تجارت فعال کی۔ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی ختم ہو چکی ہے لیکن کونسل آف 300 کی اولادیں کمیٹی آف 300 کی رکنیت کے ذریعے برقرار ہیں۔ اس کمیٹی کی کم از کم 40 معلوم برانچیں موجود ہیں۔

ہنری الفریڈ کسنجر سابقہ ''مسٹر پریذیڈنٹ آف دی یونائیٹڈ اسٹیٹس'' (صدر امریکا پر اس کے غالب اثرات کی وجہ سے طنزاً اسے ''مسٹر پریذیڈنٹ'' کہا جاتا تھا)۔ وہ کلب آف روم، سی ایف آر (کونسل آن فارن ریلیشن) کا رکن ہونے کے علاوہ رائل انسٹیٹیوٹ فار انٹرنیشنل افیئرز (آر آئی آئی اے) کا بھی اہم رکن تھا۔ یہی ''مسٹر پریذیڈنٹ'' پاکستان کے سابق وزیر اعظم کو ایٹمی پروگرام ترک نہ کرنے پر خطرناک نتائج کی دھمکی دینے کا بھی ذمہ دار تھا۔

3- شرائنرز (Shriners):

فری میسنری کی توجہ ہمارے بچوں پر ہے۔ وہ انہیں ہر قسم کی شیطنیت میں مبتلا کرنے کے عزائم رکھتی ہے۔ انہیں جنسی لٹریچر، فحش فلموں، ہم جنس پرستی اور منشیات جیسی ہر اس چیز کی طرف لانے کے منصوبوں پر عملدرآمد ہو رہا ہے جو ابلیسیت کی نمائندہ اور اللہ کے فرمان کے

منافی ہے۔ وہ ایک ایسی نسل تیار کرنا چاہتے ہیں جو شر اور خیر میں کوئی تمیز نہ رکھے۔ اگر گناہ کا احساس نہ رہے تو پھر گناہ کا وجود ہی نہیں رہتا۔ ہم گناہ کو اس لیے جانتے ہیں کہ ہمیں اچھے اور بُرے کی تعلیم دی گئی ہے۔

دنیا کی ذہنی تطہیر بلکہ ذہنی تبدیلی ایک طویل مدت منصوبہ ہے۔ اس کا آغاز بچپن بلکہ شیر خواری کے زمانہ سے کرنا پڑتا ہے۔ بچوں کی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے آپ کو انہیں خوش کرنا ہوتا ہے۔ انہیں خوش کرنے کے لیے ان کی سطح کی تفریح مہیا کرنا ہوتی ہے۔ اس کے لیے انہیں جسمانی، ذہنی اور اخلاقی سطح پر متاثر کرنا ہوتا ہے۔ بچوں کے لیے ہسپتال، سرکس، میلوں اور گاتے بجاتے مسخروں کے علاوہ اور کیا چیز زیادہ مناسب ہو سکتی ہے؟ اسی طرز پر ''شرائنرز'' (Shriners) وضع کیے گئے۔

فری میسنری پست درجوں پر اتنی بدعنوان شاید نہ ہو۔ اصل اور بدعنوان فری میسنری اس وقت شروع ہوتی ہے جب کسی کو ''بلند'' کیا جاتا ہے اور اس کے کان میں ''لفظ'' کی سرگوشی کی جاتی ہے۔ یہ اسکاٹش رائٹ میں 32 ویں ڈگری پر بلند کرنا یا باضابطہ شامل کرنا ہے۔ یارک رائٹ میں یہ تیسری ڈگری پر کسی ''نائٹس ٹمپلر'' کو ترقی دینا ہے۔

''شرائنرز'' ایک ایسی تنظیم ہے جو صرف 32 ڈگری کے میسن یا تیسری ڈگری کے نائٹ ٹمپلرز کے لیے مخصوص ہے (یعنی گرینڈ ماسٹر یا ماسٹر میسن)۔ شرائن یادرگاہ دجال کے پیروکاروں کے لیے ایک صلہ یا انعام ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنی زندگیاں کرافٹ کے مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ اب وہ دجال کے لیے کام کرنے میں آزاد ہیں۔ فری میسنری ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ان کی تاریخ انہی کی ایک تحریر کی صورت میں پیش خدمت ہے:

''شرائن یادرگاہ بلکہ زیادہ مناسب طور پر صوفیانہ درگاہ کے بزرگوں کا قدیم عرب سلسلہ 1872ء میں ایک اداکار بلی فلورنس اور ایک فزیشن والٹر فلیمنگ نے نیویارک سٹی میں قائم کیا تھا۔ اس کے پیچھے کارفرما تصور کے مطابق: ''ایک ایسی تنظیم کی تخلیق کی جائے جو

فرحت وانبساط کا ذریعہ بنے۔'' چونکہ وہ دونوں 32 ویں ڈگری کے مینسنز تھے لہٰذا انہوں نے اسے اپنی تنظیم کی وسعت کے طور پر دیکھا۔ایک ایسی تنظیم جو فری میسنری کے عقائد اور اصولوں کی بنیاد پر ان امور کو آگے بڑھائے۔آج بھی یہی شرط موجود ہے کہ شرائنر بننے کے لیے پہلے ماسٹر میسن یا گرینڈ ماسٹر بننا ضروری ہے۔نئی تنظیم تشکیل دیتے ہوئے فلورنس اور فلیمنگ نے سوچا کہ اسے رنگا رنگ اور پُر جوش پہلو دیا جائے۔کہا جاتا ہے کہ فلیمنگ نے ماریلز فرانس میں ایک پارٹی میں شرکت کی جس کی میزبانی ایک عرب سفارتکار کر رہا تھا۔پارٹی کے اختتام پر مہمان ایک خفیہ سوسائٹی کے ارکان بن گئے۔فلورنس نے محسوس کیا کہ ایک نئی برادری تخلیق کرنے کے لیے یہ ایک مثالی رویہ ہے۔اس نے تقریب کی بہت سی تصاویر اور نوٹس تیار کیے۔جب فلورنس واپس امریکا آیا تو فلیمنگ نے اس موضوع پر اس کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔دونوں نے مل کر مفصل رسوم طے کیں۔لباس تجویز کیے۔علامتیں اور نشانات متعین کیے اور سلام و آداب مرتب کیے۔اگرچہ شرائن بذاتِ خود ایک خفیہ سوسائٹی نہیں لیکن اس میں ابتدائی پُراسراریت اور رازداری کافی حد تک اب بھی پائی جاتی ہے۔

رکنیت کی شرائط کے حوالے سے فلورنس اور فلیمنگ نے فیصلہ کیا کہ تمام ارکان اسکاٹش رائٹ کے 32 ویں ڈگری کے میسن (گرینڈ ماسٹر) ہوں یا یارک رائٹ کے نائٹس ٹمپلو (ماسٹر میسن) ہوں۔یہ گروپ فری میسنری کے مربوط اور ہم آہنگ اجزا ہوتے ہیں اور فری میسنری بذاتِ خود دنیا کی قدیم ترین اور وسیع تر برادری ہے۔اس کا تعلق سیکڑوں سال پیچھے اس زمانے سے ہے جب پتھروں سے عمارتیں بنانے والے (میسن) اور دیگر ہنرمند تعمیراتی پروجیکٹس کے دوران پناہ گاہوں یا لاجز میں اکٹھے ہوتے تھے۔

فری میسنری کا بنیادی یونٹ ''بلیو لاج'' ہے جہاں ارکان کو ابتدائی تین میسونک ڈگریاں ملتی ہیں۔یہاں ماسٹر میسن کے علاوہ کوئی اعلیٰ ڈگری نہیں ہوتی لیکن جو لوگ بلیو لاج میں تمثیلات اور علامتوں کے بارے میں سیکھنے کے بعد ان میں مزید تحقیق و تجسس کے خواہش مند ہوں تو ''اسکاٹش رائٹ'' یا ''یارک رائٹ'' فری میسنری کے بنیادی عقائد پہ

روشنی ڈال سکتے ہیں۔

''خیرات'' ابتدا ہی سے شرائن کا حصہ ہی ہے لیکن کچھ برسوں بعد شرائنرز نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا جو نسبتاً زیادہ اعلیٰ مقصد رکھتی ہو۔ 1920ء میں تنظیم نے ایک ایسی انسانی ہمدردی کی تحریک اپنانے کا فیصلہ کیا جس کے تحت طبی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ مثلاً: ضرورت مند بچوں کے لیے مفت آرتھوپیڈک میڈیکل کیئر اور فرسٹ شرائنز ہسپتال کا اہتمام کیا جائے۔ یہ ہسپتال 1922ء میں شریوپورٹ لاس اینجلس میں تعمیر کیا گیا۔ ان ہسپتالوں میں کسی بھی مریض، اس کے والدین یا تیسرے فریق سے کوئی خرچہ نہیں لیا جاتا۔ شرائن کی انسانی ہمدردی کی تحریک کے تحت 22 سینٹرز آف ایکسی لینس قائم ہیں جن میں تین شرائنرز برن انسٹیٹیوٹس شامل ہیں۔ شرائن تنظیم کا یہ مختصر سا خاکہ ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے آپ شرائنرز کوارٹر ویب سائٹ میں شرائن پیج دیکھ سکتے ہیں:

"www.al-azhar.ab.cashriner.html"

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک عرب سفارتکار کا ذکر کیوں کیا جس نے پارٹی کا اہتما کیا اور پھر اس کا نام اس اقتباس میں درج کرنا کیوں مناسب نہ سمجھا جبکہ تنظیم کے دونوں بانیوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا اس کا جواب ہے.....نفسیات!

اب کی بار اگر کوئی اعتراض کیا جاتا ہے تو بچوں کو اذیت دینے کا الزام مسلمانوں پر ڈالا جا سکے۔

☆......اس مقصد کے لیے لفظ درگاہ اور متولّی (Shriner) اس لیے منتخب کیے گئے کہ یہ مسلمانوں کی اصطلاحات ہیں۔

☆......اسی مقصد کے لیے ویب سائٹ کے لیے الازہر کا نام استعمال کیا گیا۔

☆......اسی مقصد کے لیے وہ فیض (ترکی ٹوپی) کا استعمال اپنی رسوم اور اجتماعات کے دوران کرتے ہیں۔

☆......اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے گمشدہ، لاوارث اور بیمار بچوں کے لیے

ایک کھلی ہیلپ لائن کا اہتمام کر رکھا ہے۔

☆......اور اسی مقصد کے لیے یعنی مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے فری میسنری کثرت کے ساتھ مسلمانوں کے نام اور ان کے متبرک مقامات کے نام بلکہ بعض اوقات لفظ مسجد بھی اپنے معبدوں کے لیے استعمال کرتی ہے۔ جیسے کہ:

''1966ء میں جیکسن اسٹریٹ کی مسجد آتشزدگی سے تباہ ہوگئی۔ چنانچہ ہم ہوٹل جے ہاک میں منتقل ہوگئے۔'' (اقتباس: Arab Shrine History)

آپ خود سے ایکسپلور کر لیں۔ آپ کو بہت سی باتیں ملیں گی۔ ویب سائٹ کھلتے ہی آپ کے لیے پیغام ہوگا کہ اگر آپ کسی ایسے بچے کو جانتے ہیں جسے شرائنرز ہاسپٹل کی مدد کی ضرورت ہے تو مہربانی کر کے ہمیں امریکا اور کینیڈا میں ان نمبروں پر اطلاع کریں۔

آخر میں پیغام ہوتا ہے: ''ازراہِ کرم ایک لمحہ کے لیے رکیے اور ہمیں بتائیے کہ آپ ہماری سائٹ کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ ویب سائٹ کب اپ ڈیٹ ہوئی تو اس کے لیے ہماری لسٹ جائن کیجیے۔ شکریہ''

اس تنظیم کا خصوصی ہدف بچے اور نوجوان نسل اور ان میں جنسی آزادی پھیلانا ہے تاکہ وہ شیطان کی عبادت پر اور شیطان کے سب سے بڑے ہرکارے ''دجّالِ اعظم'' کی عالمی ریاست کے استحکام کے لیے آسان آلہ کار ثابت ہوں۔

امریکا کے فری میسن صدر

مغرب اور مشرق کے مزاج، رسم و رواج اور زبانوں کی طرح ان کے محاوروں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کا ایک محاورہ ہے: ''سو مریں لیکن سو کا بڑا نہ مرے۔'' اس میں کارکنوں کو تلقین ہے کہ اپنے قائد کی حفاظت کریں۔ ایک قائد کو بچانے کے لیے سو کارکن جان دے دیں تو مہنگا سودا نہیں۔ مغرب اور بالخصوص یہود کے ہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ ان کا اُصول کچھ یوں ہے: ''سو کے سردار نہ بنو۔ سردار بنانے والے سو میں سے ایک بن جاؤ۔'' چنانچہ یہود کبھی کسی ملک میں...... امریکا ہو یا آسٹریا...... اقتدار کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے البتہ اقتدار کو ہاتھ میں لینے والے کو اپنے ہاتھ میں رکھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اس مشغلے کی ایک اور مثال اس وقت سامنے آئی جب نومنتخب امریکی صدر بارک اوباما نے انتخابات جیتتے ہی جو فیصلے کیے، ان میں یہود نوازی واضح طور پر جھلک رہی تھی۔ ان کے اردگرد یہود اور یہود نواز افراد کا گھیرا واضح طور پر نظر آیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے عملے کا چیف آف اسٹاف ایسے شخص کو مقرر کیا جو پیدائشی یہودی اور کٹر فری میسن ہے۔ دیگر قرائن کے علاوہ یہ امر بذاتِ خود نومنتخب صدر کے ''برادرز'' یا ''ماسٹرز'' میں سے ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ آیئے دیکھیں کیسے......؟

''ہمارا آدمی وائٹ ہاؤس میں پہنچ گیا ہے۔ اب اسرائیل کو کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ فلسطین کے دن گنے جا چکے۔ اُمید ہے اوباما ہمارے لیے کام کرتے رہیں گے۔'' یہ الفاظ اسرائیل کے ایک اخبار کے ہیں جو اس نے امریکا کے نومنتخب صدر بارک حسین اوباما کی جانب سے ایک یہودی ''راہم ایما نوئیل'' (rahm emanuel) کو ''چیف آف اسٹاف'' نامزد کرنے پر لکھے۔ آگے بڑھنے سے قبل ''راہم'' کا مختصر اتعارف لیتے ہیں تا کہ اس اہم اور

بنیادی عہدے پر ان کی تعیناتی کی اصل حقیقت معلوم ہو سکے۔

''راہم ایمانوئیل'' (Rahm Emanuel) شکاگو میں 29 نومبر 1959ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد ''بن یامین ایم ایمانوئیل'' (Benjamin M. Emanuel) کی پیدائش ''مقبوضہ بیت المقدس'' کی ہے۔ یہ پوری زندگی قوم پرست یہودیوں کی زیرِ زمین تنظیم کے اہم ترین رکن رہے ہیں۔ جب ان کا خاندان شکاگو میں رہتا تھا تو ''راہم ایمانوئیل'' نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے Bernard Zell Anshe Emet Day School کا رُخ کیا جہاں یہودیوں کے بچوں کو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہب کی خصوصی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ راہم نے 1981ء میں نیویارک کے ''سارا لارنس کالج'' سے گریجویشن کی۔ اسی گریجویشن کے دوران شکاگو کے ''ڈیوڈ رابنسن'' کی کانگریسی مہم میں بھی حصہ لیا جبکہ خطابت اور کمیونی کیشن میں ماسٹر ڈگری کے لیے ڈاؤن ٹاؤن شکاگو کی ''نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی'' گئے۔ ایک اہم بات یہ ہے 1991ء میں جنگِ خلیج کے دوران راہم اسرائیلی فوج میں خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ان کی اہلیہ ''ایمی رول'' (Amy Rule) شکاگو کی ماڈرن آرتھوڈوکس مذہب کو پھیلانے والی تنظیم Anshe Sholom B'nai Israel کی سرگرم کارکن ہیں۔ یہ پوری فیملی اس تنظیم کی ممبر ہے۔ راہم نے 1984ء میں امریکی سینٹ کے انتخابات کے اُمیدوار پال سائمن کے لیے انتخابی مہم میں حصہ لیا۔ 1988ء میں ڈیموکریٹک کانگریشنل کیمپین کمیٹی کے ڈائریکٹر رہے۔ 1989ء میں شکاگو کے میئر رچرڈ ایم ڈیلے (Richard M. Daley) کے سینئر ایڈوائزر اور چیف فنڈ ریزر بھی رہے۔ آرکنساس کے گورنر بل کلنٹن کی ابتدائی صدارتی مہم کے مالیاتی ڈائریکٹر بھی رہے۔ اس مہم کے بعد ایمانوئیل وہائٹ ہاؤس میں 1993ء سے 1998ء تک کلنٹن کے سینئر مشیر منتخب ہوئے۔ ابتدا میں صرف سیاسی مسائل جبکہ بعد میں صدر کی پالیسی اور اسٹریٹیجی کے سینئر ایڈوائزر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ کلنٹن کے دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد ایمانوئیل انویسٹمنٹ بینکنگ کی طرف آئے جہاں انہوں نے صرف 3 سال میں 8

ملین ڈالر کمائے۔ 2008ء کے امریکی صدارتی انتخابات میں راہم ایمانوئیل نے اپنے مخالف ٹام ہنسن (Tom Hanson) کو 22 کے مقابلے میں 74 فیصد ووٹ حاصل کر کے شکست سے دوچار کیا اور اب 6 نومبر 2008ء کو وہائٹ ہاؤس کی امریکی تاریخ کے تیسرے ''یہودی چیف آف اسٹاف'' مقرر ہوئے جہاں وہ خدمات انجام دیں گے لیکن کس کے لیے!؟ اس کے لیے یہودی اخبار کی مذکورہ پیش گوئیاں کافی ہیں۔ اب یقیناً وائٹ ہاؤس کا پورا عملہ یہودی چیف کے ماتحت کام کرے گا۔ ایسا کوئی بل منظور نہیں ہو سکے گا جو اسرائیل اور صہیونیوں کے خلاف ہو۔ یہودی و اسرائیل اپنے تمام ناجائز مطالبات ڈنکے کی چوٹ پر منواتے رہیں گے۔

اب قبل اس کے کہ ہم امریکا پر آج تک حکمرانی کرنے والے فری میسن صدور کا نام بہ نام تذکرہ کریں، اس خوش فہمی کا ازالہ کر لینا چاہیے جو امریکا کے ستائے ہوئے دلوں میں تاریخ میں پہلی مرتبہ سیاہ فام امریکی صدر کے انتخاب سے پیدا ہو رہی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امریکا میں حکمران پارٹی بھی تبدیل ہوئی ہے اور حکمران کی رنگت بھی، اس لیے حالات کی تبدیلی کی توقع کچھ ایسی بے جا نہیں ہے۔ ایسا سمجھنے والے یہود کی نفسیات اور طریق کار سے قریبی واقفیت نہیں رکھتے۔ یہود کا طریقہ ہے کہ وہ دونوں طرف ہاتھ رکھتے ہیں اور مہرہ بدلتے انہیں دیر نہیں لگتی۔ ماضی میں سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت میں تقریباً ستر سال تک جنگ رہی۔ لاکھوں انسانوں کا خون بہا۔ بے شمار ملک دنیا کے نقشے پر بنے اور مٹے۔ پوری دنیا دو بلاکوں میں تقسیم رہی اور...... دونوں طرف یہودی تھے۔ جو پوری انسانیت کو اپنے مخصوص مقاصد کے لیے لڑواتے اور تباہ کرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کو کمیونسٹ بنا کر ان سے خدا کا انکار کروانے سے بھی نہ شرمائے۔ آج بھی ری پبلکن ہوں یا ڈیموکریٹ، آگے رکھے جانے والے کی رنگت گوری ہو یا کالی، فوجی ہو یا سول، مشرف ہو یا زرداری، دائیں بازو سے تعلق رکھے یا بائیں سے، دونوں شکنجہ یہود میں پوری طرح، پوری خوشی اور اطمینان سے، سو فیصد اطاعت کا حلف اُٹھانے کے بعد ہی جکڑے گئے ہیں۔

قارئین! آپ کی دلچسپی کے لیے یہاں امریکا کے ان صدور کے نام دیے جا رہے ہیں جن کے بارے میں قوم یہود کی طرف سے اعتراف اور اعلان کیا جاچکا ہے کہ وہ فری میسنری تھے۔ ان میں وہ صدر شامل نہیں جن کے ناموں کا اعلان نہیں کیا گیا یا جن کے بارے میں فری میسنری سمجھتی ہے کہ ان کو بے نقاب کرنا موزوں نہیں ہے۔

1-جارج واشنگٹن (1732ء......1799ء)

پہلا صدر (1789ء تا 1796ء)۔ باضابطہ رسمِ شمولیت 4 نومبر 1752ء کو فریڈرک برگ ورجینیا کی لاج میں منعقد ہوئی۔

2-جیمز منرو (1758ء......1831ء)

پانچواں صدر (1817ء تا 1825ء)۔ 18 سال کی عمر میں باضابطہ رکنیت کی رسم ولیمز برگ لاج نمبر 6 ولیمز برگ ورجینیا میں منعقد ہوئی۔

3-اینڈریو جیکسن (1767ء......1845ء)

ساتواں صدر (1829ء تا 1837ء)۔ رسم رکنیت ٹینیسی ناش ویل کی لاج نمبر 1 میں ادا ہوئی۔ اکتوبر 1822ء سے لے کر اکتوبر 1824ء میں ٹینیسی کے گرینڈ لاج میں گرینڈ ماسٹر رہا۔ فری میسنری کی ایک اور ذیلی تنظیم رائل آرک کا بھی ممبر رہا۔

4-جیمز ناکس پولک (1795ء......1849ء)

گیارہواں صدر (1845ء تا 1849ء)۔ کولمبیا کی لاج نمبر 21 میں 1820ء میں باضابطہ شمولیت عمل میں آئی۔ دوسری ذیلی تنظیموں "مارک" اور رائل آرک کا بھی رُکن تھا۔

5-جیمز بکے نین (1791ء......1868ء)

پندرھواں صدر (1857ء تا 1861ء)۔ لنکاسٹر پنسلوینیا کی لاج نمبر 43 میں 11 ستمبر 1816ء کو رکنیت حاصل کی۔ 1825ء میں ورشپ فل ماسٹر بنایا گیا۔ یہ گرینڈ لاج آف پنسلوینیا کی گرینڈ لاج کا ڈپٹی گرینڈ ماسٹر بھی تھا۔

6-اینڈریو جانسن (1808ء......1875ء)

سترہواں صدر (1865ء تا 1869ء)۔ لنکن کا جانشین تھا۔ گرین ویل ٹینیسی کی لاج نمبر 19 میں باضابطہ شمولیت 1851ء میں ہوئی۔ وہ ایک ''نائٹ ٹمپلر'' بھی تھا۔ اسے اسکاٹش سسٹم کے مطابق جون 1867ء میں 32 ڈگری میسن بنایا گیا۔

7-جیمز ابراہم گارفیلڈ (1831ء...... 1881ء)

بیسواں صدر (1881ء)۔ 19/ نومبر 1864ء کو کولمبس لاج نمبر 246 گیرٹس ویل اوہیو میں میسن بنایا گیا۔ اسکاٹش رائٹ یا اسکاٹ لینڈ کے نظام مراتب کے لحاظ سے نائٹ ٹمپلر بھی تھا۔

8-ولیم مک کنڈے (1843ء...... 1901ء)

پچیسواں صدر (1897ء تا 1901ء) ونچسٹر ورجینیا کی حیرم لاج نمبر 21 میں یکم مئی 1865ء کو رسمِ رکنیت عمل میں آئی۔ نائٹ ٹمپلر ہونے کے علاوہ مارک اور رائل آرک تنظیموں کا بھی رکن تھا۔

9-تھیوڈور روزویلٹ (1858ء...... 1919ء)

چھبیسواں صدر (1901ء تا 1909ء) میٹنی کاک لاج نمبر 806، اویسٹر بے، نیویارک اسٹیٹ میں 2 جنوری 1901ء کو رکنیت دی گئی۔

10-ولیم ایچ ٹافٹ (1857ء...... 1930ء)

ستائیسواں صدر (1909ء تا 1913ء)۔ اسے 18/ جون 1909ء کو پہلی نظر میں یعنی ''ایٹ سائٹ'' میسن بنایا گیا۔ 1921ء میں اسے سپریم کورٹ آف جسٹس کا پریزیڈنٹ بھی بنایا گیا۔

11-وارن جی ہارڈنگ (1865ء...... 1923ء)

انتیسواں صدر (1921ء تا 1923ء)۔ باضابطہ رکنیت 18 جون 1920ء کو دی گئی۔ 33 ڈگری نائٹ ٹمپلر کے علاوہ مارک اور رائل آرک کا بھی رکن تھا۔

12-فرینکلن ڈیلانو روزویلٹ (1882ء...... 1945ء)

بتیسواں صدر (1933ء تا 1945ء)۔ باضابطہ شمولیت ہالینڈ لاج نمبر 8، نیویارک سٹی میں 11/ اکتوبر 1911ء کو ہوئی۔ جب اس کے تین بیٹوں کو فری میسنری میں Raise کیا گیا یعنی گرینڈ ماسٹر بنایا گیا تو وہ بھی موجود تھا۔ ان میں سے ایلیٹ کو 17 فروری 1933ء کو جبکہ جیمز اور فرینکلن ڈیلانو جونیئر کو نومبر 1935ء میں ترقی دی گئی (فری میسنری کی اصل اصطلاح Raise ہے جس کے مخصوص معنی اُٹھانے یا بلند کرنے کے ہیں) ان سب کو آرکیٹکٹ لاج نمبر 519 نیویارک سٹی میں ریز Raise کیا گیا۔ فرینکلن ڈیلانو روز ویلٹ اسکاٹش رائٹ کا بھی ممبر تھا۔

13- ہیری ایس ٹرومین (1884ء......1972ء)

تینتیسواں صدر (1945ء تا 1953ء)۔ بیلٹن لاج نمبر 450 بالٹن، میسوری میں نو فروری 1909ء کو باضابطہ رکنیت کی رسم ادا کی۔ گرینڈ لاج آف میسوری کا 33 ڈگری کا گرینڈ ماسٹر اور اسکاٹش نظامِ مدارج کا نائٹ ٹمپلر تھا۔

14- لنڈن بی جانسن (1908ء......1973ء)

چھتیسواں صدر (1963ء تا 1969ء)۔ جانسن سٹی لاج نمبر 561 ٹیکساس میں 30/ اکتوبر 1937ء کو باضابطہ رکنیت حاصل کی۔

15- جیرالڈ آر فورڈ (پیدائش 1913ء)

اڑتیسواں صدر (1974ء تا 1977ء)۔ مالٹا لاج گرینڈ ریپڈز مشی گن میں 30/ ستمبر 1949ء کو رسمِ رکنیت منعقد ہوئی۔

16- رونالڈ ریگن (1911ء......2004ء)

چالیسواں صدر (1981ء تا 1989ء)۔ فری میسن نے اس کا ذکر فینس فری میسنز گیلری میں نہیں کیا۔ لیکن آنجہانی اسٹیفن نائٹ کا دعویٰ تھا کہ ریگن فری میسن ہے۔ اس نے مزید دعویٰ کیا کہ وہ سترہ نائب صدور بشمول ہوبرٹ ہمفرے اور ایڈ لے اسٹیفنسن بھی برادری بھی شامل تھے۔

ایک مرتبہ پھر یاد دلا دیں کہ یہ وہ صدور ہیں جن کا ذکر کرنا فری میسنری نے محفوظ سمجھا۔ آج بھی سابقہ صدر بل کلنٹن کے بارے میں برادری نے باضابطہ اعلان نہیں کیا لیکن وہ 33 ڈگری فری میسن ہونے کے علاوہ سنگل اینڈ بون سوسائٹی کا بھی رکن ہے۔

آج تک تین ہی حکمران ایسے گزرے ہیں جنہوں نے یہودیت کا آلہ کار بننے سے انکار کیا۔ موت کو گلے لگایا لیکن سر نہیں جھکایا۔ دو غیر مسلم تھے اور ایک مسلم۔ دو قتل کر دیے گئے یعنی ایڈولف ہٹلر اور جان ایف کینیڈی اور ایک نے شہادت کا رتبہ پایا ہے۔ دنیا اسے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے نام سے جانتی ہے۔ وہ ''پاکستانی برادرز'' کے متعلق بہت کچھ جانتے تھے۔ انہوں نے ان کے دفاتر پر چھاپے مارے تھے۔ ان کی ریکروٹنگ ایجنسیاں بند کی تھیں۔ اسے شہید کر دیا گیا۔ ضیاء کیس کی تحقیقات امریکا کے اعلیٰ عہدیداران کی موت کے باوجود سی آئی اے نے ٹھیک طرح نہ کی۔ یہ وہی امریکا ہے جو اپنے ادنیٰ اہلکاروں کے دشمنوں کا پیچھا دنیا کے ہر کونے میں کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے دیے تھے۔ حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام۔ قرآن کریم میں ان دونوں کی الگ الگ خصوصیات بیان کی گئی ہیں جو ان کی آل اولاد میں بھی واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔ حضرت اسحاق کے تذکرے میں اللہ پاک فرماتے ہیں: ''ہم نے اسے (حضرت ابراہیم کو) ایک علیم (ذہین وذکی) فرزند کی خوشخبری دی۔'' جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اسی طرح کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو ایک بردبار اور متحمل مزاج (حلیم) بیٹے کی بشارت دی۔ علم اور حلم دو اعلیٰ صفات ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی نسل میں ممتاز طور پر پائی جاتی ہیں۔ ملت یہود ونصاریٰ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہے اور نہایت ذہین وفطین ہے۔ اگلے سو سالوں کے منصوبے بنا کر چلتی ہے لیکن مسئلہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے بعد ابدی ذلت وخواری کے سبب تمام تر کوشش کے باوجود اس کے یہ منصوبے ناکام ہیں۔ جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عفو ودرگزر والی اور بردبار و متحمل مزاج

ہے۔ یہود اور نصاریٰ نے بار بار انہیں ستایا۔ روز اول سے آج تک ان پر جنگیں مسلط کیں لیکن ہر مرتبہ معاف کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ بہر حال قرآن کریم کا یہ عجیب وغریب تبصرہ ابدی اور دائمی ہے اور امریکا کی دریافت کے بعد سے آج تک یہود کی شاندار منصوبہ بندی اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ ساتھ ہی یہ چیز بھی قرآنی معجزہ ہے کہ حیران کن منصوبہ بندی کے باوجود غیر معمولی ناکامیاں اور رسوائیاں یہود کا مقدر ہیں۔ اسرائیلی صدر نے کہا ہے: ''وہائٹ ہاؤس میں ہمارا آدمی پہنچ گیا ہے جس پر ہمیں اطمینان ہے۔'' لیکن اگر وہ جارج واشنگٹن سے بارک اوباما تک کی تاریخ بغور پڑھ لیتے جس میں یہود کی ذلت کے علاوہ کچھ نہیں تو ایسا نہ کہتے۔ شاید وہ عزت اور ذلت کا مفہوم نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ ''ہمارا آدمی'' کا مطلب نہیں سمجھتے۔ اس سے عمانویل نہیں، بارک اوباما مراد ہے، یا پھر عمانویل کم اور بارک اوباما زیادہ مراد ہے۔ امریکا میں جب کوئی کنجوس گاہک کسی بیرے کو اچھی ٹپ نہ دے تو وہ اپنے ساتھی بیرے سے کہتا ہے کہ کم بخت یہودی تھا۔ دس ہزار ڈالر کا ہیرا ٹائی کی پن میں لگا کر دس ڈالر کی ٹپ نہیں دے سکا۔ اسی طرح ''یُو بلیڈی جُو'' کی گالی بھی عام ہے۔ اگر عزت کا وہی مفہوم ہے جو اسرائیلی صدر لے رہے ہیں تو پھر کوئی بتائے کہ ذلت کیا ہے؟ دنیا کو ان دونوں چیزوں کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے جیسا کہ دنیا کو مستقبل میں مشرف کے بعد زرداری اور بش کے بعد اوباما کی یکسانیت کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے۔

فری میسن کے مذہبی ایجنٹ

بس پر چڑھتے ہی نظر اسٹیکر پر پڑی تو جم کر رہ گئی۔

کنڈیکٹر آواز دے رہا تھا کہ مولانا صاحب آگے بڑھیے، راستہ چھوڑیے...... مگر ہم راستہ چھوڑتے چھوڑتے بھی اسٹیکر پر نظر جمائے ہوئے تھے۔

اگر آپ اس کالم کے مستقل قاری ہیں تو آپ کی نظر بھی تھوڑی دیر کے لیے اس اسٹیکر پر جم کر رہ جائے گی اور آپ کے ذہن میں مختلف کالموں میں کیے گئے تبصرے اور اطلاعات (بندہ جان بوجھ کر پیش گوئیوں کے بجائے اطلاعات کا لفظ استعمال کر رہا ہے) گردش کرنے لگیں گی۔ بس سے اُترتے وقت یہ اسٹیکر اُتار کر حاصل کر لیا گیا۔ آپ اسے ملاحظہ فرمایئے اور ساتھ میں ان چند باتوں کو دہرایئے جو مستقبل میں متوقع خطرات کی تصدیق کرتی ہیں:

(1) بندہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے لکھا تھا کہ ان کی ملاقات ایک سیمینار میں ایک یہودی پروفیسر سے ہوئی جس نے انہیں بتایا کہ اب ہم مسلمانوں کے عقائد کی تخریب کے لیے صوفی ازم کا عنوان استعمال کریں گے۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد پاکستان میں سرکاری طور پر صوفی ازم کا تجربہ ایڈیشن وجود میں آ گیا جس نے قوالی، موسیقی اور مخلوط محافل وغیرہ کے ذریعے لوگوں میں اسلام کی رہی سہی تمیز ختم کرنے اور دین کی رسی کا آخری سرا بھی ان سے چھڑوانے کی اپنی سی کوشش شروع کی۔ یہ منصوبہ جناب مشاہد حسین صاحب کی قیادت میں پوری سرکاری سرپرستی میں اور چوہدری شجاعت حسین کے کالے چشمے کے مکمل زیرِ سایہ پروان چڑھایا جا رہا تھا کہ اللہ کا امر نازل ہو گیا اور اب معلوم نہیں کہ آگے کیا ہو گا؟

(2) فری میسن کے مذہبی ایجنٹوں کی تین علامات لکھتے وقت بندہ نے عرض کیا تھا
(1) یہ لوگ قرآن پر اس لیے زور دیتے ہیں کہ حدیث شریف کا انکار کیا جا سکے جیسے
غلام احمد پرویز اور اس کے پیروکار۔ (2) یہ لوگ قرآن و حدیث دونوں پر اس لیے زور دیتے
ہیں کہ فقہ کا انکار کر کے اپنا جدید اجتہاد لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ جیسے بابر چوہدری،
محمد وغیرہ۔ (3) یا پھر یہ حضرات رواداری اور ٹالریشن پر اس لیے زور دیتے ہیں کہ جہاد
انکار کیا جا سکے جیسے خورشید ندیم وغیرہ۔ (یہ مضمون پہلے آچکا ہے۔ ذرا تفصیل سے عنقریب
ان شاء اللہ دوبارہ آئے گا)

(3) یہودیت پر سلسلہ وار مضامین میں ''مسلمانوں میں مصروف کار یہودی تنظیمیں'
کے عنوان سے بندہ نے دس منتخب تنظیموں کا حوالہ دیتے ہوئے نمبر 9 پر لکھا تھا: ''مسلم
معاشروں میں انیسویں اور بیسویں صدی میں اُبھرنے والی تمام باطنی تحریکیں، تنظیمیں اور
حلقے'' اس کے بعد بندہ کی چونکہ عادت ہے کہ کسی چیز کے محض نظری بیان پر اکتفا کے بجائے
اس کی عصری تطبیق اور تازہ ترین مثال پر زور دیتا ہے اس لیے اس نمبر کے تحت کہا تھا: ''اس
کی تازہ ترین مثال 'فتنہ گوہر شاہی' ہے۔'' (دیکھیے مذکورہ بالا کتاب، ص: 23) پھر ''ایک خبر
ایک سبق'' نامی کالم میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا تھا کہ گوہر شاہی کے انتقال کی خبر دنیا
بھر میں چلی لیکن کسی نے بعد از مرگ اس کا چہرہ دیکھا نہ اس کی تصویر جاری ہوئی۔ انتہائی
پراسرار طریقے سے اسے کوٹری کے قریب ''دفن'' کر دیا گیا۔ ''بر مزار ماغریباں نے چراغے
نے گلے۔'' اس پر بندہ نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ اس کے پیروکار اس کی غیبوبت اور ظہور ثانی کا
ڈرامہ تو نہیں رچا رہے۔ جس پنجابی دیہاتی شخص (عرفِ عام میں اس کو پینڈو کہتے ہیں)
کی تصویر چاند و سورج میں دیکھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس کے آخری دیدار کی تصویر کیوں
نہیں جاری کی گئی؟ جس کھڑی ناک اور جھکے کالروں والے نیم خواندہ، نیم پسماندہ پٹواری
نما طفیلی کو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ مالک الملک، مہدی منتظر، مسیح موعود، کالکی اوتار اور پتا نہیں کیا
کیا کچھ کہا جاتا ہے (یقین نہ آئے تو فری میسن کے اس تازہ ترین کاشتہ جعلی پیر کی ویب

سائٹ دیکھ لیجیے۔ قادیانیت کے بعد خطرناک ترین فتنے کی آبیاری پر آپ کو خود ہی یقین آجائے گا) یہ سارے القاب اس کی زندگی میں نہ تھے، مرنے کے بعد ان میں اضافہ ہوا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کا فرقہ تو منظر عام سے ہٹ گیا ہے لیکن فرقے کے سرغنے کے روحانی القاب اور باطنی مناصب میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ کیا طلسم ہوشربا ہے؟ اس وقت کا ظاہر کیا گیا خدشہ آج اس اسٹیکر کی شکل میں درست ثابت ہو رہا ہے۔ حقیقت کا علم اللہ کو ہے لیکن قرائن سے آنکھیں بند کر لینا تو کوئی عقل مندی نہیں۔ واقعہ کیا اور کیونکر ہوگا اس کی خبر عالم الغیب کے علاوہ کسے ہو سکتی ہے؟ لیکن قبل از وقت ممکنہ آگاہی اگر پیش گوئی کے بجائے اطلاعاتی اظہار کی شکل میں ہو تو اس سے فائدہ نہیں تو نقصان بھی تو کوئی نہیں۔ تو اے اہلِ پاکستان! زمانہ بڑا عجیب ہے۔ دشمن بڑا چالباز ہے۔ ایمان کے خلاف برپا فتنے نہایت قیامت خیز ہیں۔ وقت کا ایک ہی تقاضا ہے: توبہ اور تلافی۔ توبہ کردنیوں کی اور اور تلافی ناکردنیوں کی۔ اور ساتھ میں اس پر بھی نظر کہ حسترو ے مردے جب زندہ ہو کر پہلے سے زیادہ فتنہ خیز مہم چلائیں گے اور ان کا ''ظہور ثانی'' ''ظہور اوّل'' سے زیادہ ایمان سوز ہوگا تو میری قوم کے رہنما جو حقیقی صوفیت کے خاتمے اور جعلی صوفی ازم کی ترویج کا آرڈر وصول کیے بیٹھے ہیں، کیا کریں گے؟

گوہر شاہی اس قابل تو ہرگز نہ تھا (اور نہ ہے) کہ قرآن و حدیث کے حوالے سے کچھ کہہ سکے۔ وہ ایک پینڈو قسم کا شخص ہے جو ٹھیٹھ دیہاتی پنجابی لہجے میں اُردو بولتا اور قرآن خوانیاں کر کے دھندا چلانے والے سائیکل سوار ٹیوشنیوں جیسا رومال سر پر ڈال کر پاؤں لٹکا کر چلتا ہے۔ نجانے پاکستانی گرینڈ ماسٹرز نے اسے کہاں سے ڈھونڈ کر تراش خراش کے عمل سے گزارا ہے۔ اس سے پہلے دو کام تو ہو نہ سکتے تھے۔ اس نے تیسرا کام کیا۔ اس کی ویب سائٹ پر آپ کو ہندوؤں سے پیار، یہودیوں سے محبت اور عیسائیوں سے خلوص واحترام ملے گا۔ دنیا کے ہر مذہب کے ہر فرد کے لیے اس کا آستانہ ہر لمحے کھلا ہے۔ اگر کسی کی مخالفت ہے تو صرف دو افراد کی...... ایک امیر المومنین ملا عمر اور دوسرے شیخ اسامہ بن

لادن۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی مخالفت میں لکھی گئی دو سطروں کے لیے یہ پوری ویب سائٹ کھولی گئی تھی اور انہی دو سطروں پر اس ویب سائٹ کے خرچ کا بل بمع گریبی منظور ہوا ہوگا۔

سوال یہ نہیں ہے کہ اگر چاند، سورج، حجراسود وغیرہ میں موہوم خیالی تصویر نظر آنا اس کے برحق ہونے کی علامت ہے تو سید البشر، افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ معجزہ کیوں ظاہر نہ ہوا؟ اس طرح کی علامتیں پاکستانی مجاوروں کے لیے کیوں باقی رہ گئیں؟

سوال یہ بھی نہیں کہ اگر اس طرح کی فرضی اور وہمی تصویروں کو حق و باطل کا معیار بنالیا گیا تو انسانی قوت متخیلہ کے ایسے شاہکار تو زقوم کے پتوں اور استنجے کی وٹوانیوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اگر کسی کو آنجناب قبلہ ریاض گوہر شاہی کی شکل وہاں نظر آنا شروع ہو جائے تو کیا ہوگا؟ یا اگر کوئی اور فرقہ اس طرح کے دعوے شروع کردے تو اس کا کیا ہوگا؟

سوال یہ بھی نہیں کہ ایک شخص کا ماضی کسی کو معلوم ہی نہیں ہے؟ اس نے کیا پڑھا؟ کس سے اصلاح وارشاد کا تعلق رہا؟ کسی کو بھی نہیں پتا! اس کے مریدین کی فہرست دنیا بھر میں دیکھیے تو جدید تعلیم یافتہ ماڈرن خواتین ہیں، پاہیاں ہواں قسم کے پینٹ گسے ہوئے لمبے بالوں والے نوجوان، وہ اچانک پاکستان جیسے علماو مشائخ سے بھرے ملک میں نمودار ہوتا ہے اور تمام روحانی مناصب کو پیچھے چھوڑتا ہوا چاند سورج میں شبیہیں بنوالیتا ہے۔ اتحاد بین المذاہب اور انکار جہاد جیسے یہودی ایجنڈے کے علاوہ اس کا کوئی مشن ہی نہیں ہے۔ اس کے پاس بے تحاشا سرمایہ ہے جو بے دریغ لٹایا جارہا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے مریدین اس کی غیبوبیت کے بعد دوبارہ آنے کی راہ ہموار کر رہے ہیں، آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟

فری میسن کے سات مخصوص ہتھکنڈے

یہودیوں کی عالمی تحریک جسے ہم نے فری میسن کے نام سے موسوم کیا ہے، کے طریق کار کے بارے میں گفتگو کرنا آسان نہیں۔ ان کے یہاں بیسیوں ایسے طریقے رائج ہیں جنہیں وہ حالات، مقامات اور مواقع کی مناسبت سے اختیار کرتے ہیں۔ ان سب طریقوں کا مختصر تعارف بھی آسان نہیں تاہم چند بنیادی ہتھکنڈے یہاں ذکر کیے جاتے ہیں، لیکن ہم ان کی مثالیں بوجوہ نہیں لکھیں گے۔ اگر قارئین ادنیٰ شعور وتدبر کا مظاہرہ کریں تو وہ اپنے آس پاس روزمرہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات پر خود سے ان طریقوں کی تطبیق کر سکتے ہیں۔ وہ طریقے یہ ہیں:

(1) بااثر حلقوں میں رسوخ حاصل کرنا:

فری میسن کی پہلی کوشش اس بات کی ہوتی ہے اور یہ ان کی بنیادی تکنیک ہے کہ بااثر حلقوں میں رسوخ حاصل کیا جائے۔ حکمران طبقہ وزراء، اعلیٰ فوجی افسران، بیوروکریٹ، بڑے تاجر اور صحافی ان کے اوّلین ہدف ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جابجا پھیلے ہوئے روٹری کلب (Rotary Club) سیاست دانوں اور سول و آرمڈ بیوروکریسی کو پھنسانے کے خوبصورت جال ہیں۔ اس طرح کی تنظیموں کی جڑ میں یہود کی حرام کمائی (یہود کا اکثر پیسہ سود، جوا، شراب اور فحش رسالوں وفلموں کی فروخت سے آتا ہے) سرایت کر چکی ہوتی ہے۔ اگر یہ اپنے آقاوں کا ایجنڈا پورا نہ کریں تو یہ پیسے بند ہو جاتے ہیں اور یہ تنظیمیں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں۔ اس لیے ان سے وابستہ لوگ یہودی سرمایہ داروں سے فنڈ حاصل کرنے کے لیے چابی سے چلنے والے بھالو کی طرح ہمہ وقت یہود کی جانب سے سپرد کی گئی خدمت کے لیے مستعد رہتے ہیں۔ ان کے جال میں ایک مرتبہ پھنسنے کے بعد نکلنے کی

جتنی کوشش کی جائے، یہ جال اپنے شکار کی کھال میں اتنا ہی اندر گھستے چلے جاتے ہیں۔

(2) مذہبی طبقات میں رسوخ حاصل کرنا:

حکمران طبقے کے بعد یہودیوں کی دوسری کوشش دینی اور مذہبی طبقے میں رسوخ حاصل کرنے کی ہوتی ہے، لہٰذا اس اعتبار سے بڑے علماء اور مشائخ کے خانوادوں تک رسائی ان کی ترجیحات میں شامل ہوتی ہے۔ وہ ان کے حلقے میں دھیرے دھیرے ایسا مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے وہ ان کے فیصلوں پر اثر انداز ہوسکیں۔

(3) معاشرے کے اہم طبقات کو ایک دوسرے سے دور کرنا:

ان کی تیسری کوشش ریاست کے تین اہم طبقات یعنی مسلم حکمران، علماء و مشائخ اور عامۃ المسلمین کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی ہوتی ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر اسی وقت آفت آئی ہے جب حکمرانوں، علماء، مشائخ اور عامۃ المسلمین کے درمیان ربط کمزور پڑ گیا۔ آپس میں یکجان ہونے کے بجائے وہ ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوگئے۔ حالات کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ ان تینوں طبقات یعنی حکمران، علماء اور عوام کے مابین ہمہ وقت مضبوط اور شفاف ربط قائم رکھا جائے۔

(4) عوام میں افراتفری پھیلانا:

یہودیوں کی چوتھی کوشش مسلم عوام میں افراتفری پھیلانے کی رہتی ہے۔ وہ اس سلسلے میں ہر طرح کی لاقانونیت اور طوائف الملوکی کو ہوا دیتے ہیں۔ اس سے ان کو پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عوام چند دنوں کے بعد اپنے رہنماؤں اور لیڈروں سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ملک میں واقع ہونے والی باتوں سے رفتہ رفتہ عوام لاتعلق رہنا پسند کرنے لگتے ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نازک سے نازک گھڑی میں بھی تینوں طبقات یعنی حکمراں، مشائخ و علماء اور مسلم عوام میں یہ داعیہ نہیں پیدا ہوتا کہ وہ باہم مربوط ہوکر کسی بحران کا مقابلہ کریں یا کسی موقع کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

(5) مذہبی رہنماؤں میں پھوٹ ڈلوانا:

یہودیوں کی پانچویں کوشش یہ ہوتی ہے کہ علماء کو آپس میں یا علماء اور مشائخ کو ایک دوسرے سے یا اپنی سیاسی قیادت کو جہادی وتحریکی قیادت سے اُلجھا جائے، اس کے لیے وہ موقع کی مناسبت سے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک خطرناک سازش یہ کرتے ہیں کہ جہاں ایک طرف وہ علماء کو خفیہ طریقے سے آپس میں لڑادیتے ہیں کہ کسی کو محسوس نہ ہو کہ وہ فی الواقع کسی کے آلہ کار کی طرح لڑ رہے ہیں، وہاں دوسری طرف اس لڑائی کو عامۃ المسلمین تک پہنچا کر پورے معاشرے میں لڑائی کی آگ بڑھکا دیتے ہیں۔ انیسویں صدی کی ہندوستان کی تاریخ اس پر شاہدِ عدل ہے کہ بہت سے مذہبی تنازعات کے پیچھے ایک تیسری قوت کارفرما تھی۔

(6) مخالفین کو شہید کرنا (Target Killing):

ان کا ایک اور خطرناک طریقہ ہے جسے ''براہِ راست اقدام کا طریقہ'' کہتے ہیں۔ اس کی یہ تین صورتیں ہوتی ہیں:

i- ایسے حکمرانوں اور امرا کا خاتمہ یا انہیں بے دخل اور معزول کردینا جوان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

ii- مخالفت کرنے اور نہ جھکنے والے مشائخِ وقت اور اپنا حلقہ اثر رکھنے والے بزرگانِ دین کا خاتمہ۔

iii- ایسے علماء جو قیادت کے اہل اور باشعور ہوں معاشرے میں اپنا اثر ورسوخ رکھتے ہوں اور یہودیوں کی چالوں کو سمجھتے اور ان کے مقاصد میں مزاحم ہوتے ہوں، ان کو شہید کردیا جائے۔

ادنیٰ سے ادنیٰ شعور رکھنے والا فرد بھی اپنے گردوپیش پر نظر دوڑائے تو شاہ فیصل شہید سے لے کر استادِ محترم حضرت شامزئی شہید رحمہ اللہ تک اسے بیسیوں ایسے واقعات مل جائیں گے جن کی کڑی مذکورہ بالا یہودی طریقہ ہائے کار سے جاملتی ہے۔

(7) مخالف جماعتوں میں اپنے ایجنٹ داخل کرنا:

یہودیوں کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ بالکل ابتدائی مرحلوں میں اپنے افراد کو دشمن کی جماعت یا تحریک کی صفوں میں داخل کردیتے ہیں جو وہاں کچھ دنوں میں خاصے بارسوخ ہوجاتے ہیں۔ پھر بعد میں جب انہیں موقع ملتا ہے تو اپنی شہرت، مقبولیت اور اثرورسوخ کی آڑ میں یہودیوں کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں جن کا عام حالات میں تصور کرنا بھی محال ہے۔ بے جا نہ ہوگا اگر ہم اس کی ایک مثال ذکر کردیں۔ مصر میں جمال عبدالناصر اور انور سادات کی یہی صورتحال تھی۔ 1954ء میں انقلاب کے برپا ہوتے ہی جمال عبدالناصر نے اسلامی تحریکوں کو سختی کے ساتھ کچلنا شروع کیا۔ 1970ء میں عبدالناصر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد انور سادات نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط کردیے۔ مصر کا اس معاہدے پر دستخط کرنا پوری ملتِ اسلامیہ کی فلسطین کے متعلق پالیسی سے انحراف اور غداری کے مترادف تھا۔ کیمپ ڈیوڈ دراصل وہ جگہ ہے جو یہود کے ماہر ترین سفلی جادوگروں کے زیرِ اثر ہے۔ ان کی شیطانی کارستانیوں نے یہاں ساحرانہ طلسم کے جال تان رکھے ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہاں باہر سے جانے والا آکسیجن کے مخصوص دباؤ اور موسمی تغیرات سے ذہنی طور پر متاثر ہوکر یہود اور ان کے سرپرست امریکا کی من چاہی تجاویز مان لیتا ہے۔ بات یہ ہے کہ سامری جادوگروں کی فتنہ کاریاں اسے اس قابل نہیں چھوڑتیں کہ وہ آزادانہ فیصلہ کرسکے۔

فری میسن کے سات خطرناک ترین حربے

اب تک جو طریقے درج کیے گئے یہ وہ ہیں جن میں وہ اپنے خاص لوگوں اور تربیت یافتہ آلہ ہائے کار کو استعمال کرتے ہیں۔ اس میں وقت اور خرچ زیادہ لگتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی یہودیوں کے کچھ طریقے ایسے ہیں جس میں انہیں کم سے کم طاقت لگانا پڑتی ہے اور زیادہ سے زیادہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی بالواسطہ جنگ ہوتی ہے جس میں سراسر نقصان مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ ان طریقوں کی اہمیت اس اعتبار سے اور بڑھ جاتی ہے کہ ان کے اثرات دوررس، دیرپا اور اُمت مسلمہ کے لیے تباہ کن ہوتے ہیں۔ وہ طریقے درج ذیل ہیں:

(1) دینی، سیاسی اور عسکری قیادت کو بے اعتبار یا ختم کردینا:

پہلا طریقہ...... جو سب سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔ مسلمانوں کی نمائندہ دینی و سیاسی قیادت اور مرکزی قوت کو عامۃ المسلمین کی نظر میں بے اعتبار کرنا یا ختم کردینا۔ چنانچہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لیے کی جانے والی کوششیں، ترکی میں نوجوان لڑکوں کا ظہور، عرب قومیت کے نظریے کو ہوا دینا، عرب ممالک کی تقسیم در تقسیم، لارنس آف عربیہ کے کارنامے، سلطنت قاچار میں بہائیوں کی کوششیں اور برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے سقوط کے لیے ریشہ دوانیاں سب اسی کا حصہ ہیں۔ ''صہیونی دانا بزرگوں کی دستاویزات'' نامی خفیہ مجموعہ میں اس طریقے کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

''دنیا بھر میں مذہب کے تبلیغی مراکز کو تباہ کرنے کے لیے جو اس زمانے میں بھی ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہم عرصہ دراز سے کوشش کررہے تھے کہ عوام کے دل سے علماء کا احترام ختم کردیا جائے۔ اب روز بروز عوام میں ان کا اثر ختم ہوتا جارہا ہے۔ ہر جگہ ''ضمیر کی آزادی'' کو قبول عام حاصل ہورہا ہے اور اب یہ چند سالوں کی بات ہے کہ

عیسائی مذہب صفحۂ ہستی سے بالکل نیست ونابود ہو جائے گا (اور ایسا ہی ہوا، موجودہ عیسائی دنیا یہودیوں کی روندی ہوئی دنیا ہے۔ اصل عیسائی مذہب کو مسخ اور عیسائی روایات واقدار کو تہس نہس کرنے کے بعد اب وہ یہی حربہ عالم اسلام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ''اعاذنا اللہ منہ.'' مرتب) جہاں تک دوسرے مذاہب کا تعلق ہے انہیں ختم کرنے میں ہمیں اتنی دشواری نہیں ہوگی لیکن ان کے بارے میں کچھ کہنا ابھی ذرا قبل از وقت ہے۔ ہم پادریوں کا دائرۂ عمل تنگ کر دیں گے۔''

(سترہویں دستاویز، مذہب کا استیصال: 151)

(2) احساس محرومی، شورش وانتشار اور غیروں سے امیدیں:

یہود کے سازشی ذہنوں کا گھڑا ہوا ایک طریقہ یہ ہے کہ ''مسلمان عوام'' میں احساس محرومی پیدا کر کے انہیں حکومت کے خلاف بھڑکایا جائے اور ایسی شورش اور افراتفری برپا کی جائے کہ وہ دنیاوی ترقی کر سکیں نہ غلبہ دین کی محنت کے لیے ان کے پاس فرصت ہو۔ آخر کار ان میں اتنی بددلی پیدا کی جائے کہ وہ یہود کے تجویز کردہ ''نجات دہندہ'' سے امیدیں باندھ کر اس کو اپنا حقیقی قائد اور رہبر و رہنما ماننے پر آمادہ ہو جائیں تاکہ وہ آل داؤد کی عالمی بادشاہت کے لیے راہ ہموار کر سکے۔ اس طرح یہود کے تمام عالم پر کلی غلبہ کی راہ ہموار ہو جائے۔ اس طریقہ کو تفصیل سے سمجھنے کے لیے ان خفیہ دستاویزات کے تین اقتباسات غور سے پڑھیے:

''(i) جب ہماری مطلق العنان حکومت قائم ہو جائے گی تو ہر قسم کا آئین منسوخ کر دیا جائے گا لیکن وہ وقت آنے سے پہلے اس درمیانی مدت میں یہ اقدامات بہت ضروری ہیں۔ (ان اقدامات کو تطویل سے بچنے کے لیے حذف کیا جاتا ہے۔ اسی مضمون میں آگے چل کر مناسب جگہ ان میں سے کچھ کا ذکر کر دیا جائے گا۔ راقم)

آئین کی منسوخی سے پہلے ہی ہمارے مطلق العنان حکمران کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس کے تسلیم کیے جانے کا وقت وہ ہوگا جب حکومت کی بدعنوانی اور نااہلی سے بیزار ہو کر

(جس کا ہم عوام کو یقین دلا چکے ہوں گے) عوام خود چیخنے لگیں گے کہ ہمیں ان نا اہل حکمرانوں سے بچاؤ اور ایسے حکمراں کی خواہش کرنے لگیں گے جو انہیں متحد کر کے نفرت اور اختلافات کے اسباب، ملکی حدود، قومیتیں مذاہب اور ملکی قرضوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور انہیں ایسا امن و سکون مہیا کر سکے جو موجودہ حکمران اور نمایندے فراہم نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن آپ کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ اقوام عالم کی اس خواہش کے اظہار کو ممکن بنانے کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ دنیا کے عوام کو ان کی حکومتوں کے خلاف صف آرا کیا جائے اور باہمی اختلافات، نفرت، جدوجہد، جسمانی اذیت، بھوک، بیماریاں اور ضرورتیں اتنی بڑھادی جائیں کہ انسانیت تھک کر چور ہو جائے اور غیر یہودیوں کے لیے ہماری دولت منداور وسائل سے مالا مال حکومت تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہے۔

لیکن اگر ہم نے دنیا کی اقوام کو سانس لینے کا موقع دیا تو وہ لمحہ جس کی ہم دعائیں کر رہے ہیں شاید کبھی نہ آسکے۔''

(دسویں دستاویز، فرماں روائے عالم کا اعلان:120)

(ii) ''عوام جب دیکھیں گے کہ آزادی کے نام پر ہر قسم کی مراعات حاصل کی جاسکتی ہیں تو وہ بزعم خود یہ سمجھنے لگیں گے کہ انہوں نے اپنی حاکمیت خود اپنے زور بازو سے حاصل کی ہے، لیکن اسی اندھے پن کی وجہ سے انہیں قدم قدم پر ٹھوکریں کھانا پڑیں گی اور پھر انہیں کسی راہبر کی تلاش ہوگی۔ اب پچھلی صورتحال پر واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہوں گے اور اس طرح تمام اختیارات ہمارے قدموں تلے آجائیں گے۔ آپ کو فرانسیسی انقلاب یاد ہے۔ اسے ہم نے انقلاب عظیم کا نام دیا تھا۔ اس انقلاب کی تیاری کے رازوں سے صرف ہم ہی واقف تھے اور سب کچھ ہمارا ہی کیا دھرا تھا۔

اس وقت سے لے کر آج تک ہم عوام کو مسلسل یکے بعد دیگرے محرومیوں اور ناامیدیوں سے دوچار کر رہے ہیں تا آنکہ آخر میں وہ ہم سے بھی بددل ہو کر اس مطلق العنان بادشاہ کی اطاعت قبول کر لیں جو صہیونی نسل سے ہوگا اور جسے ہم دنیا کے لیے تیار کر رہے

ہیں۔ موجودہ دور میں ہم ایک بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے ناقابل تسخیر ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی ملک ہمارے اوپر حملہ آور ہو تو دوسرے ممالک ہماری مدد کو دوڑ پڑتے ہیں۔''

(تیسری دستاویز، تسخیر کا طریقِ کار: 93،94)

(iii) ''جب ہم انقلاب کی ضرب کاری لگا کر کامیاب ہو جائیں تو انقلاب کا جواز یہ پیش کریں گے کہ ہر چیز تباہ ہو گئی تھی اور عوام کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ ہم نے زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں اس لیے لی تا کہ عوام کے مصائب کی بنیادی وجوہ یعنی قومیتیں، سرحدیں اور کرنسی کے اختلافات وغیرہ ختم کیے جا سکیں۔ تمہیں یہ حق ہے کہ ہمارے لیے جو سزا چاہو تجویز کرو لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ ہم تمہیں کیا پیش کر رہے ہیں؟ اس سے پہلے تمہاری تجویز کی ہوئی سزا انصاف پر مبنی نہیں ہو سکتی۔ یہ سننے کے بعد لوگ ہمارا احترام کریں گے اور یک زبان ہو کر فتح کی اُمید اور توقعات کی خوشی میں جھومتے ہوئے ہمیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیں گے۔''

(دسویں دستاویز، اقتدار کی تیاری: 115)

(3) بے مقصد تنازعات، لایعنی مباحثے اور فرضی مسائل:

مسلمانوں کے مختلف طبقات مثلاً حکمران، علماء و مشائخ، تاجر، فوجی افسران، عوام خواہ تعلیم یافتہ ہوں یا ناخواندہ، خاص کر نوجوانوں کو باہم اُلجھانے کے لیے مختلف عنوانات کے تحت کسی علمی و فکری تنازعے یا لایعنی بحث مباحثے میں اُلجھا دینا۔ یہ کام خود یا کسی آلہ کار کے ذریعے دیوار پر شیرہ لگانے کی مانند ہوتا ہے۔ مخلص مسلمانوں کے مختلف طبقات محض سادگی میں اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس مدت میں یہودی یا تو مزید رسوخ حاصل کر کے اپنی جڑیں مضبوط کرتے ہیں یا اپنے مقاصد تک پہنچ جاتے ہیں۔ گزشتہ دو سو سالوں سے عالمِ اسلام میں جو بعض لایعنی مباحثے و مناظرے اور بے مقصد نظریاتی لڑائیاں ہوئی ہیں وہ اسی کا شاخسانہ ہیں۔ اعلیٰ ترین یہودی دماغوں نے اس سازش کو ان الفاظ میں دستاویزی شکل دی تھی:

''اس کے بعد فوراً ہی عوام کی توجہ کا دھارا نئے مسائل کی طرف موڑ دیں گے (کیا ہم نے لوگوں کو ہمیشہ نئی چیز کی جستجو کرنے کی تربیت نہیں دی؟) ان نئے مسائل کی بحث میں وہ عقل سے عاری لوگ بھی کود پڑیں گے جو ابھی تک بھی یہ نہیں سمجھے کہ جن مسائل پر وہ بحث کر رہے ہیں انہیں اس کا ہلکا سا شعور بھی نہیں ہے۔ رموز مملکت سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس علم کی بنیاد رکھی اور صدیوں سے اس میں رہنمائی کر رہے ہیں، دوسروں کی فہم سے بالاتر ہیں۔

ان تمام باتوں سے آپ کو معلوم ہوگا کہ عوام کی رائے سے ہم صرف اپنے نظام کی کامیابی کی راہ ہموار کریں گے۔ آپ اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہم مختلف مسائل پر ان کی رائے سے، اپنے عمل کی نہیں بلکہ اپنے قول کی توثیق کرائیں گے۔ ہم بار بار اس کا اظہار کر چکے ہیں کہ ہم ہر معاملے میں اپنی رہنمائی اس اُمید اور یقین سے حاصل کرتے ہیں کہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر رہے ہیں۔''

(تیرہویں دستاویز، توجہ بھٹکانا: 131)

نظریاتی اختلافات کے علاوہ علاقائی ولسانی جھگڑوں کو ہوا دینا، آئے دن کوئی نیا شوشہ چھوڑتے رہنا اور عامۃ الناس کو اس میں الجھا کر مقصدی اُمور سے ہٹائے رکھنا، کوئی سمجھدار مسلمان اس کی اصلاح کے لیے آواز اُٹھائے تو مختلف ہتھکنڈوں سے اس کی حوصلہ شکنی کرنا بلکہ یہ کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں ایسی سمجھ اور شعور والے افراد پیدا ہی نہ ہوں تاکہ یہ ننگ انسانیت قوم اپنا کام کیے جائے۔ یہ سب کچھ اسی تیسرے طریقے کا حصہ ہیں۔ درج ذیل اقتباسات کو ذہن حاضر رکھ کر پڑھیے:

''رائے عامہ کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے اسے پراگندہ رکھنا ضروری ہے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ ہم بھانت بھانت کے اختلاف رائے کے لیے مواقع فراہم کریں اور ان اختلافات کو اتنے عرصہ تک شہ دیتے رہیں کہ غیر یہودیوں کے دماغ مختلف نظریات کی بھول بھلیوں میں گم ہو جائیں اور ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ بہترین بات یہی

ہے کہ رموزِ مملکت کے بارے میں (جنہیں عوام کے لیے سمجھنا ضروری نہیں ہے) کوئی رائے زنی ہی نہ کی جائے۔ وہ یہ سمجھ لیں کہ جس کا کام اسی کو ساجھے۔ ان معاملات کو سمجھنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جنہیں عوام کی قیادت کرنی ہے۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ یہ پہلا راز ہے۔

ہماری حکومت کی کامیابی کا دوسرا راز مندرجہ ذیل ہے:

''قومی کمزوریاں، عادات، جذبات اور معاشرتی زندگی کے نقائص بیان کرنے میں اس قدر غلو سے کام لینا چاہیے کہ عام آدمی کو یہ پتا ہی نہ چل سکے کہ وہ اس افراتفری میں کہاں کھڑا ہے؟ اور اس طرح لوگ دوسروں کا نکتۂ نظر سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھیں۔ یہ افراتفری ہماری ایک اور طریقہ سے بھی مدد کرے گی اور وہ اس طرح کہ مختلف جماعتوں میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ان تمام اجتماعی قوتوں کے، جو ہماری اطاعت قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں، قدم اُکھاڑ دے گی اور ہر اس فرد کی حوصلہ شکنی کرے گی جو اپنی ذاتی اختراعی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالنے کا سبب بن سکتا ہو۔

ہمارے لیے انفرادی اختراع سے زیادہ خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہے اور اگر اس اختراع کے پیچھے ذہانت اور فطانت بھی ہو ایسی اختراع ان دس لاکھ آدمیوں سے زیادہ خطرناک ہوسکتی ہے جن میں ہم نے نفرت کی پرورش کی ہے۔

ہمیں غیر یہودیوں کے تعلیمی شعبے کو اس طرح منظّم کرنا چاہیے کہ جب وہ کسی ایسے مسئلے سے دوچار ہوں جس میں اختراع کی ضرورت ہو تو وہ اپنے آپ کو عاجز و بے بس سمجھ کر خود ہی ہار مان لیں۔

ان تمام باتوں سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم غیر یہودیوں کو تھکا کر اتنا مضمحل کردیں کہ وہ آخر کار ہمیں اس قسم کی بین الاقوامی طاقت پیش کرنے پر مجبور ہوجائیں جو ہمیں اس قابل کردے کہ بغیر کوئی تشدد کیے ہم دنیا کے ملکوں کی ساری طاقت رفتہ رفتہ چوس کر ایک ''سپر گورنمنٹ'' بناسکیں۔ موجودہ حکمرانوں کے بجائے ہم ان پر ایک ایسا عفریت مسلط

کردیں گے جو اس سپر گورنمنٹ کی انتظامیہ کہلائے گی۔اس کے پنجے ہر سمت گڑے ہوئے ہوں گے اور اس کی تنظیم اتنی وسیع وعریض ہوگی کہ ہمارے لیے ساری دنیا کی قوموں کی تسخیر میں ناکامی، ناممکن ہوگی۔

(پانچویں دستاویز، مطلق العنانیت:99)

(4) قیادت کے اہل افراد کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ:

ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان افراد کو بے اعتبار اور ناقابل اعتماد بنادینا جو قیادت کے اہل ہیں۔اس مقصد کے لیے وہ ان کے خلاف غلط باتیں پھیلاتے ہیں۔ایسی شخصیتوں کی جن سے ان کو خطرہ ہوتا ہے، جاسوسی کرتے ہیں۔ان کی لغزشوں کے ثبوت محفوظ رکھتے ہیں اور انہیں مناسب موقع پر استعمال کرتے ہیں اور ان کے خلاف باضابطہ مہم چلاتے ہیں اور بعض اوقات ان کو بلیک میل کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔اس طریقے کو سمجھنے کے لیے یہ اقتباس پڑھیے:

''درحقیقت ان ہی وجوہ کی بنا پر اکثر ملکوں میں بادشاہوں کو معزول کیا جاچکا ہے اور اس کے بعد ہی جمہوری حکومتوں کے قیام کا ایسا امکان پیدا ہوسکا کہ اسے روبہ عمل لایا جاسکے۔اس کے بعد ہم نے حکمرانوں کے بدلے، صدر کی شکل میں انہیں کاٹھ کا الو دے دیا جو عوام میں سے چنا جاتا ہے اور ان کٹھ پتلیوں کا منتخب کردہ ہوتا ہے جو ہمارے غلام ہیں۔

یہ اس بارودی سرنگ کی بنیاد تھی جو ہم نے غیر یہودی حکومتوں کے نیچے بچھائی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ تمام غیر یہودیوں کے نیچے بچھائی تھی۔

اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ ہماری حکمت عملی سے وہی نتیجہ نکلے جو ہم نکالنا چاہتے ہیں۔ہمیں ایسے صدر کا انتخاب کروانا ہوگا جس کا ماضی کسی سربستہ گناہ سے داغدار ہو۔ اس طرح وہ ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے زیادہ قابل اعتماد ثابت ہوسکے گا چونکہ ایک طرف تو اسے یہ خوف لاحق ہوگا کہ کہیں ہم اس کا راز فاش نہ کردیں اور دوسری طرف (جیسا کہ ہر اقتدار پسند کی خواہش ہوتی ہے) وہ خود ان مراعات، فوائد اور اس شان وشوکت کو جو

صدر کے عہدے کالازمہ ہوتی ہے، باقی اور قائم رکھنے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔

(دسویں دستاویز، اقتدار کی تیاری:118)

صدر رچرڈ نکسن کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ جب اس نے یہود کے مقاصد کی تکمیل میں پس وپیش کیا تو ''واٹر گیٹ اسکینڈل'' میں بُری طرح پھنسا دیا گیا حتیٰ کہ استعفیٰ دیتے ہی بنی۔ امریکی صدر بل کلنٹن کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی اس کی واضح مثال ہے۔ دنیا حیرت زدہ تھی کہ یکا یک اس عورت (مونیکا لیونسکی) کو کیا ہوا کہ امریکی صدر کی عزت اُتارنے پر تل گئی۔ حقیقت یہ تھی کہ یہودی لابی نے اپنی اس ایجنٹ کے ذریعہ عیاش صدر کو بوقت ضرورت لگام دینے کا بندوبست بہت پہلے کرلیا تھا۔ یہ بندوبست ان کے اس وقت کام آیا جب صدر کلنٹن نے فلسطینی علاقے میں یہودی بستیاں تعمیر کرنے پر اسرائیلی صدر نیتن یاہو کو یاد دلایا کہ یہ اس معاہدے کی خلاف ورزی ہے جو اسرائیل فلسطینیوں سے کرچکا ہے۔ امریکی صدر جب یہودی ارادوں میں زیادہ مزاحم ہونے لگا تو یہودی لابی اسے اپنی حد میں رکھنے کے لیے اس کے اس جرم کو منظر عام پر لے آئی جس کے ثبوت وہ اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئی تھی۔ جب صدر صاحب اپنے جامے میں واپس آ گئے اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے نمونۂ عبرت بنا دیے گئے تو ان کے خلاف مواخذے کی قرارداد اکثریتی ووٹوں سے نامنظور کروا کر ان کو بری الذمہ قرار دے دیا گیا۔

(5) اپنا کام نکالنے کے لیے مخلص افراد کو آپس میں لڑوانا:

ایک مؤثر طریقۂ کار یہ ہے کہ یہود کے ایجنٹ، مسلمانوں کے مخلص افراد یا طبقات کو نہایت خفیہ طریقے سے اس طرح لڑا دیتے ہیں کہ دونوں افراد یا طبقات جو فی الواقع اس سازش سے بے خبر ہوتے ہیں، یہ باور کرتے ہیں کہ وہ حق کی خاطر جدوجہد کر رہے ہیں اور اپنی اپنی جگہ ایسا سمجھنے میں وہ بہت حد تک حق بجانب بھی ہوتے ہیں لیکن دراصل وہ بالواسطہ ایسی بحث یا نزاع میں پڑ کر غیروں کی سازش کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں، لیکن ہم انہیں ذکر نہیں کرتے کیونکہ اس تحریر کا مقصد کسی کی اہانت یا دل

آزاری نہیں، اصلاح احوال کی فکر پیدا کرنا ہے۔

یہود اور ان کے آلہ کاروں کی اس سے ملتی جلتی ایک اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی معقول اور صحیح بات کو ایک ایسے وقت میں حکمرانوں، علماء اور عامۃ المسلمین کے درمیان موضوع بحث بنا ڈالتے ہیں جو وقت مسلمانوں کے اعتبار سے خلاف مصلحت ہوتا ہے یعنی صحیح موقف کو غلط طریقے سے غلط وقت میں پیش کر کے اس کے ذریعے اہم اور زیادہ مفید مسئلے سے توجہ ہٹا کر غیر اہم اور کم تر افادیت مسئلے میں مشغول کر دیتے ہیں۔ جب تک اس سے فراغت ہوتی ہے تب تک اصل مقصود کے حصول کا موقع ہاتھ سے جا چکا ہوتا ہے۔

(6) مذہبی و اخلاقی پستی پھیلانا اور کھیل تماشوں کو فروغ دینا:

ایک طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین و آخرت کی فکر سے ہٹا کر دنیا بنانے کی فکر یا کھیل و تفریح اور لہو ولعب میں لگا دیا جائے۔ اس طرح وہ امت جو تمام روئے زمین پر غلبہ اسلام کی فکر اور تمام عالم کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی تڑپ جیسے اعلیٰ مقاصد رکھتی تھی، جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھرنے اور خدا کی یاد سے غافل ہو کر لذات نفس کے حصول میں منہمک رہنے جیسی پستی پر اُتر آتی ہے۔ یادِ خدا، جہاد بالسیف اور نصیحۃ المسلمین جیسے نظریات اسے دیوانوں کی بڑ لگنے لگتے ہیں۔ درج ذیل پیراگراف پڑھیے اور سوچیے کہ آج ہم جس مذہبی اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہیں، اس تک پہنچانے میں کہیں اسی رسوائے زمانہ فرقے کا ہاتھ تو نہیں؟

''اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ خود عوام کو یہ سوچنے کا موقع نہ مل سکے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں، ہم ان کی توجہ، تفریحوں، کھیل تماشوں اور اس قسم کی دوسری خرافات کی طرف موڑ دیں گے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد پریس کے ذریعہ ہم فنکاروں، کھلاڑیوں اور اس قسم کے لوگوں کے لیے مقابلوں کا اعلان کریں گے۔ اس قسم کی دلچسپیاں، بالآخران کے ذہن ایسے مسائل کی طرف سے جن کی مخالفت کرنا ہمارے لیے ضروری ہو، ہٹا دیں گی۔ رفتہ رفتہ جب وہ ردعمل کی صلاحیت کھو بیٹھیں گے اور خود اپنی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں رہیں گے اور چونکہ صرف ہم ہی ان کے سامنے خیال کی نئی جہتیں پیش کر رہے ہوں گے، اس لیے

اب وہ صرف ہمارے لہجے میں بات کرنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ کام یقیناً ان لوگوں کے ذریعہ کروایا جائے گا جن پر ہمارے ساتھی ہونے کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکے گا۔

(تیرہویں دستاویز، توجہ بھٹکانا، نان شبینہ، تفریحی مراکز:132)

(7) مذہب کے مسلّمہ امور کو مشکوک بنانا:

ایک خطرناک طریقہ یہ ہے کہ مذہب کے مسلّمہ اُمور کو لایعنی اشکالات اور بے معنی اعتراضات کر کے مشکوک بنادیا جائے۔ مثلاً حدیث شریف کی حجیت اور تقلید کے وجوب کے انکار پر کی جانے والی بے سروپا بحثیں اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یا جیسے مسلّمہ اسلامی عقائد مسائل کے متعلق شکوک وشبہات اور بے معنی وساوس پیدا کر کے لوگوں کو مذہب سے متنفر کردیا جائے۔ جیسے وجود باری تعالیٰ یا عذاب قبر کا انکار یا داڑھی اور پردہ پر از سرنو غوروفکر اور بحث و مباحثہ۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی مختلف آیات میں من گھڑت اور دل پسند تاویلات کر کے نت نئے ملحدانہ نظریات کو فروغ دینا، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی اختلافات کو بڑھا چڑھا کر زہریلے الفاظ میں بیان کرنا، یا ان پر تنقید کرنا، ائمہ مجتہدین پر بے معنی اعتراضات، مسلمانوں کے لیے قابل فخر فقہی ذخیرے سے غیر مفتیٰ بہ جزئیات تلاش کر کے سادہ لوح عوام کو ورغلانا یہ سب اسی طریقے کے زمرے میں آتے ہیں اور مندرجہ بالا ساری مثالوں کو معمول یا مشن بنانے والے افراد یا جماعتیں شعوری یا لاشعوری طور پر یہود کے دیے ہوئے رُخ پر چل رہے ہیں۔ دیکھیے! چودہویں دستاویز کے یہ عبرت آموز الفاظ:

''ہمارے مفکرین، غیر یہودی عقائد کی تمام تر کمزوریوں کو زیر بحث لائیں گے لیکن چونکہ ہمارے مذہب کے بارے میں سوائے ہمارے کسی اور کو اس کا علم ہی نہیں ہے اور ہم میں سے کوئی فرد بھی اس کا راز فاش کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا، اس لیے کوئی شخص ہمارے مذہب پر اس کے اصلی نکتۂ نظر سے بات نہیں کرسکے گا۔

ہمارے دانا افراد جنہیں غیر یہود کی قیادت کی تربیت دی گئی ہے۔ تقریریں لکھیں گے، منصوبے بنائیں گے، یادداشتیں اور مضامین لکھیں گے جو غیر یہودی دماغوں کو متاثر

کرنے میں استعمال کیے جائیں گے تاکہ انہیں گھیر کر علم کی اس فہم اور ترتیب کی طرف لایا جائے جو ہم نے ان کے لیے متعین کی ہوئی ہے۔

(چودھویں دستاویز، مذہب پر حملہ:135، 136)

آج کل اس فتنہ پرور قوم نے اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ مغربی ممالک کی معیاری یونیورسٹیوں میں مذہبی تعلیم کے شعبے کھول رکھے ہیں جہاں مستشرقین کی زیرنگرانی اسلامی ممالک کے من پسند افراد کو ڈاکٹریٹ کروائی جاتی ہے۔ یہ نام نہاد پی ایچ ڈی افراد اپنے اپنے ممالک میں جا کر جدید تحقیق کے نام پر زہر پھیلاتے ہیں۔ ان کا خاص ہدف پڑھے لکھے افراد ہوتے ہیں جن کی ذہنیت تبدیل کر کے اور انہیں اسلام کے حقیقی معانی و مفاہیم سے برگشتہ کر کے الحاد و بے دینی کا چلتا پھرتا نمونہ اور داعی بنا دیا جاتا ہے۔ آج کل یہ افراد درسِ قرآن کے حلقوں کے ذریعے اپنی خطرناک تحریک کو فروغ دے رہے ہیں۔ خودرو پودوں کی طرح جہاں تہاں اُگے ہوئے یہ ادارے اور حلقے جگہ جگہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ ذیل کا اقتباس اسلام کا درد رکھنے والوں کے لیے ان حلقوں کی حقیقت سمجھنے کے لیے کافی ہے:

''نوجوانوں کو رسمی مذاہب کی اپنے طرز پر تعلیم دینے اور اس کے بعد اپنے مذہب کی واضح تعلیم دینے کی درمیانی مدت میں، ہم موجودہ مذاہب پر علانیہ انگلی نہیں اُٹھائیں گے لیکن ہم اس قسم کے اعتراضات ضرور اُبھارتے رہیں گے جن کا مقصد انہیں فرقوں میں تقسیم کرنا ہوگا۔

بالعموم ہمارا پریس ملکی اُمور، مذاہب اور غیر یہود کی نااہلی کو تنقید کا نشانہ بنائے رکھے گا اور کسی اخلاقی اصول کو مدنظر رکھے بغیر ہر وہ طریقہ، جو صرف ہماری ذہین قوم ہی استعمال کرسکتی ہے، استعمال کرے گا جس سے ان کا وقار مجروح کیا جاسکے۔''

(سترہویں دستاویز: 151)

اگر اپنے گرد و پیش سے باخبر رہا جائے تو بہت سے ایسے مواقع اور مناظر دیکھنے کو ملیں گے جو درج بالا سات طریقوں میں سے کسی ایک کا شاخسانہ ہوں گے۔ ضرورت صرف اُمت مسلمہ کے دوراور مومنانہ فراست کی ہے۔

فری میسن کی کامیابی کا راز

یہودی عرصہ دراز سے تمام عالم کے انسانوں کے خلاف بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم اس قدر گھناؤنی سازشیں کرتے چلے آ رہے ہیں اور ان کے خفیہ منصوبوں نے ساری دنیا کو درہم برہم کر رکھا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی ان سازشوں کا دنیا کو شعور کیوں نہیں اور وہ ان کے توڑ کے لیے اس عیار قوم کے خلاف کیوں نہیں اُٹھ کھڑی ہوتی؟ خصوصاً مسلمان جن کے پاس تعلیماتِ الٰہیہ اپنی اصل شکل میں موجود ہیں اور جذبۂ جہاد جن کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، وہ ان منصوبوں کا ادراک کر کے ان کے بانیوں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کیوں سست ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں نے ایسی حکمت عملی اپنا رکھی ہے اور اپنے منصوبوں کو رو بعمل لانے کے لیے ایسے زیر زمین طریقے وضع کر رکھے ہیں کہ ان کی زد میں آنے کے بعد دنیا کو اپنا ہی ہوش نہیں رہا۔ وہ ان کی چالوں کا مقابلہ کیونکر کرتے؟ رہ گئے مسلمان تو ان کی کامیابی کی تین بنیادی اور موٹی موٹی شرائط تھیں:

(1) احکاماتِ الٰہیہ اور سنت نبویہ پر پورا پورا عمل

(2) فریضۂ جہاد فی سبیل اللہ کی ادائیگی

(3) خلافتِ اسلامیہ کا قیام

یہودیوں نے ایسا طریق کار اپنایا کہ مسلمان رفتہ رفتہ ان تینوں میں کمزور ہوتے ہوتے ان سے محروم ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ مسلمانوں میں سے جن افراد، تحریکوں یا اداروں کو ان باتوں کا شعور اور ملتِ اسلامیہ میں ان کے احیا کی فکر ہے، وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اس شعور کو سلب کرنے کے لیے یوں تو یہودیوں نے بیسیوں نہیں سیکڑوں طریقے استعمال کیے لیکن بطور خاص ایک اصولی طریقہ اپنایا گیا جسے "تعقلیت" یا "عقل پرستی" کہتے ہیں۔

عقل پرستی کی تباہ کاریاں:

یہ ایک پیچیدہ اور عام لوگوں کے لیے ناقابل فہم طریقہ ہے، لیکن چونکہ یہ اتنا اہم ہے کہ سارے یہودی سازشی نظام کی بنیادیں اس پر کھڑی ہیں، اس لیے اسے ذرا تفصیل سے اور خفیہ دستاویزات کے حوالوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ کرے مسلمان، اس کو پڑھ کر فکرمند ہوں اور اس طرزِ فکر و عمل پر لوٹ آئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دے کر گئے تھے اور جسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً بتا کر ان تک پہنچایا تھا اور جس کا خلاصہ اوپر لکھی گئی تین باتیں ہیں۔ یہ اصولی طریق کار تعقلیت (Rationalization) کہلاتا ہے۔ ریشنلائزیشن وہ عمل ہے جس سے ان کے نزدیک ریشنلزم (Rationalism) کا قیام مقصود ہے۔ ریشنلزم کا مفہوم ہے عقل کو مذہب میں آخری فیصلہ کرنے والا قرار دینا اور ان تمام نظریات کا رد کرنا جو عقل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ریشنلائزیشن کی تین شاخیں مشہور ہیں یعنی تین ایسے طریقے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہیں لیکن اصول کے اعتبار سے ایک بنیاد یعنی عقل پر مبنی ہیں۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں:

(1) سیکولرائزیشن (Secularization)

(2) ڈیموکریٹائزیشن (Democratization)

(3) کمرشلائزیشن (Commercialization)

گزشتہ چند صدیوں سے دنیا میں خصوصاً یورپ و امریکا میں ان مقاصد کے حصول کے لیے بلامبالغہ ہزاروں تحریکیں، تنظیمیں، حلقے اور زاویے مختلف ناموں سے کام کر رہے ہیں۔ ان تینوں اصطلاحوں کا مختصر تعارف یہ ہے:

لادینیت کا فتنہ:

(1) سیکولرائزیشن درحقیقت لادینیت کا فتنہ ہے۔ اس سے مراد انسان کے فکر و نظر، معاملات، تہذیب، ثقافت اور تمدن کو عقیدہ اور دین سے منقطع کر کے عقل اور ذاتی سوچ سے جوڑنا ہے۔ اسے ریگولر (Regular) یعنی متشرع کے بجائے سیکولر (Secular) بنانا ہے۔ آسان لفظوں میں یوں سمجھیے کہ بنی نوع انسان کو آسمانی ہدایت اور

پیغمبرانہ تعلیمات کی پیروی سے ہٹا کر اسے ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد اور تمام حدود و قیود سے باغی بنادیے کا نام سیکولرائزیشن ہے۔ آج کل غیر مسلم دنیا اسی سیکولرازم کا شکار ہو کر جانوروں کی طرح زندگی گزار رہی ہے۔ پیٹ کی بھوک اور شرم گاہ کی خواہش پوری کرنے کے بعد اسے دنیاو مافیہا سے کوئی سروکار نہیں۔ عیسائی دنیا تو یہودیوں کی برپا کردہ اس یلغار کے سامنے روندی جاچکی ہے۔ لے دے کے مسلمان رہ جاتے ہیں جو ابھی تک آسمانی وحی کی بنیادی تعلیمات سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس وقت مسلمان ممالک اور مسلم معاشرے فری میسن کا سب سے بڑا ہدف ہیں۔ شیطان کے ان چیلوں کی سرتوڑ کوشش ہے کہ کسی طرح مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ بے دینی اور آزاد خیالی پھیلائی جائے جس کا آسان طریقہ فحاشی اور عریانی کو فروغ دینا اور آزادی و مساوات جیسے کھوکھلے اور احمقانہ نعروں کو رائج کرنا ہے۔ ذرا چشم بصیرت سے ان خفیہ دستاویزات کا درج ذیل اقتباس پڑھیے اور اس کے بین السطور پر غور کیجیے:

''عرصہ ہوا پرانے زمانے میں ہم نے سب سے پہلے عوام الناس کے سامنے آزادی، مساوات اور اخوت کے نعرے پیش کیے تھے۔ بعد کے زمانوں میں اطراف و جوانب کے احمق طوطے ان کی رٹ لگاتے ہوئے اس جال میں پھنستے چلے گئے اور اس کے ساتھ ہی دنیا سے خوشحالی بھی رخصت ہوگئی۔ یہ خوشحالی تھی فرد کی اصل آزادی جو بیرونی دباؤ سے محفوظ تھی۔

غیر یہودی مفکرین ان الفاظ کے معنی کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے۔ انہوں نے ان الفاظ کے معانی کے تضاد پر غور نہیں کیا۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ مساوات اور آزادی نظام فطرت کے خلاف ہیں۔ قدرت نے انسانوں کو یکساں ذہن نہیں دیا۔ یکساں خصوصیات نہیں دیں۔ یکساں صلاحیتیں نہیں دیں۔ [پھر وہ مساوی کیسے ہو سکتے ہیں؟] یہ اصول اتنا ہی ناقابل تبدیل ہے جتنا خود یہ اصول کہ قانون قدرت سے انحراف ناممکن ہے۔

ہمارے بھولے اور ناسمجھ گماشتوں کی وجہ سے جو ہم نے غیر یہودی معاشرے میں پیدا

کردیے تھے، آزادی، مساوات اوراخوت کے الفاظ دنیا کے گوشے گوشے میں ہر ایک کی زبان پر چڑھ گئے۔لوگ جوق در جوق سرگرمی سے ان الفاظ کے جھنڈے تلے آنے لگے اور رفتہ رفتہ یہ الفاظ غیر یہود کی خوشحالی کو گھن کی طرح چاٹ گئے۔ امن و استحکام رخصت ہوا اور غیر یہودی سلطنتوں کی بنیادیں ہل گئیں۔ جیسا کہ بعد کے صفحات سے معلوم ہوگا، اس عمل نے ہمیں کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کافی مدد کی اور منجملہ دوسرے فائدوں کے ہمیں ایک ''ماسٹر کی'' مل گئی۔''

(پہلی دستاویز، آزادی، مساوات اور اخوت:83،84)

کتاب وسنت کی تعلیمات سے منہ پھیرنے اور آزادروی اختیار کرنے کے نتائج کیا ہوتے ہیں خود یہود کی زبانی سنیے:

''جب ہم نے ریاست کے جسم میں آزاد خیالی کا زہر داخل کر دیا تو اس کا پورا سیاسی نظام درہم برہم ہوگیا۔ ملک ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہوگیا۔ زہر اس کے خون میں سرایت کرگیا۔ اب صرف یہ باقی رہ جاتا ہے کہ اسے سسکنے کے لیے چھوڑ دیا جائے اور اس کی موت کا انتظار کیا جائے۔''

(دسویں دستاویز، اقتدار کی تیاری:117)

یہ سوچ دنیا کو کس نے دی؟ سیکولر ذہنیت کا سرچشمہ کیا اور کہاں ہے؟ اور ایک مخصوص مدت کے بعد یہ نعرے خود بخود کس طرح ختم کردیے جائیں گے؟ اس کا راز بھی ان خفیہ دستاویزات سے کھلتا ہے۔نویں دستاویز میں ایک جگہ درج ہے:

آزاد خیالوں (Liberals) کے اقوال یعنی ''آزادی''، ''مساوات'' اور ''اخوت'' عملاً ہمارے فری میسن (Freemason) ہی کے دیے ہوئے نعرے ہیں۔ جب ہم اپنی بادشاہت قائم کریں گے تو ان نعروں کی حقیقت اتنی تبدیل کردیں گے کہ یہ ہمارے نعرے نہیں رہیں گے۔ اس کے بجائے یہ صرف خیالی تصور (Idealism) کا ذریعہ اظہار رہ جائیں گے یعنی ان کے معنی بدل کر ''آزادی کا حق''، ''مساوات کا فرض'' اور ''اخوت کا تصور'' رہ جائیں گے۔ یہ ہیں وہ معنی جو ہم ان الفاظ کو دیں گے اور اس طرح ہم ان نظریات

کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں گے۔''

(نویں دستاویز:110)

یہ آزاد خیالی پھیلائی کس طرح جاتی ہے اور اللہ ورسول کی ماننے والوں اور آسمانی تعلیمات کو ذریعۂ نجات سمجھنے والوں کو کس طرح مذہب سے بیزار اور روحانیت سے متنفر کیا جاتا ہے؟ اس کے طریق کار کا بھی اسی خفیہ کتاب سے پتا چلتا ہے۔ درج ذیل اقتباس پر نگاہ بصیرت ڈالیے:

''اس خیال کے پیش نظر کہ غیر یہودی ادارے مقررہ وقت آنے سے پہلے ہی نیست ونابود نہ ہو جائیں، ہم نے اس کا بندوبست بڑی عیاری اور نفاست سے کیا ہے۔ ہم نے ان کمانیوں پر قبضہ کیا ہوا ہے جو اس مشین کو چلاتی ہیں۔ یہ کمانیاں انتظامیہ کی مشین میں انتہائی حساس مقامات پر واقع ہیں۔ ہم نے وہاں آزاد خیالی کے نام پر افراتفری پھیلانے والوں کو بٹھایا ہوا ہے۔ ہمارے ہاتھ قانون نافذ کرنے والے اداروں میں موجود ہیں۔ انتخابات کرانے والے اداروں میں موجود ہیں، پریس میں ہیں، انسانی حقوق کے علمبردار اداروں میں ہیں اور خصوصیت کے ساتھ تعلیمی اور تربیتی اداروں میں ہیں جو آزاد وجود کا سنگ بنیاد ہیں۔ ہم ان خود ساختہ نظریات اور مسالک کی تعلیم وترویج کے ذریعہ جن کے متعلق ہم خود جانتے ہیں کہ یہ غلط ہیں، غیر یہود کے نوجوان طبقے کو ورغلا کر اخلاقی طور پر کنگال اور ذہنی طور پر پراگندہ کر چکے ہیں۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر غیر یہود کو معینہ وقت سے پہلے اس کا علم ہو جائے تو یہ ہوشیار ہو کر ہمارے خلاف شمشیر بکف اور صف بستہ ہو جائیں گے۔ اس متوقع خطرے کی ہم پہلے ہی پیش بندی کر چکے ہیں اور یہ منصوبہ اتنا خوفناک ہے کہ اسے سن کر بڑے بڑوں کا پتا پانی ہو جائے گا۔ زیر زمین خفیہ تنظیمیں ایسی بارودی سرنگیں ہیں جو معینہ وقت آنے سے پہلے ہی تمام دارالحکومتوں کے نیچے بچھی ہوئی ہوں گی اور ایسے دھماکے سے پھٹیں گی کہ ان کے سارے ادارے ان کی یادداشتوں کے محافظین سمیت اپنے ساتھ اڑا دیں گی۔''

(نویں دستاویز، ہمہ گیر دہشت گردی کا منبع:113)

جمہوریت: خالص یہودی ایجاد

(2) ریشنلائزیشن کا دوسرا طریقہ ڈیموکریٹائزیشن (Democratization) ہے۔اس کا مفہوم ہے معاشرت کو اور بطور خاص سیاست کو عامی بنانا۔اس کا مطلب نہ تو قطعاً آمریت کا خاتمہ کرنا ہے اور نہ عوام الناس کی رائے کا احترام کرنا، بلکہ اس کا مطلب ہے معاشرے کے ذہین، صاحب علم اور ذمہ دار افراد یعنی اسلامی اصطلاح میں اہل الرائے اور اہل فتویٰ کو بے دخل کر کے ایک ایسی عامی، عوامی یا جمہوری تنظیم قائم کرنا جس کے پردے میں یہودی ساری دنیا پر اپنی آمریت قائم کر سکیں۔ڈیموکریٹائزیشن کا نصب العین ڈیموکریسی یعنی آج کل کی اصطلاح میں جمہوریت قائم کرنا ہے جو ریشنلزم کی دوسری بنیادی شرط ہے۔ جمہوریت کا نعرہ بظاہر بڑا دلکش، سحر انگیز اور معقولیت پر مبنی ہے۔غریب اور امیر برابر ہوں، جاہل اور عالم یکساں ہوں، نہیں بلکہ جہلاء، علماء اور عوام، امیروں پر بھی سبقت لے جائیں۔ ہر انسان کے حقوق مساوی ہوں۔ ہر انسان انسان ہے، اس لیے اسے اپنی حکومت، اپنی قوم اور اپنے ملک کے معاملات میں حصہ ملنا چاہیے۔کوئی مذہب، کوئی سیاسی نظام، کوئی عدل اور کوئی انصاف اس حق کو چھین نہیں سکتا۔یہ تمام باتیں اپنی جگہ بڑی وقیع ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے پیچھے ایک فیصد حقیقت بھی نہیں۔ایسے سبز باغ ہیں جن کے پھل کا مزہ آج تک کوئی چکھ نہیں سکا۔اگر جمہوریت کی ابتدا اور اس کے پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یورپ کے بادشاہ عرصہ دراز تک یہودیوں کو اپنا کھلونا بنا کر استعمال کرتے رہے۔کبھی ان سے دولت چھین کر انہیں ملک بدر کر دیا۔کبھی عوام کو اکسا کر انہیں مروا دیا۔کبھی انہیں مذہبی جنون کی آڑ میں لوٹ لیا۔ طاقت کے ان خود سر علمبرداروں کے ہوتے ہوئے یہود کے لیے کہیں جائے امان نہ تھی۔البتہ ایک صورت

کارگر ہوسکتی تھی کہ چند طاقتور افراد کے بجائے طاقت ان چند لوگوں کے ہاتھوں میں آ جائے جنہیں اپنی طاقت کا علم ہی نہ ہو۔ اگر ایک کے بجائے ایک لاکھ یا ایک کروڑ انسانوں میں بادشاہت کے حقوق تقسیم ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ یہود کی باز پرس کرنے والا کون ہوگا؟ وہ تجارت، علم اور دولت سے لوگوں کے ذہنوں، مزاجوں اور معاشرے کو بدل دیں گے۔ وہ روپے سے ووٹ خرید سکیں گے اور منتخب نمائندوں سے جو کام لینا چاہیں، لے سکیں گے۔ یہودی سوچ کے اس فیصلے نے ''جمہوریت'' کا سنگ بنیاد رکھا اور انہوں نے بادشاہت کے منصب کو خاک میں ملا کر ''جمہوریت'' نامی متبادل سیاست پیش کی۔ اب انہیں ہر جگہ شہری حقوق حاصل ہو گئے۔ جمہوری ممالک کی فضا ان کے حق میں سازگار بن گئی اور وہ مطلق العنان حکمرانوں کے ہاتھوں اپنے کرتوتوں کی سزا پانے سے محفوظ ہو گئے۔ جمہوریت کا نام ایسا چلا کہ آج اس کے خلاف بولنا جہالت اور پسماندگی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ جمہوریت اس وقت مقبول ترین طریقۂ حکومت اور ساری دنیا کا سکۂ رائج الوقت ہے جبکہ درحقیقت یہ نظام حکومت نہ کسی عقلی کسوٹی پر پورا اترتا ہے، نہ عملاً مفید ثابت ہوا ہے، نہ فطری طور پر درست ہے۔ اسے یہودی دماغوں نے گھڑا ہے اور یہ ان کے تسخیر عالم کے منصوبے کی سب سے اہم کڑی ہے۔ اس کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے عالمِ اسلام سے خلافت اور عالمِ کفر سے بادشاہت کا خاتمہ کیا اور ساری دنیا پر اپنے غلبۂ کلی کے لیے راہ ہموار کی۔ شروع شروع میں اس طرزِ حکومت کو مقبول بنانے کے لیے دنیا کو یہ نعرہ دیا گیا کہ یہ ایک ایسا طرزِ حکومت ہے جس میں ''عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام میں سے'' ہوگی، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے کٹر جمہوری ممالک میں ایک دن کے لیے بھی یہ نعرہ صادق نہیں آ سکا۔ یہ پُرفریب نعرہ دھوکے اور سراب کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ ایسا خواب ہے جو دیکھتے تو سب ہیں لیکن اس کی تعبیر کسی کو نہیں مل سکتی۔ اس موقع پر اگر ہم یہودی دانشوروں کے ترتیب دیے گئے منصوبوں کے خاکے پر نظر ڈالیں تو حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں جن کا جاننا جمہوریت کے سائے میں پروان چڑھنے والے نئی نسل کے ان مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے جو خلافت کے

نام سے بیزار اور بادشاہت کو گالی سمجھتے ہیں، اس لیے ذرا تفصیل سے اس نظام کے مختلف گوشوں پر صیہونی داناؤں کی مشہور زمانہ خفیہ دستاویزات کی مدد سے روشنی ڈالتے ہیں۔ان مخفی دستاویزات میں سے جن کی کل تعداد چوبیس ہے، دسویں دستاویز کا مرکزی عنوان ہے ''اقتدار کی تیاری'' ذیلی عنوانات ''عام رائے دہندگی اور جمہوریتوں کا آغاز'' سے شروع ہوکر ''فرمانروائے عالم کا اعلان'' پر ختم ہوتے ہیں، (قارئین اسی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جمہوریت اگر دنیا پر قائم رہی تو اسکا انجام کس موڑ پر جاکر ہوگا) آیئے! جمہوریت کے پُرفریب نظام کو ترتیب سے دیکھتے ہوئے چلتے ہیں۔سب سے پہلے درج ذیل اقتباس کے ذریعے یہ ملاحظہ فرمایئے کہ اس نظام حکومت کو کس طرح اور کس مقصد کے لیے ایجاد کیا گیا:

''مطلق اکثریت، چونکہ صرف تعلیم یافتہ متمول لوگوں کے ووٹ دینے سے حاصل نہیں کی جاسکتی، اس لیے اس مقصد کے حصول کے لیے ہم ہر فرد کو اس کے طبقے اور تعلیم کے امتیاز کے بغیر ووٹ دینے کا حق دلوائیں گے اور اس طرح ہر فرد میں اپنی اہمیت کا احساس اُجاگر کر کے ہم غیر یہود میں خاندان کی اہمیت اور تعلیم کی قدر و قیمت ختم کر دیں گے اور کسی فرد کی اس امکانی صلاحیت کو کہ وہ کوئی اختلافی رائے دے سکے، مفلوج کر دیں گے۔عوام، جن کی قیادت ہمارے ہاتھ میں ہوگی ایسے افراد کو آگے آنے کا موقع نہیں دیں گے اور ان کی بات سننے کے روادار نہیں ہوں گے۔عوام ہماری بات سننے کے عادی ہو چکے ہوں گے اور ہم ہی ان کی اطاعت اور توجہ خرید سکیں گے۔اس طرح ہم ایک کور چشم اور ناعاقبت اندیش عظیم قوت پیدا کریں گے جو کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکے گی کہ ہمارے گماشتوں کی رہنمائی کے علاوہ جنہیں ہم نے عوام کا قائد بنایا ہے، کسی اور کی رہنمائی قبول کرے۔لوگ صرف ان ہی کی رہنمائی قبول کریں گے چونکہ انہیں باور کرادیا گیا ہوگا کہ ان کی معاشی فلاح، خوشحالی اور حقوق کے حصول کا انحصار انہی قائدین پر ہے۔حکومت کی منصوبہ بندی صرف ایک فرد کو کرنی چاہیے۔اگر اس منصوبہ بندی میں بہت سے دماغ شامل ہوجائیں تو اس پر کبھی بھی کامیابی سے عمل درآمد نہیں کیا جاسکتا۔''

(دسویں دستاویز، جمہوریتوں کا آغاز:116)

اب اگلے اقتباس کو پڑھیے جس سے جمہوری نظام حکومت کا غیر فطری، غیر معقول اور غیر مفید ہونا بخوبی واضح ہوگا:

''انہوں نے (یعنی غیر یہودیوں نے) کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ عوام بصیرت سے محروم ہوتے ہیں اور اس لیے جو لوگ ان عوام میں سے منتخب ہو کر حکومت کرنے کے لیے آئیں گے وہ بھی رموز مملکت سے اتنے ہی نابلد ہوں گے جتنے کہ وہ عوام جنہوں نے انہیں منتخب کیا ہوگا۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ رموز مملکت کا ایک ماہر خواہ وہ کتنا ہی بیوقوف کیوں نہ ہو پھر بھی حکومت کر سکتا ہے، اس کے برخلاف کوئی عام شخص خواہ کتنا ذہین کیوں نہ ہو اس میں امور مملکت سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ان تمام امور پر غیر یہود کی توجہ گئی ہی نہیں۔''

(پہلی دستاویز، نئی اشرافیہ:83)

شریعت اسلامیہ نے حکومت کرنے کا حق اور نظام مملکت کے مرکزی اختیارات فردِ واحد یعنی خلیفۃ المسلمین کو دیے ہیں اور اس کو منتخب کرنے کا اختیار اہل علم واصحاب بصیرت کو دیا ہے۔ اگر تغلب سے بھی کوئی خلافت قائم کر دے تو اس کی خلافت کو منعقد مانا گیا ہے، کیونکہ وہ طوائف الملوکی یا جاہلوں کے منتخب کردہ کاٹھ کے الوؤں سے بہرحال بہتر ہے۔ یہودیت نے اس اسلامی نکتۂ نظر پر کاری وار کرتے ہوئے ''طاقت کا سرچشمہ'' عوام کو قرار دیا اور یوں نظام خلافت کے تارپود بکھیر کر معاشرے کے خسیس افراد کے ہاتھ میں زمام کار دے دی۔ عوام کے منتخب کردہ ان نمایندوں کی رذالت اور سفلہ پن کا مظاہرہ آج کل اسمبلی اور سینیٹ کے اجلاس کے دوران بخوبی ہوتا رہتا ہے۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ خود یہ نظام وضع کرنے والوں کے نزدیک عوام کو حکمراں کے انتخاب کا حق دینا کس قدر ضرر رساں اور خلیفۃ المسلمین کا وجود کس قدر ضروری اور مفید ہے۔

''منصوبے کے عملی پہلوؤں کی تفصیلی وضاحت کرتے ہوئے یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہمیں عوام کی کمینہ خصلت، ان کی سہل انگاری، تلون مزاجی اور ان کی

اپنی زندگی کے حالات اور اپنے نیک و بد کو سمجھنے کی صلاحیت کے فقدان سے پورا فائدہ اُٹھانا ہے۔ ہمیں یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی ہے کہ عوام کی طاقت کور چشم، بے شعور اور منطق سے عاری ہوتی ہے اور ہر وقت کسی اشارے کی منتظر۔ اسے جس سمت میں بھی چاہیں موڑا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی نابینا کسی دوسرے نابینا کی قیادت میں چلتا ہے تو اس کے ساتھ خود بھی خندق میں گر جاتا ہے۔ اسی طرح عوام کے کور چشم اور ناعاقبت اندیش ہجوم میں سے جو افراد اوپر اُبھر کر آتے ہیں خواہ کتنے ہی ذہین کیوں نہ ہوں چونکہ ان میں سیاسی شعور اور ادراک نہیں ہوتا، وہ اپنے پیچھے چلنے والی پوری قوم کو لے ڈوبتے ہیں۔''

(پہلی دستاویز، بنیادی اصول:80)

یہودیوں کی برپا کردہ جمہوریت نامی سازش سے پہلے دنیا میں دو ہی نظام حکومت ہوتے تھے: خلافت اور بادشاہت۔ دونوں میں اختیارات کا ارتکاز فردِ واحد کے ہاتھوں میں ہوتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ نظامِ خلافت میں اقتدارِ اعلیٰ آسمانی تعلیمات کا پابند ہوتا جبکہ بادشاہی نظام میں ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ یہودیوں نے جمہوریت کا غلغلہ بلند کر کے ان دونوں نظاموں کو ختم کر دیا۔ اب دنیا بھر میں یہودیوں کا دیا ہوا ''عوامی طرزِ حکومت'' رائج ہے جو ان کے مفادات کا نگہبان ہے البتہ جہاں انہیں اس نظامِ حکومت سے خطرہ نظر آنے لگتا ہے وہاں وہ اب بھی خود مختار بادشاہتوں کو قائم و دائم رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ راقم کا اشارہ خلیجی ریاستوں کی طرف ہے، جہاں کے حکمرانوں کا انتخاب عوامی انتخاب کے بغیر قدیم ملوکیت کے طرز سے ہوتا ہے، لیکن مغربی دنیا اس پر معترض نہیں، اس کے برعکس ساری دنیا کے ممالک کی امداد اور تجارتی معاہدے وغیرہ جمہوری نظامِ حکومت اپنانے کے ساتھ مشروط ہیں۔ اس فرق کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ خلیج میں یہودی مفادات کے پاسبان حکمران اسی قدیم طرزِ حکومت سے ہی میسر آ سکتے ہیں۔

حال ہی میں اُردن کے حکمران شاہ حسین کے جانشین شاہ عبداللہ کا انتخاب اس

بہترین مثال ہے۔ان ممالک میں جمہوری قدروں کے رواج پا جانے سے اندیشہ ہے کہ مغربی اقوام اور یہودیوں کے مفادات کو ٹھیس نہ پہنچے، کیونکہ وہاں دینی روایات کی جڑیں اس قدر گہری ہیں اور دینی حلقوں کا شعور اس قدر قوی ہے کہ وہ یہودیوں کے مطلب کے آدمی کو آگے نہیں آنے دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں جمہوریت شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن مغربی ممالک کے ان کے ساتھ تعلقات پر آنچ نہیں آتی جبکہ یہی ممالک دنیا بھر میں کسی بھی ملک کے ساتھ روابط کی بنیاد جمہوریت کے ہونے یا نہ ہونے پر رکھتے ہیں اور مارشل لا تک کو برداشت نہیں کرتے۔

آیئے! یہودیوں کی خفیہ دستاویزات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ یہودی نظامِ خلافت و بادشاہت کے اس قدر دشمن اور جمہوریت کے حامی کیوں تھے۔

پہلی دستاویز میں ایک جگہ درج ہے:

''صرف وہی فرد جسے بچپن سے ہی آزاد حکمراں بننے کی تربیت دی گئی ہو، ان الفاظ کے معنی سمجھ سکتا ہے جن سے سیاسی ابجد کی تدوین ہوتی ہے۔

اگر کسی قوم کی قیادت شروع ہی سے عوام میں سے ابھرنے والے ان کم ظرف اور چھچھورے افراد کے حوالے کر دی جائے تو ان کی آپس کی مخاصمانہ کشمکش، طاقت اور اقتدار کے لیے رسہ کشی اور اس کے نتیجے میں برآمد ہونے والی بدنظمی اس قوم کو جلد ہی تباہی کے کنارے پر پہنچا دیتی ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ عوام کا غیر منظم مجمع اطمینان اور سکون کے ساتھ سوچ سمجھ کر اور بغیر چھوٹی چھوٹی رقابتیں درمیان لائے ہوئے درست فیصلے کر سکے؟ کیا وہ کسی بیرونی دشمن سے اپنا دفاع کر سکتا ہے؟ کیا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس منصوبے کا کیا حشر ہوگا جسے مختلف دماغ اپنے اپنے طریقے سے چلانے کی کوشش کر رہے ہوں؟ ایسا منصوبہ یقیناً ناقابل فہم اور ناقابل عمل ہوگا۔

یہ صرف ایک مطلق العنان حکمراں [شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں امیر المؤمنین:

راقم) کے لیے ہی ممکن ہے کہ وہ منصوبوں کو جامع اور واضح انداز میں ان کی جزئیات کے ساتھ اس طرح روبعمل لائے کہ سیاسی نظام کے کل پرزوں میں اختیارات کی تقسیم ہوسکے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی ملک کے لیے بہترین نظام حکومت صرف وہی ہوسکتا ہے جس میں طاقت کا ارتکاز ایک ذمہ دار فردِ واحد کے ہاتھ میں ہو۔''

(پہلی دستاویز، سیاسیات بمقابلہ اخلاقیات: 80)

مسلمانوں نے جمہوری نظام اپنا کر اور خلافت سے محروم ہوکر کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور اب بھی اس شیطانی طرزِ حکومت کو اپنائے رہے تو ان کا انجام کیا ہوگا؟ یہودی دانشور اس بارے میں کچھ یوں کہتے ہیں:

''آزاد خیالی کے تصور نے آئینی طرز پر چلنے والی حکومتوں کو جنم دیا اور ان حکومتوں نے اس ادارے کی جگہ لے لی جو غیر یہود کے حقوق کا واحد محافظ تھا یعنی مطلق العنان حکمراں۔ (مسلمانو! کیا تمہیں اب بھی نظام خلافت کی برکات اور اس کے برحق ہونے اور اس کے قیام کے واجب ہونے میں شک ہے۔ راقم) آئینی حکومت جیسا کہ آپ کو معلوم ہے نفرتوں، غلط فہمیوں، جھگڑوں، اختلاف رائے، بے معنی احتجاج اور جماعتی انا کی تسکین کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک جملے میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے: ''یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ہر اس چیز کی خدمت کرتا ہے جو مملکت کی استعداد کے تشخص کو نیست و نابود کرتی ہے۔'' درحقیقت ان ہی وجوہات کی بنا پر اکثر ملکوں میں بادشاہت کو معزول کیا جاچکا ہے اور اس کے بعد ہی جمہوری حکومتوں کے قیام کا ایسا امکان پیدا ہوسکتا ہے کہ اسے روبعمل لایا جاسکے۔ اس کے بعد ہم نے حکمرانوں کے بدلے، صدر کی شکل میں انہیں کاٹھ کا الو دے دیا جو عوام میں سے چنا جاتا ہے اور ان کٹھ پتلیوں کا منتخب کردہ ہوتا ہے جو ہمارے غلام ہیں۔ یہ اس بارودی سرنگ کی بنیاد تھی جو ہم نے غیر یہودی حکومتوں کے نیچے بچھائی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ تمام غیر یہودیوں کے نیچے بچھائی تھی۔

عوام جب یہ دیکھیں گے کہ آزادی کے نام پر ہر قسم کی مراعات حاصل کی جاسکتی

ہیں تو وہ بزعم خود یہ سمجھنے لگیں گے کہ انہوں نے اپنی حاکمیت خود اپنے زور بازو سے حاصل کی ہے......لیکن اسی کوتاہ بینی اور کورچشمی کی وجہ سے انہیں قدم قدم پر ٹھوکریں کھانی پڑیں گی اور پھر انہیں کسی راہبر کی تلاش ہوگی۔ اب پچھلی صورت حال پر واپسی کے تمام راستے مسدود ہو چکے ہوں گے اور اس طرح کلی اختیارات ہمارے قدموں تلے آ جائیں گے۔ آپ کو فرانسیسی انقلاب یاد ہے۔ اسے ہم نے انقلاب عظیم کا نام دیا تھا۔ اس انقلاب کی تیاری کے رازوں سے صرف ہم ہی واقف تھے اور سب کچھ ہمارا ہی کیا دھرا تھا۔

اس وقت سے لے کر آج تک ہم عوام کو مسلسل یکے بعد دیگرے محرومیوں اور ناامیدیوں سے دوچار کر رہے ہیں تا آنکہ آخر میں وہ ہم سے بھی بددل ہو کر اس مطلق العنان بادشاہ کی اطاعت قبول کر لیں جو صہیونی نسل سے ہوگا اور جسے ہم دنیا کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں ہم ایک بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے ناقابل تسخیر ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی ملک ہمارے اوپر حملہ آور ہو تو دوسرے ممالک ہماری مدد کرنے کو دوڑ پڑتے ہیں۔'' (تیسری دستاویز، تسخیر کا طریق کار: 93،94)

بات جمہوریت تک رہتی تو بھی نسبتاً غنیمت تھی کہ اس کے ساتھ ''اسلامی جمہوری'' کا لاحقہ لگ سکتا تھا، لیکن یہود نے اگلے مرحلے میں لادین جمہوریت کا نظریہ پیش کیا۔ اس مرتبہ انہوں نے اس نظریے کے ذریعے بادشاہت اور مذہب دونوں کو مٹا دیا۔ جمہوریت کے ساتھ لادینیت کے رجحانات پیدا کرنے سے یہود کا مقصود یہ تھا کہ وہ انسان کو عقل کی نگری میں لے جائیں تا کہ ہر شخص جو دو آنکھیں، دو کان، دو ٹانگیں، ایک پیٹ اور ایک سر رکھتا ہے اپنی عقل سے گرد و پیش کا جائزہ لے، اپنا فیصلہ صادر کرے، اپنا حق مانگے۔ بچہ جوان کے خلاف اور جوان اپنے بزرگوں کے خلاف اعلان جنگ کرے۔ ماں باپ کا، اولاد سے تسلط اور نگرانی کا حق اُٹھ جائے کہ انہیں اپنے بچوں پر عقلی اور اخلاقی فوقیت رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ خاندانی نظام کی بنیادیں مسمار ہو جائیں۔ بڑوں کی سرپرستی اور نگرانی کا سایہ ختم ہو جائے۔ یہاں تک کہ دنیا بھر کی قومیں اپنی مذہبی اقدار، تہذیبی روایات اور سماجی نظم وضبط

سے کٹ گئیں اور اس کے ساتھ ہی انسان کو خلافت و بادشاہت اور پیغمبرانہ تعلیمات کا جو عطیہ
خدا نے بخشا تھا، نابود ہو گیا۔ اب انسان دنیا کے دوسرے جانوروں کی طرح ایک جانور ہے
جس کا فطرت اور مافوق الفطرت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس حیوانیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ
انسانیت کی وہ قدریں بھی مفقود ہو گئیں جنہوں نے انسان کو ہوا و ہوس، شیطنت، خود غرضی،
لالچ اور شہوت پر قابو دلا کر فرشتوں سے برتر کر دیا تھا۔ اب وہ ایک معاشرتی جانور ہے جس کی
غرض اپنے پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کو بہتر سے بہتر طریقے سے پورا کرنا اور چند روزہ زندگی
میں زیادہ سے زیادہ لذتیں سمیٹنا ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں اور یہ انسانی پستی اور گراوٹ کا
وہ مقام ہے جہاں تک انسان غاروں اور جنگلوں کے دور میں بھی نہیں پہنچا تھا۔

لادینیت کی اشاعت کی تحریک یہود کو اس طرح سوجھی کہ یورپ میں عیسائیت
انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیتی تھی، لہٰذا انہوں نے اس کا قلع قمع کرنے کی ٹھانی اور اس
کے لیے یہودی دانشوروں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے اعتراضات نکالے کہ عیسائیت کو جدید
معاشرے سے دیس نکالا دے کر چھوڑا۔ اسے چرچ میں پناہ لیتے ہی بنی۔ موجودہ عیسائیت
چونکہ تحریف شدہ اور پادریوں کی ناقص عقلوں کی گھڑی ہوئی تھی، اس لیے شاطر یہودی عالموں
کی تنقید کی مار نہ سہہ سکی۔ چنانچہ یورپ کی وہ قومیں جنہیں عیسائیت جان سے پیاری تھی اور
جو کبھی اس کے لیے مسلمانوں سے جنگیں کرتے پھرتے تھے، کبھی یہود کو کاٹتے نوچتے تھے،
اب اس کے نام سے شرمسار ہونے لگے۔ اب جمہوریت اسی عیسائی دنیا میں رائج ہے
جہاں کی بھاری اکثریت آج بھی بائبل اور یسوع مسیح پر ایمان رکھتی ہے اور مردم شماری میں
خود کو عیسائی کہتی ہے لیکن جسے اپنے نظامِ حکومت کو عیسائیت سے منسوب کرتے ہوئے عار
آتی ہے۔ آج بھی ان ملکوں کے مبلّغ افریقا اور ایشیا کے دور دراز علاقوں میں لوگوں کو
مسیحیت کی تعلیم دینے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ آج بھی ان کے مشن غیر عیسائی
ممالک میں اسکول اور کالج کھول کر عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں، لیکن خود یورپ اور امریکا
میں ان کا یہ حال ہے کہ اپنی حکومتوں کو "لادین جمہوریت" کہلانا ان کے لیے باعث فخر ہے

اور اپنے مذہب کو نظام مملکت میں دخل انداز قرار دینا باعث ننگ و عار۔ یہود نے لادین جمہوریت کو ایسا رواج دیا کہ ان کا دوست بھارت بھی، جو ہندومت میں اتنا کٹر ہے کہ اس میں گزشتہ ساٹھ سال سے بے بس مسلمان، تنگ نظر اور متعصب ہندوؤں کے مظالم سہہ رہے ہیں، اسی لادین جمہوریت کو اپنی پیشانی پر سجانا کمال انسانیت قرار دیتا ہے۔

عیسائیت پر یہودیوں نے عقلی و منطقی اشکالات کا جو دہانہ کھولا تھا وہ اپنے ساتھ خود ساختہ مسیحیت کو جب بہا کر لے گیا تو یہودیوں نے یہی وار مسلمانوں پر کرنا چاہا۔ انہوں نے اسلام کا بھی عرق ریزی سے مطالعہ کیا اور کرید کرید کر ایسے اعتراضات نکالے جو عقلیت پسندوں کو اسلام سے برگشتہ کردیں اور وہ یہ سمجھنے لگیں کہ اسلام بھی عقل و منطق کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا، نہ جدید دور کے مسائل میں انسانیت کی رہنمائی کرسکتا ہے، لیکن اسلام چونکہ خالق کائنات کا بھیجا ہوا ابدی دین ہے اور اصلی حالت میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے لہٰذا یہاں یہودیوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ان کا وہ داؤ جسے کھیل کر انہوں نے عیسائیت کو یورپ کی عقل نگری میں چاروں شانے چت کردیا تھا، یہاں کام نہ آسکا۔ علمائے اسلام تعقلیت کے اس طوفان کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑے ہوگئے اور ٹھوس استدلالات کے ذریعے یہودیوں اور ان کے گماشتوں کے اشکالات کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں۔ ماضی قریب میں مستشرقین نے اسلام پر رکیک اعتراضات کا جو طومار باندھ رکھا تھا، اب تھم گیا ہے۔ فجزاهم الله عن سائر المسلمين خيراً.

بات جمہوریت سے ہوتے ہوئے ذرا دور چلی گئی...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس کے ماننے والے موجودہ دور میں اپنے مذہب کی روشنی میں اپنا نظام حیات طے کرسکیں یا اپنے مستقبل کا پروگرام بنانے کے لیے اس سے مدد لے سکیں۔ آج کا ہر آئین یا تو مذہب کو تسلیم ہی نہیں کرتا، اگر کرتا ہے تو سیاسیات، اقتصادیات و عمرانیات کو اس سے مستثنیٰ قرار دے کر دین سے ''بالاتر'' ہوجاتا ہے۔

یہ امر اس حقیقت کا کھلا اعتراف ہے کہ یا تو ان مذاہب کو آج کے سیاسی و سماجی

مسائل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جرأت نہیں یا پھر ان کے ماننے والے ایسے احساس کمتری میں مبتلا ہیں کہ ان کو اپنے مذہب کا دم بھرنے سے شرم آتی ہے۔ دونوں صورتوں میں فتح یہود کی ہے کہ انہوں نے دنیا جہان کو لادین جمہوریت کی ذلت قبول کرنے پر مجبور کر کے خود اپنے عقائد کو انتہائی سختی اور شدومد کے ساتھ اپنائے رکھا۔ اسپین میں یہودیوں کی ایک قسم آباد ہے جنہیں "مرانو" کہتے ہیں۔ مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے اور عیسائیوں کے برسر اقتدار کے بعد انہوں نے حالات کے تقاضے کے تحت دکھانے کے لیے عیسائیت قبول کر لی۔ نیو کرسچین کہلائے، لیکن نسلاً بعد نسلٍ اپنے بچوں کے خون میں یہودیت ماں کے دودھ کی طرح داخل کرتے رہے۔ ان کے گھر چرچ بنے رہے اور کٹر متعصب عیسائی بھی ان کی ظاہر داری پر انگلی نہ اُٹھا سکے۔ تین سو سال تک ان کی یہ دو عملی چلتی رہی...... لیکن جیسے ہی حالات سازگار ہوئے انہوں نے علی الاعلان یہودی ہونے کا ڈھول پیٹ دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اسپین میں چند یہودیوں نے قبول عیسائیت کے لیے رضامندی ظاہر کی تو پادری کو بلایا گیا۔ پادری کے آنے میں دیر ہوگئی۔ شام قریب تھی۔ ان یہودیوں نے غم و غصے کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ عیسائی حیران تھے کہ انہیں عیسائی بننے کی ایسی کیا جلدی ہے؟ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہیں یہودی عقائد کے مطابق مغرب کی دعا پڑھنے میں دیر ہو رہی ہے۔

الغرض! یہ تھے یہود، دنیا کی عیار و مکار ترین قوم، جنہوں نے ساری دنیا کو جمہوریت کے سراب کے پیچھے سرگرداں کر رکھا ہے۔ ان سے بادشاہت کا نظام چھین کر اور انہیں مذہب کی تعلیمات سے بیزار کر کے اعلیٰ نظریات، اخلاقیات اور اقدار و روایات سے محروم کر دیا ہے۔ اس طرح دنیا کو گمراہی اور جہالت کی چادر اوڑھا کر جدیدیت اور ترقی پسندی کے خالی خولی نعرے دے دیے ہیں، جنہیں وہ سدھائے ہوئے جانوروں کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر لگاتی رہتی ہے اور خود کو مہذب ترین سمجھتی ہے جبکہ فی الحقیقت وہ ایسی بدترین پستی اور پسماندگی میں مبتلا ہے جس سے اسلام کی روشن تعلیمات کے بغیر نکلنا ممکن نہیں۔

انسان جانور کیوں بن گیا ہے؟

(3) یہودیوں کی تیسری خاص حکمت عملی ''کمرشلائزیشن'' ہے۔ کمرشلائزیشن کا مطلب ہے تمام انسانی زندگی اور اس کی تگ ودو کو مادیت میں محدود کر دینا اور تمام مادی اشیا، خدمات، بات حتیٰ کہ فطری خواہشات کو خالص مادی پیمانے کے اعتبار سے قابل تبادلہ بنانا یعنی خرید و فروخت کے دائرے میں لانا۔ اس نظریے کے تحت ہر چیز، خدمت، جذبہ اور فطرت مادی اشیا کی طرح مال بن جاتی ہے اور قابل فروخت ٹھہرتی ہے۔ کمرشلائزیشن کی انتہا یہ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز، خدمت، جذبہ اور فطرت ایسی باقی نہ رہے جو مال کی طرح قیمت نہ رکھتی ہو اور قابل خرید و فروخت نہ ہو۔ کمرشلائزیشن کا ہدف ہے دنیا میں پائے جانے والے تمام مادی، غیر مادی اور انسانی وغیر انسانی وسائل پر یہودیوں کی اجارہ داری قائم کرنا اور ساری دنیا کو اپنا دائمی غلام بنالینا۔ کمرشلائزیشن کے سیکڑوں طریقے روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ساری کارروائیاں، سلامتی کونسل کے فیصلے، اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیمیں، عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) اور عالمی بینک (World Bank) کی کارروائیاں دیگر بین الاقوامی ادارہ جات، اسلحوں کی تخفیف (N.P.T) کی کارروائیاں، خاندانی منصوبہ بندی کی کوششیں، ماحولیاتی تحریکیں، اسقاط حمل کو قانونی قرار دینا، سب کی سب کمرشلائزیشن کی ذیلی شاخیں ہیں حتیٰ کہ یوتھینیز یا یعنی اپنے پسند سے اپنی موت کا فیصلہ کرنا اور میڈیکل سائنس کے وہ تمام تجربے اور ایجادات جن میں انسانی جسم کی ہر چیز قابل استعمال اور قابلِ فروخت ہو، اسی کا حصہ ہے۔ چنانچہ فیملی پلاننگ، اسقاط حمل کو قانونی بنانا، جینیاتی تحقیق اور جینٹک سائنس کے محیر العقول تجربات (جن کے تحت انسانی اعضا مصنوعی طور پر تیار کرنے کے تجربات ہو رہے ہیں حتیٰ کہ مصنوعی جاندار بنانے کے تجربات ہو رہے

ہیں اور اب تو کلوننگ کے ذریعے ہم شکل انسان پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں) دراصل اس کمرشلائزیشن کی انتہائی منزل پر پہنچنے کی کوشش ہے جہاں یہودی ایک عالمگیر طاقت کے اعتبار سے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ کتنے لوگوں کو زندہ رہنا چاہیے اور کتنوں کو نہیں؟ ساتھ ہی ساتھ یہودیوں کے علاوہ دیگر انسانی آبادی کے سلسلے میں ان کا نظریہ وہی ہے جو سامان اور اشیا کے بارے میں ہے یعنی اگر کسی خاص وقت میں انسانی وسائل کی زیادہ ضرورت ہے تو اتنے انسان پیدا کر لیے جائیں اور جب ضرورت نہ ہو تو انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی، کلوننگ اور مرغبانی کے مراکز میں جو تجربات ہو رہے ہیں (یعنی مثلاً وہ کسی دن ایک لاکھ چوزے نکالتے ہیں، اگر پچاس ہزار بک سکے تو بقیہ پچاس ہزار کو برقی چولہوں میں جلا ڈالتے ہیں، اس لیے کہ پچاس ہزار کو ایک دن پالنا دوسرے دن نئے پچاس ہزار پیدا کرنے کے مقابلے میں مہنگا ہوتا ہے) یہ سب اسی کمرشلائزیشن کا حصہ ہے۔

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط میں فری میسن کا کردار

گزشتہ دوسو سال میں عالمِ اسلام کے مختلف خطوں میں فری میسن نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے، ان میں سرفہرست ''خلافتِ عثمانیہ'' کے سقوط کے لیے تشکیل دیا جانے والا منصوبہ تھا۔ یورپ کے اکثر ملکوں کا سیاسی و اخلاقی ڈھانچہ تباہ کرنے اور روس میں زار کی حکومت ختم کر کے وہاں اشتراکیت قائم کرنے کے بعد یہودیوں کا اگلا منصوبہ فلسطین کی جانب پیش قدمی کرنا تھا تاکہ وہاں ایک آزاد یہودی ریاست قائم کی جاسکے۔ فلسطین اس زمانے میں سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا لہٰذا کوشش کی گئی کہ عثمانی سلطان کو رام کر کے وہاں زمین خریدی جائے۔ سلطان عبدالحمید جب اس پر کسی طرح تیار نہیں ہوئے تو ان کے خلاف وہ عظیم سازش کی گئی جس کی کامیابی پر یہودی آج تک فخر کرتے ہیں۔ ترکی کے انقلاب کا تفصیلی منصوبہ بنانا اور اس کی جزئیات کو عملی جامہ پہنانا بین الاقوامی صہیونیت کا شاہکار ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل محمد صفوت السقہ امینی مرحوم اور ان کے معاون سعدی ابوحبیب نے سیکرٹری جنرل شیخ علی الحرکان کی ہدایت پر ''فری میسنری'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی۔ اس موضوع پر اُردو زبان میں بھی متعدد کتابیں شائع ہوئیں لیکن شیخ صفوت کی کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ ایک بڑا اہم خفیہ خط بھی شامل کیا گیا تھا جو اُردو زبان میں کہیں شائع نہیں ہوسکا۔ یہ خط اب سے 84 سال قبل برٹش انٹلی جینس کے ایک ایجنٹ ''جیرالڈ لوتھر'' نے قسطنطنیہ سے برطانوی حکومت کے اہم رکن سرسی ہارڈنگ کو 29 مئی 1910ء کو اس وقت لکھا تھا جب ترکی میں خلافت عثمانیہ کی بساط لپیٹنے کے لیے فری میسن تحریک بہت سرگرم تھی اور اس کے بیرونی و مقامی کارندے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عسکری شعبوں میں اپنی سازشوں کے جال پھیلا رہے تھے۔ اس خفیہ خط میں جو تفصیلات

پیش کی گئی ہیں وہ اگر چہ 84 سال پرانے واقعات سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ایک تو اس سے فری میسن کے طریق کار کا علم ہوتا ہے دوسرے آج ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے نام سے دنیا بھر میں اور بالخصوص پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر ان تفصیلات کا اطلاق حیرت انگیز طور پر اس طرح ہوتا ہے جیسے ہم ماضی کے آئینے میں حال کی تصویر دیکھ رہے ہوں۔ خط کا متن ملاحظہ کیجیے۔

فری میسن نے ترکی سے خلافت کا خاتمہ کیسے کیا؟

خفیہ خط میں برطانوی انٹیلی جنس ایجنٹ کے اہم انکشافات

''سر جیراڈ لاؤتھر'' (Sir Gerard Lawther) کا خفیہ مکتوب سر چارلس ہارڈنگ (Sir Charles Harding) کے نام جو انہوں نے 29 مئی 1910ء کو قسطنطنیہ سے بھیجا تھا۔ خط کے اوپر ذاتی اور خفیہ کا اندراج بھی تھا۔

''پیارے چارلس!

گورسٹ کا 23 اپریل اور تمہارا 25 اپریل کا تار مجھے مل گیا ہے جس میں تم نے اور گورسٹ نے محمد فرید کی مصر میں بطور قسطنطنیہ کے فری میسن تحریک کے مندوب کی نامزدگی کا ذکر کیا ہے اور اس امر کا بھی انکشاف کیا ہے کہ محمد فرید کے ''کمیٹی برائے اتحاد و ترقی'' سے بہت گہرے روابط ہیں۔ اسی لیے میں تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نوجوان ترک تحریک میں فری میسن تحریک کا خاصا عمل دخل ہے۔ میرے خط کے ذاتی اور خفیہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ترکی میں فری میسن تحریک حقیقتاً خفیہ اور سیاسی ہے۔ یہاں انگلستان اور امریکا کی طرح اس پر کھلے بندوں کام نہیں ہوسکتا۔ یہاں اس تحریک کے متعلق ساری معلومات رازداری میں رکھی جاتی ہیں۔ اگر کوئی اس کے سیاسی عزائم و راز افشا کردے تو اسے ہر وقت اس امر کا خدشہ رہتا ہے کہ پتا نہیں کس وقت وہ مافیا کا شکار ہوجائے؟ کچھ دن ہوئے ایک مقامی فری میسن نے کچھ راز افشا کردیے تھے۔ اسے فوراً یہ پیغام پہنچایا گیا کہ اس جرم کی پاداش میں فری میسن اپنے کورٹ مارشل کے ذریعے اسے

موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔

جیسا کہ تمہارے علم میں ہے پیرس میں قائم نوجوان ترک تحریک بالکل مختلف ہے اور اسے سیلونیکا میں جو تحریک کام کر رہی ہے اس کے عزائم کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ اس شہر کی آبادی تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار ہے جس میں سے 80 ہزار ہسپانوی یہودی ہیں۔ اس میں سے بیس ہزار ایسے یہودی ہیں جنہوں نے اپنی اصلیت چھپانے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ ہسپانوی یہودیوں میں سے بیشتر نے اطالوی شہرت حاصل کر لی تھی اور اس حساب سے اب ان کا تعلق اطالوی فری میسن تحریک سے ہے۔ ناتھن...... جوروم کا لارڈ میئر ہے...... یہودی ہے اور فری میسن تحریک میں وہ ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ اٹلی کے دو وزرائے اعظم لوزائی اور سونینو اور بعض ممبران سینیٹ اور اسمبلی یہودی تھے اور فری میسن سے وابستہ تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ قدیم اسکاٹ لینڈ کی تحریک کے پیروکار تھے۔

چند سال قبل سیلونیکا کے ایک یہودی فری میسن ''ایمونیل کراسو'' جو عثمانیہ چیمبر میں اس شہر کا نمائندہ بھی ہے، نے ''مقدونیہ رسیورٹا'' نامی ایک فری میسن لاج کی بنیاد رکھی۔ اس کا تعلق اٹلی کی فری میسن تحریک سے تھا۔ اس نے نوجوان ترک فوجی افسران اور عام شہریوں کو اس بات پر اکسایا کہ وہ ترکی کی حکومت عثمانیہ کے خلاف ان کی تحریک سے وابستہ ہو جائیں۔ جو لوگ حکومت وقت کے خلاف تھے ان کو اس کا یہ فائدہ تھا کہ اگر وہ کسی غیر ملکی ادارے کی حدود میں ہوں تو حکومت ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھی۔ اس وقت کے سربراہ مملکت عبدالحمید کے جاسوسوں کو اس تحریک کا علم ہو گیا۔ اسماعیل ماہر پاشا نامی ایک جاسوس کو اس تحریک کا علم ہوا تو اس نے یلدز پیلس (شاہی محل) کو اس کی اطلاع پہنچا دی... لیکن سے جولائی 1908ء کے انقلاب کے زمانے میں قتل کر دیا گیا۔ قتل اس طرح کیا گیا کہ وہ ت کے اندھیرے میں حادثہ نظر آئے۔ حکومت نے فری میسن لاج کے آس پاس اپنے سوس تعینات کر رکھے تھے جو فری میسن لاج میں آیا جایا کرتے تھے۔ فری میسن تحریک نے ؛مت کی اس کارروائی کو ناکام بنانے کے لیے خفیہ پولیس کے افراد کو اپنے ''بھائی'' کے

نام سے تحریک کا ممبر بنانا شروع کر دیا۔ سیلونیکا کی تحریک خالصتاً یہودی تھی اور نوجوان ترکوں کا نعرہ ''آزادی، اتحاد اور برابری'' بھی اٹلی کی فری میسن تحریک کا عطا کردہ تھا۔ دونوں کے رنگ سرخ اور سفید بھی یکساں تھے۔ جولائی 1908ء کے فوراً بعد جب نوجوان ترکوں کی کمیٹی نے قسطنطنیہ میں اپنے قدم جما لیے تو پتا چلا کہ اس کے چیدہ ممبران میں سے بیشتر فری میسن تھے۔ یہودی کراسو اپنے پتے بڑے ہوشیاری سے استعمال کر رہا تھا اور اسے اب خاصے اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ اس نے بلقان کمیٹی پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اب یہ امر بالکل عیاں تھا کہ ہر قسم کے یہودی، مقامی یا بیرونی سب کے سب اس نئی صورتِ حال کے حامی و مددگار تھے، یہاں تک کہ ایک ترک نے بر سرِ عام اس خیال کا اظہار کیا کہ ہر یہودی اس کمیٹی کی طرف سے جاسوسی کا کام کر رہا ہے اور عوام میں یہ تاثر بھی عام ہو گیا ہے کہ یہ ترکی انقلاب نہیں بلکہ یہودی انقلاب ہے۔ شاید تمہارے علم میں یہ بات ہو کہ کٹر مسلمان فری میسنری کے سخت خلاف ہیں۔ یہ لوگ اسے لامذہبیت سے بھی زیادہ خراب سمجھتے ہیں۔
کمیٹی برائے اتحاد ترقی کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی تھی آخر کار وہ 13/اپریل 1909ء کی بغاوت پر منتج ہوئی۔ اس بغاوت کی ایک اہم وجہ فری میسنری سے لوگوں کی نفرت تھی۔ ان واقعات کا اب تک کوئی صحیح تجزیہ نہیں ہو پایا ہے لیکن اس وقت بھی اس امر کا نوٹس لیا گیا تھا کہ وہ چار بٹالین جو خاص طور سے سیلونیکا سے دارالخلافہ کی طرف بھیجی گئی تھیں اور جنہیں کامل پاشا تیسری فوجی کور کی طرف بھیجنا چاہتا تھا، اس نے بغاوت کر دی۔ حقیقتاً ان بٹالینوں کی کمان ''رمزی بے'' نامی ایک کرنل کر رہا تھا۔ رمزی بے اصل میں ایک یہودی اور فری میسن تھا جس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اس حرکت پر رمزی بے کا کورٹ مارشل ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے بجائے اسے سلطان محمد پنجم کا چیف اے ڈی سی مقرر کر دیا گیا۔ سلطان محمد پنجم کو یہودی سازش کے تحت معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ سلطان عبدالحمید تخت نشین ہوئے۔ کراسو ہی [قرہ صوہ آفندی] عبدالحمید کے پاس سلطان محمد پنجم کی معزولی کی خبر لے کر گیا تھا۔ سلطان عبدالحمید کو سازشی عناصر سلونیکا لے کر گئے اور وہاں کمیٹی کے اطالوی

یہودی بینک والوں کے گھر میں تقریباً مقید کر دیا اور رمزی بے کے ایک بھائی کو ان پر نگراں کے طور پر تعینات کر دیا گیا۔ سلطان کی معزولی کے بعد سلونیکا کے یہودی اخبارات نے بڑے زوردار الفاظ میں یہ خبر چھاپی کہ اسرائیل پر مظالم ڈھانے والے سے نجات مل گئی۔ سلطان نے دو مرتبہ صہیونی لیڈر ہرزل کی اپیل مسترد کر دی تھی اور فلسطین میں صہیونی عزائم کو بار آور نہیں ہونے دیا تھا۔ ہیمبرگ میں دسمبر 1909ء میں نویں صہیونی کانگریس میں باضابطہ اعلان کیا گیا کہ یہودی دنیا میں صہیونیوں اور دوسرے یہودیوں کے درمیان جو اختلافات تھے، وہ ترکی انقلاب کے معجزہ کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ "جاوید بے" جو حقیقتاً یہودی اور فری میسن تھا اور سیلونیکا کا نمائندہ تھا، وزیر مالیات بنا دیا گیا اور ایک دوسرا فری میسن "طلعت بے" وزیر داخلہ کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا۔ علمی پاشا نے بھی جو وزیر اعلیٰ تھے فری میسن بننے کی درخواست دی تھی لیکن اس کے بعد انہوں نے اس میں "دلچسپی" نہیں ظاہر کی۔ دو سال کے لیے مارشل لا لگا دیا گیا۔ مارشل لا عدالتوں کے بیشتر عہدیدار فری میسن تھے۔ پارلیمنٹ کو "حکم" دیا گیا کہ وہ پریس کے متعلق ایک نہایت ہی سخت قانون منظور کرے اور سلونیکا کا ایک شخص جو بظاہر مسلمان لیکن حقیقتاً یہودی اور فری میسن تھا، پریس بیورو کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا۔ اس کے اختیارات بے حد وسیع تھے۔ اسے اختیار تھا کہ "نئی حکومت پر تنقید" کرنے والے کو اگر وہ چاہے تو بند کر سکتا تھا اور اخبار کے مالک اور ایڈیٹر کو کورٹ مارشل کے تحت سزا دے سکتا تھا۔ ایک عثمانیہ ٹیلی گراف ایجنسی کا افتتاح بھی کیا گیا جو کمیٹی کو اندرونی و بیرونی حالات سے باخبر رکھتی۔ اس ایجنسی کا روح رواں بھی بغداد کا ایک یہودی تھا۔

یہودی اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوتے ہوتے رہ گئے کہ سلونیکا کے ایک یہودی وکیل اور فری میسن کو وزارتِ انصاف کا مشیر بنا دیا جائے۔ اتحاد و ترقی کی کمیٹی کی قسطنطنیہ کی شاخ کو چلانے والا بھی بظاہر مسلمان لیکن حقیقتاً ایک یہودی اور فری میسن ہے۔ سلونیکا کے یک بظاہر مسلمان لیکن حقیقتاً یہودی اور فری میسن کو دارالخلافہ کا لارڈ میئر بنانے کی کوشش جاری ہے۔ اگرچہ اس میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی لیکن امکان یہی ہے کہ اس کوشش کے

مثبت نتائج برآمد ہوں گے کیونکہ مصر کا ایک فری میسن شہزادہ سعید حلیم ڈپٹی میئر بننے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ فرانس کی طرح قسطنطنیہ کے لارڈ میئر کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ شہر کے سارے معاملات اس کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ اس طرح وہ عام شہریوں کی زندگی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ میونسپلٹی کے انتخابات پر بھی وہ اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہاں اس قسم کے؟؟ شپ کا ماڈل کامیابی سے پیش کیا گیا ہے اور روز بروز ترقی کے زینے طے کر رہا ہے۔ آئے دن اس کی ترقی اور کامیابی کے ڈھنڈورے پیٹے جاتے ہیں اور فرضی عالمی اعزازات سے اسے نوازا جاتا ہے۔ اس قسم کا ایک محکمہ ہمارے عروس البلاد میں بھی وجود میں آ چکا ہے۔

اس کے علاوہ قسطنطنیہ کے نمائندوں کے انتخاب میں اس کا اثر ورسوخ کام آ سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ پرانی وزارت پولیس کی جگہ اب ایک ''عوامی حفاظتی محکمہ'' تشکیل دے دیا گیا ہے جو پولیس اور نیم فوجی تنظیموں کو کنٹرول کرے گا۔ یہ محکمہ سلونیکا کے ایک فری میسن کے ماتحت ہو گا۔ پارلیمنٹ کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ ایک قانون کے تحت کوئی اور مثلاً یونانی یا بلغاریہ کے لوگ کسی طرح کی تنظیم نہیں بنا سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمیٹی برائے اتحاد وترقی ہر ایک پر حاوی ہوئی اور ہر تحریک وتنظیم کو کچل دیا گیا اور کمیٹی خود ایک خفیہ انقلابی سوسائٹی کے بجائے ایک ''سیاسی اور معاشرتی سوسائٹی'' میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے اپنے قواعد وضوابط باقاعدہ مشتہر کیے۔ اس طرح کی متعدد سوسائٹیاں ہمارے ہاں دیکھی سنی اور محسوس کی جاتی ہیں۔

اس تبدیلی کے بعد فری میسن لاجز مقدونیہ کے تمام بڑے اور چھوٹے شہروں میں دارالخلافہ میں قائم ہوتی چلی گئیں۔ دارالحکومت میں تو صرف پچھلے سال اس کی بارہ لاجز کام کرنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک پروپیگنڈا مہم شروع کر دی گئی اور ایسے تمام لوگوں کو جو اہم عہدوں پر فائز تھے یہ باور کرایا گیا کہ اگر وہ اپنی پوزیشن برقرار رکھنے یا ترقی کرنے کے خواہش مند ہیں تو انہیں فری میسن تحریک سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔ کچھ لوگوں سے تو

یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اگر وہ فری میسن تحریک سے وابستہ ہو جائیں تو ان کا ملک ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہو جائے گا اور مصر اور کریٹ اور دوسرے ممالک کے لوگ ان کے لیے جو مشکلات کھڑی کرتے ہیں وہ رفع ہو جائیں گی۔ فری میسن تحریک ان کے لیے سیاسی دنیا ایک کھلی کتاب کی طرح بنا کر رکھ دے گی چونکہ انگلستان کا بادشاہ بھی اس تحریک میں شامل ہے۔ اس لیے وہ اس کے بھائی بن جائیں گے اور جب کبھی وہ قسطنطنیہ آئے گا وہ ان سے ہاتھ بھی ملائے گا اور نیک خواہشات کا اظہار بھی کرے گا۔ جو نئے لوگ فری میسن تحریک میں شامل ہوئے تھے انگلستان جانے لگے اور انگلستان میں پہلے سے قائم برطانیہ کی فری میسن لاج میں انہیں بہ آسانی داخلہ بھی ملنے لگا۔ جو نئی فری میسن لاجز قائم کی گئیں ان کے ممبران کو غلط بیانی کر کے یہ باور کرایا گیا کہ مصر کی طرح وہ قدیم اسکاٹ لینڈ کی روایات کے پیرو کار ہیں اور یہ کہ ان کے پاس اسکاٹ لینڈ کی گرینڈ لاج کا چارٹر ہے اور انگلستان کا بادشاہ اس کا محافظ ہے۔ یہ غلط بیانی اس لیے کی گئی کہ سلطنت عثمانیہ کا ہر طبقہ انگلستان کے فیصلے سے بے حد مرعوب تھا۔ فوج پر کمیٹی کے اختیار کو برقرار رکھنے کے لیے فوج کے افسران خاص طور سے جونیئر افسران کو فری میسن بنایا گیا اور ان کی پذیرائی ایک لاج جس کو "رسنہ" کہتے تھے، میں کی گئی۔ کمیٹی کے بیشتر نمائندے اور سینئر بھی فری میسن بن گئے تھے۔ ان کا جس لاج سے تعلق استوار کیا گیا اس کے ذمہ دار افسران میں طلعت بے، وزیر داخلہ اور جاوید بے وزیر مالیات تھے۔ حزبِ اختلاف کے کچھ نمائندے خاص طور سے عرب لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ انہیں نظر انداز کیا جا رہا ہے اور مقامی سیاست میں ان کو کوئی مقام نہیں مل رہا تو انہوں نے لاجز بنانا شروع کر دیں یا پہلے سے موجود لاجز کے ممبر بننے لگے۔ انہوں نے "اخوت عثمانی" اور "محبان حریت" کی لاجز تشکیل دیں۔

ان لاجز کے علاوہ 1909ء اور 1910ء میں قسطنطنیہ میں حسب ذیل لاجز قائم کی گئیں۔ "وفا اور ینٹل تنظیم ملی برائے ترقی" بائی زن شیور سوٹو، لاویریٹاس، لاپاطری، لارینے سا، مقدونیہ رسورٹا اور "شفق"۔ اس نام سے مصر کی زیرزمین سیاست کے طلبہ اچھی

طرح واقف تھے۔ ان تمام لاجز کے روح رواں یہودی تھے یا ان کے زیر اثر یونانی، آرمینیائی یا مقامی عیسائی۔ اوپر مصر کے شہزادہ سعید حلیم کا ذکر آچکا ہے۔ وہ اور ان کے بھائی عباس حلیم، شہزادہ عزیز حسن اور دوسرے مصریوں نے کمیٹی برائے اتحاد وترقی کا دامے درمے سخنے ساتھ دیا، کیونکہ سلطنت عثمانیہ کے مصر میں نمایندے ہز ہائی نس خدیو سے مصریوں کو سخت نفرت تھی۔ اس لیے مصر کے فری میسن اور ترکی کے فری میسن تحریک کے ممبران میں اشتراک ہوا لیکن اس اشتراک کے متعلق متضاد رپورٹیں ملتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خطہ کے متعلق صحیح تجزیہ کوئی بھی نہیں کر پایا۔ بڑے بڑے فری میسن ممبران نے بھی متضاد رپورٹیں دی ہیں۔

سلطان عبدالحمید کی معزولی سے کچھ عرصہ قبل بگڑتے ہوئے حالات کو درست کرنے کے لیے گفت وشنید شروع ہوئی۔ سلطان عبدالحمید فری میسنوں کے سخت خلاف تھے۔ وہ انہیں ایک خطرناک اور خفیہ سوسائٹی کا فرد سمجھتے تھے۔ حکومت اور فری میسنوں کے درمیان گفت وشنید جولائی یا اگست میں ہوئی۔ اسی دوران طلعت بے جو وزیر داخلہ تھا۔ کو گرینڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔ مقدونیہ کی فوجوں کی 1909ء میں فتح اور سلطان عبدالحمید کی افواج کی شکست سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اٹلی کے فری میسنوں کو مصر کے فری میسنوں پر جنہیں برطانیہ نے تسلیم کرلیا تھا۔ برتری حاصل ہے۔ اس لیے قسطنطنیہ کی تمام فری میسن لاجز اور مقدونیہ کی لاجز بتدریج اٹلی کے زیر اثر آ گئیں۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ شام اور مصر کی لاجز ''عثمانیہ گرینڈ لاج'' کے ماتحت کردی جائیں۔ اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے شہزادہ عزیز حسن اور سکا کینی مصر روانہ ہوگئے لیکن ادریس بے راغب اور کچھ دوسرے لوگ اس بات کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مصر اور لبنان کی مخصوص حیثیت ہے اس لیے فری میسن تحریک میں انہیں آزاد حیثیت دی جانی چاہیے۔ اس دوران شہزادہ عزیز حسن اور ادریس راغب میں ان بن ہوگئی۔ شہزادہ عزیز نے پہلے ادریس راغب کو قسطنطنیہ سے بھیجا تھا لیکن پھر طلعت بے کی طرف سے احکام آئے کہ محمد فرید کو جو ایک مصری قوم پرست لیڈر تھا۔ قسطنطنیہ کی فری میسن

گرین اور ینٹ کے مندوب کی حیثیت سے مصر بھیجا جائے۔ جلیل حماد پاشا، شاہین مکاریس اور دوسرے اہم مصری فری میسنوں کو محمد فرید کا تقرر پسند نہ آیا۔ انہوں نے اس کے خلاف آواز بھی اُٹھائی۔ سلطان کے نمائندہ خدیو مصر کو بھی یہ تقرر ناپسند تھا لیکن ایک مرتبہ تقرر ہو جانے کے بعد اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ خلیل حماد پاشا نے اس کا یہ حل نکالا کہ مصر میں ایک علیحدہ فری میسن گرینڈ اور ینٹ قائم کر دی جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ محمد فرید کو اس کا گرینڈ ماسٹر نہ بنایا جائے۔ خلیل حماد پاشا آج کل قسطنطنیہ میں ہیں اور وہ کراسو سے رابطہ قائم کر کے چاہ رہے ہیں کہ ان کے دیے ہوئے حل کو طلعت بے کے توسط سے روبہ عمل لایا جائے۔ شہزادہ عزیز حسن اور محمد فرید بھی قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہو گئے ہیں جب طلعت بے اس امر کا اعلان کیا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ محمد فرید کو مصر کے لیے بطور مندوب نامزد کیا گیا ہے اور انہوں نے اور کمیٹی میں ان کے دوست ایسی حرکت نہیں کر سکتے تو خیال یہی ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا۔ انہوں نے غالباً جھوٹ اس لیے بولا تھا کہ کمیٹی کے راز افشا نہ ہو جائیں۔

اس سلسلے میں ایک عجیب واقعہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ترکی میں یہودیوں کا نیا بڑا مذہبی پیشوا جو نہایت ہوشیار، ذہین اور باصلاحیت انسان تھا اور نوجوان ترکوں میں سے بعض کا اسکول کا ساتھی بھی تھا اور جس نے سلطان عبدالحمید کے محل میں ''لائبریرین'' بننے کی بارہا کوشش کی تھی، برطانوی سفارت خانہ کی مدد چاہی کہ ایک یہودی فری میسن جس کا نام ''ویٹورا'' (Ventura) تھا، اطالوی شہرت کا حامل تھا اور تمبا کو غیر قانونی طور سے لانے اور لے جانے کے کام میں ملوث تھا۔ اسے سوڈان سے ملک بدر بھی کیا گیا تھا۔ کئی سال پہلے اس نے اپنے آپ کو سلطنت عثمانیہ کا شہری ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ یہ غیر قانونی کام وہ ایک شخص کارپورل وہائٹ کے لیے کر رہا تھا۔ کارپول وہائٹ کو بھی سوڈان سے ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ ''ویٹورا'' نے اپنا مقدمہ قاہرہ میں دائر کیا کہ وہ بے قصور ہے لیکن عدالت نے اسے قصوروار ہی قرار دیا۔ قسطنطنیہ کے بڑے یہودی پیشوا نے دوسو

صفحات کا ایک میمورینڈم تیار کیا جس میں اس نے ویتورا کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ وہ کسی سازش کا شکار ہو گیا ہے اور اس نے وہ میمورنڈم مجھے (یعنی سر جیرالڈ لاؤتھر) کو دیا اور درخواست کی کہ میں اسے ایک تعارفی خط سر ایرک گورسٹ کے لیے دوں تا کہ وہ (سر ایرک کورسٹ) اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مصری عدالت سے ''ویتورا'' کو بری کروا دیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ ایسا کرنا ناممکن ہے کیونکہ اس طرح کی سفارش عدلیہ پر اثر انداز ہونے کے مترادف ہوگی۔ مزید یہ کہ یہ شخص ایک اطالوی باشندہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایک یہودی فری میسن جس کا نام ڈاکٹر فرتج تھا۔ برطانیہ کی فری میسن لاج کے اعلیٰ عہدیدار کی طرف سے ایک تعارفی خط میرے عملہ کے ایک آدمی کے نام لایا اور اس سے درخواست کی کہ ویتورا کے سلسلہ میں گورسٹ سے سفارش کر دے۔ جب اسے بتایا گیا کہ ایک برطانوی شہری کے لیے بھی اس طرح کی سفارش نہیں کی جا سکتی تھی تو اس کا لہجہ بالکل بدل گیا اور اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ یہ بے انصافی دور ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس کے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی سفارش لائی جائے گی۔ اس میں برطانیہ کے ''ہاؤس آف لارڈز'' کے یہودی ممبر بھی ہو سکتے ہیں اور اگر ضروری ہوا تو مصر میں برطانوی پوزیشن کو یقینی دھچکا پہنچے گا۔ وہ آدمی پاگل نہیں تھا۔ وہ اپنے الفاظ بڑے نپے تلے الفاظ میں ادا کر رہا تھا۔

طلعت بے وزیر انصاف خانہ بدوشوں کے خاندان سے تھا۔ اس کا آبائی وطن ''کرجالی'' تھی۔ جو ''اڈریانوپل'' کے ضلع میں واقع ہے اور جاوید بے، وزیر مالیات جو ہے تو یہودی لیکن اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ کابینہ کے یہی دو ممبر ہر معاملے کا فیصلہ کرتے ہیں اور یہ ترکی میں فری میسن تحریک کے معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ امر کہ یہ لوگ سکاکینی کی طرح کے ایک آدمی کو ایجنٹ کے طور پر استعمال کریں، مختلف شبہات کو جنم دیتا ہے۔ طلعت بے جو تقریباً ایک سال پہلے وزیر داخلہ بنا تھا فری میسن کمیٹی کا جال پوری مملکت عثمانیہ میں پھیلا رہا تھا۔ وہ ایسے لوگوں کو گورنر اور ڈپٹی گورنر وغیرہ بنا رہا تھا جو فری میسن

تحریک سے وابستہ تھے یا کمیٹی کے وفادار تھے۔ زیادہ تر دونوں صفات رکھتے تھے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر نمایندگان کی اکثریت کسی بھی وجہ سے طلعت اور جاوید کی وزارتوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو جاوید بے فوراً ایوانِ نمایندگان کو برخاست کردے اور نئے الیکشن کروائے۔ اس الیکشن میں اپنے زیراثر افراد کو منتخب کرانے کے لیے کمیٹی کے کلب اور فری میسن لاجز کام میں لائے جائیں گے۔ اس طرح ترکی میں اصل حکومت فری میسن کی ''گرینڈ اورینٹ'' کی ہے جس کے گرینڈ ماسٹر طلعت بے ہیں۔ اپریل کے شمارہ میں یوجین ٹیورنیر کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں اس نے فرانس کی ریپبلک کو گرینڈ اورینٹ کی بیٹی لکھا ہے۔ یہ نام کمیٹی برائے اتحاد و ترقی پر پوری طرح چسپاں ہوتا ہے۔ کیونکہ فری میسن اس کمیٹی کے پیروکار ہیں اس لیے عوام کی اکثریت اس کے خلاف ہے۔

فری میسن کا پہلا ہدف اسلامی قوانین تھے۔ وہ اس میں صرف تبدیلی کے خواہاں نہیں تھے بلکہ ان کی بیخ کنی کرنا چاہتے تھے۔ اکثر علماء کو ترغیب دی گئی کہ وہ فری میسن بن جائیں اور ان میں سے بعض بن بھی گئے۔ ان کے ناموں کی اشاعت سے عوام کو بہلایا جارہا ہے یا یوں کہیے کہ دھوکا میں رکھا جارہا ہے۔ ایک ترک نے اس حرکت کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے: ''عوام کو یہودی حشیش کھلا کر مدہوش کیا جارہا ہے۔'' اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے یا نوجوان ترک تحریک کو قریب سے دیکھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ تحریک خاص طور سے یہودیوں کی چلائی ہوئی ہے اور کچھ ترک باشندے بھی اس میں شامل ہیں۔ اس سے سلطنت عثمانیہ کے بقیہ لوگوں مثلاً: عربوں، یونانیوں، بلغاریہ والوں یا آرمیدیا والوں کا کوئی تعلق نہیں۔ ترک اصل میں فوجی ہوتا ہے اور دستوری لحاظ سے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا ہے۔ وہ اپنے اس مرتبہ کو فوج کے ذریعے ہی قائم رکھ سکتا ہے۔ فوج پر ترکی اپنی قومی آمدنی کا نصف خرچ کرتا ہے اور فوج ہی کے ذریعے وہ غیر ترکوں کو دبا کر رکھتا ہے۔ دستور ایک طرح سے معاشی ترقی کا ضامن ہوتا ہے لیکن ترکی معیشت بڑی کمزور اور بوسیدہ ہے۔ بغیر سہارے کے وہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں چل سکتی۔

شروع شروع یہ اُمید تھی کہ آرمینیائی، بلغاریائی، یونانی اور سلطنت عثمانیہ کے یہودی باشندے معیشت کو سہارا دیتے رہیں گے لیکن نوجوان ترکوں نے صرف یہودیوں عثمانی ترکوں اور باہر کے لوگوں پر انحصار کیا اور اپنی مملکت کی دوسری قوموں کو کلیتاً نظرانداز کیا۔ ایسی ہی صورتِ حال ہنگری میں دیکھنے میں آئی۔ ہنگری والے بھی کاروباری نقطہ نظر سے ترکوں کی طرح ہیں اس لیے ہنگری کی معیشت اور مالی معاملات پر یہودی چھائے ہوئے ہیں۔ بعض ترک معاشیات پر تھوڑا بہت دھیان دیتے تھے۔ یہودیوں نے انہیں اپنے جال میں پھنسالیا اور مالی منفعت کے لیے وہ اس جال میں پھنس بھی گئے۔ ترک سلطنت میں یہودیوں کے بعض مقدس مقامات بھی آتے ہیں۔ یہ قدرتی امر ہے کہ وہ اس وجہ سے بھی ترک سلطنت میں اپنا اثر ورسوخ برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

وہ اپنے اس اثر ورسوخ کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے بھی استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ان عزائم میں فلسطین میں ایک یہودی ریاست کا قیام سرفہرست تھا۔ ان کے اس عزم کو اسرائیل زینگ ولی نے ایک رسالہ ''فورٹ نائٹلی ریویو'' کے اپریل کے شمارہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسرائیل زینگ ول کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی پتھر سے دو چڑیاں مارنے میں کامیاب ہو جائے گا اگر وہ ترکوں سے ترکی سلطنت میں یہودیوں کی بلا روک ٹوک آبادکاری کا پروانہ حاصل کر لے۔ اس سے ایک طرف تو وہ روس اور رومانیہ میں زبوں حال یہودیوں کو وہاں سے نکال کر یہاں آباد کر کے ان کی زبوں حالی دور کر سکے گا اور دوسرے اس خطہ میں یہودی آبادی میں اضافہ ہوگا جو آئندہ فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے میں بڑی مددگار ثابت ہوگی۔ اس کے بدلے میں اس نے نوجوان ترکوں کو یہ پیش کش کی وہ اپنی مادری زبان کو خیرباد کہہ کر ترکی زبان استعمال کریں گے اور ترکی کے پورے قومی قرضے کی ذمہ داری اپنے سر لے لیں گے۔ اس سلسلے میں ذاکر ناظم نامی ایک شخص نے جو یہودی نژاد تھا اور سلونیکا کمیٹی کے اہم ممبران میں سے تھا، فائق بے ٹولیڈ نامی شخص جو بظاہر مسلمان لیکن حقیقتاً یہودی تھا، کے ہمراہ پیرس گیا اور وہاں اس نے

روس اور رومانیہ کے زبوں حال یہودیوں کو سلطنت عثمانیہ کے علاقوں میں بسانے کا نقشہ تیار کیا۔ اس کے بعد اس نے علی الاعلان کہنا شروع کیا کہ رومانیہ کے دولاکھ یہودیوں کو مقدونیہ میں اور روس کے لاکھوں یہودیوں کو میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) میں بسایا جائے گا۔

اسرائیل زینگ ول نے اپنے اس مضمون میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ اُمید بھی ظاہر کی کہ حقی پاشا موجودہ وزیراعلیٰ پر "اعتبار" کیا جاسکتا ہے کہ وہ سلطان سے اسی طرح کی سفارش کرے گا۔ یعنی یہ کہ میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) میں ایک نیم خودمختار یہودی ریاست کی اجازت دے دی جائے۔ حقی پاشا کو ایک یہودی پرائیویٹ سیکرٹری مہیا کردیا گیا۔ حقی پاشا ایک یہودی کے گھر بھی اکثر وبیشتر جاتا رہتا ہے۔ ابھی تک یہودی عزائم پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ پائے ہیں لیکن جب ترکی کو اپنے فوجی اخراجات کی وجہ سے مزید سرمایہ کی ضرورت پیش آئے گی تو یہودی ساہوکار اس پر مزید دباؤ ڈالیں گے۔ پاکستان پر واجب الادا قرضوں اور ان پر لاگو سود در سود کی حقیقت کو اس تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔ سلطان عبدالحمید نے میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) میں یہودیوں کی نیم خودمختار ریاست کی درخواست اس وقت بھی مسترد کردی تھی جب مالیاتی طور پر اسے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ زینگ ول کے ذہن میں بھی یہودیوں کی نیم خودمختار ریاست کا نقشہ اسی طرح قائم تھا جس طرح صیہونی لیڈر تھیوڈور ہرٹزل کے ذہن میں تھا۔ زینگ ول نے اس وقت کہا تھا: "نوجوان ترکوں میں اگر ذرا سا بھی شعور ہو تو انہیں یہ باور کرانے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی کہ ایک محنت کش عافیت پسند سفید فام آبادی کو بسانے میں سلطنت عثمانیہ کا فائدہ ہے۔" زینگ ول کا کہنا ہے کہ دولت عثمانیہ کی پارلیمنٹ میں چار یہودی ممبران "صیہونیت کے سخت خلاف" ہیں۔ اس کے بارے میں فلسطین کے سلسلہ میں تو یہ کہا جاسکتا ہے لیکن میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) کے بارے میں یہ صحیح نہیں ہے۔

جو یہودی زعما میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) شام اور مصر میں یہودی عزائم کے لیے کام کررہے ہیں وہ نوجوان ترکوں کی سیاست کے اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ ایک صیہونی

اخبار ''شفق''، جو قسطنطنیہ میں تقریباً ایک سال پہلے شائع ہونا شروع ہوا تھا، اپنے قارئین کو اس امر کی یاددہانی کراتا رہتا تھا کہ مصر بھی مستقبل کی یہودی ریاست کا حصہ ہے۔ کیونکہ فرعونوں نے یہودیوں سے بیگار لے کر ہی اہرام مصر تعمیر کرائے تھے۔ یہ بات ذرا دور از کار معلوم ہوتی ہے لیکن صیہونیت کے عشاق اس کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) اور فلسطین تو یہودیوں کے ہدف ہیں ہی۔ فی الوقت وہ جس مہم کو سر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ترکی کی معیشت اور نئی اسکیموں پر قبضہ جمالیا جائے۔ سطور بالا میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ نوجوان ترکوں کی حکومت میں تمام اہم مقامات پر یہودیوں کا قبضہ ہے حالانکہ عوامی کاموں کی وزارت جس کو مراعات دینے کا اختیار ہے، اس پر اب بھی ایک آرمینیائی باشندہ حلاجیاں آفندی تعینات ہے۔ اس سے پہلے بھی اس جگہ پر ایک آرمینیائی باشندہ کام کر رہا تھا۔ یہودیوں نے سازش کر کے اسے ہٹوادیا تھا اور باقاعدہ مہم چلا کر کوشش کی گئی تھی کہ اس جگہ پر کوئی یہودی یا یہودیوں کا نامزد کردہ شخص تعینات کیا جائے۔ لیکن ''ادرنہ'' میں آرمینیائی باشندوں کے قتل عام کے بعد یہ محسوس کیا گیا ہے کہ اسے وزارت سے نہ ہٹایا جائے۔ دو ماہ قبل حلاجیان ہٹایا ہی جانے والا تھا لیکن اس کو نئی زندگی مل گئی جب وہ اسی فری میسن لاج کا ممبر بن گیا جس میں طلعت بے اور جاوید بے تھے۔ اب بھی اس کی تعیناتی مستقل نہیں معلوم ہوتی کیونکہ یہودی سرمایہ سے شائع ہونے والا ایک اخبار اس کے خلاف مضامین اور خبریں چھاپ رہا ہے۔ آج کل جو افواہیں ہیں ان کے مطابق اس کی جگہ کسی یہودی کو بٹھایا جائے گا یا کسی ایسے ترک کو جس کی پشت پر کوئی یہودی اس کی نگرانی کے لیے موجود رہے۔

یہ صاف ظاہر تھا کہ جو یہودی نوجوان ترکوں کی نسل میں اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھنے کے لیے کوشاں تھے وہ ترکوں اور یہودیوں کے مدمقابل دوسری قومیتوں یعنی آرمینیائی اور یونانی باشندوں کے درمیان منافرت کو ہوا دینے کے بھی خواہش مند تھے۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ یہودی ساہوکار ترکی پر مزید قرضوں کا بوجھ لادنا چاہتے تھے تاکہ ترکی ان کے اثر سے کسی بھی،

طرح نکل نہ سکے۔ یہودی کو روس اور اس کی حکومت سے نفرت ہے اور آج کل چونکہ انگلستان اور روس کی دوستی ہے اس لیے کسی حد تک یہودی ترکی اور فارس میں انگلستان کے بھی خلاف ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جرمنی کو اس بات کا علم ہے۔ یہود نوجوان ترکوں کو اپنی سوج بوجھ کاروباری صلاحیت، یورپ کے اخبارات پر اپنے اثر اور روپے پیسے سے مدد دے سکتے ہیں۔ اس کے بدلے میں وہ اقتصادی مراعات اور اسرائیلی عزائم کی تکمیل چاہتے ہیں۔ نوجوان ترک اپنی قومی آزادی کے لیے یورپ کے اثر سے نکلنا چاہتا ہے۔ یہودیوں نے روپے پیسے دے کر نوجوان ترکوں کو اپنے قابو میں رکھا ہوا ہے۔ اپنی اس پوزیشن کو برقرار رکھنے کے لیے اسے یہ دکھاوا کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ نوجوان ترکوں کے خوابوں کا مداح ہے اور ان کی تکمیل کے لیے ان کا (یعنی ترکوں کا) ساتھ بھی دے رہا ہے۔ اس طرح کے تمام کاموں میں رازداری اور احتیاط بہت ضروری ہوتی ہے اور ہر کام اس طرح کیا جاتا ہے کہ دوسروں کے اصل عزائم کا پتا نہ چل سکے۔ مشرقی یہودیوں کو اس طرح کے کاموں میں یدطولیٰ حاصل ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح کے کاموں کے لیے فری میسن تحریک کے ممبران کو استعمال کیا جاتا ہے۔

محولہ بالا تمام باتیں مقامی فری میسنوں سے حاصل کی گئی ہیں۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان باتوں کو صیغہ راز میں رکھا جائے گا۔ اس طرح کے خفیہ ادارے اپنے رازوں کی حفاظت بڑی تندہی سے کرتے ہیں۔ اگر انہیں ذرا سا بھی شبہ ہو جائے کہ ان کے راز افشا ہو رہے ہیں تو وہ اپنے حفاظتی انتظامات کو مزید سخت کر دیتے ہیں۔ اس لیے میں یعنی جیراللڈ تھر درخواست کروں گا کہ اس پورے مکتوب کو بے حد خفیہ رکھا جائے۔ اس کا بیشتر حصہ قاہرہ کے مطلب کا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ تم اسے گورسٹ کو کسی معتبر کے ذریعے سے پہنچا دو گے۔ میرے خیال میں یہ تہران کے لیے بھی کارآمد ہو سکے گا۔ اس لیے اس کو وہاں بھی بھجوا دو اور شاید ہندوستان کی حکومت کے لیے یہ کارآمد ثابت ہو۔ اس لیے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو محتاط انداز میں یہ باور کرا دیا جائے کہ نوجوان ترک تحریک یہودیوں اور ملحد

فری میسوں کے زیر اثر ہے تو اس سے کٹر نوجوان ترکوں کے پروپیگنڈے کا سدباب ہو سکے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے جرمن ساتھی کو اس بات کا علم ہے کہ کمیٹی پر یہودیوں اور فری میسوں کا کتنا اثر ہے اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اپنی حکومت کو نوجوان ترکوں کی سیاست کے اس پہلو سے مطلع کر دیا ہے۔

تمہارا خیر اندیش...... جیرالڈ لوتھر

نتیجہ:

بلاشبہ یہ ایک طویل خط ہے۔ ہم نے اس کو اس کے تجزیہ اور زور بیان کی وجہ سے شائع کیا ہے۔ ان تمام کارستانیوں ہی کا نتیجہ ہے کہ چند دہائیاں قبل جو ملک تمام عالمِ اسلام کا مرکز اور سب کی عقیدت و محبت کا محور تھا وہاں آج یہ قرارداد پاس کر دی گئی ہے کہ اذان اونچی آواز میں نہیں دی جائے گی۔ طالبات تعلیمی اداروں میں حجاب استعمال نہیں کریں گی۔ بے دینی کا یہ سیلاب اور مذہب بیزاری کا یہ سیلاب انہی دوررس اقدامات کا نتیجہ تھا جو یہودی شیطانی دماغوں نے تجویز کیے۔ دراصل بین الاقوامی صہیونیت ایک بہت بڑے پیمانے کی سازش ہے۔ صہیونیت سازش کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہودی، سازش کے ذریعہ ہی دنیا پر اقتدار کا خواب دیکھتے رہے ہیں۔ موجودہ دور عالم اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے بھرا ہوا ہے اور ہر سازش کے پیچھے یہودی اور صرف یہودی ہی ہیں۔ لیکن عوام کی توجہ حقائق سے ہٹانے کے لیے وہ کسی سازش کے وجود سے ہی انکار کرتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ یہ خود کتنی بڑی سازش ہے۔

اس خط میں جو تاریخی حقائق بیان کیے گئے ہیں انہیں سب کو جاننا چاہیے۔ موجودہ دور مسلمانوں کی موجودہ تاریخ کا نہایت نازک دور ہے۔ مسلمانوں کو دشمن کی شیطانی چالیں جاننا اور ان کے خلاف کربستہ ہو جانا ضروری ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مسلم دنیا پر یہودی سازشوں کے مضر اثرات اس وقت تک مرتب ہوتے رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے عقائد، عبادات، معاملات اور طور طریقوں کو اسلام کے سانچے میں نہیں ڈھال لیتے۔ ایسے خوش نصیبوں کی

کامیابی کا وقت اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا، قریب ہے۔ اس کی نشانیاں ظاہر ہونے لگی ہیں۔

☆☆☆

اس دستاویز نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فری میسن تحریک:

.......یہودیوں کی چلائی ہوئی ہے۔

.......یہ اسلام سے بغاوت کی طرف لے جاتی ہے۔

.......اس کا مقصد مسلمانوں کو دین سے دور کرنا اور پھر پوری دنیا پر غلبہ پانا ہے۔

.......یہ مخصوص سیاسی اور معاشی ہتھکنڈے استعمال کر کے ہمیں تباہ کرنا چاہتی ہے۔

☆☆☆

یہودیوں کی اس سازش کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت عثمانیہ جس کی حدود مغرب سے مشرق تک پھیلی ہوئی تھیں اور جس نے یورپ کی عظیم الشان سلطنتوں کو لرزہ براندام کیا ہوا تھا، پارہ پارہ ہوگئی۔ ان علاقوں کے مسلمان جو ایک امت واحدہ میں پروئے ہوئے پُرسکون اور خوشحال زندگی گزار رہے تھے، ان میں علاقائی عصبیت کا زہر داخل کر کے چھوٹی چھوٹی حقیر اکائیوں پر میں تقسیم کر دیا گیا۔ بین الاقوامی صہیونیت اسرائیل کی ایک آزاد مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی اور جن عرب ملکوں کو ''آزادی کی نعمت'' سے نوازا گیا، وہاں اقتدار کے حقدار صرف اسرائیل کے گماشتے قرار پائے جو صرف آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو تباہ کر سکتے ہیں لیکن اسرائیل کے خلاف متحد نہیں ہو سکتے۔ اسرائیل جو ایک معمولی سے علاقہ پر قائم ہوا تھا، آج اس کی حدود میں شام کا جولان کا علاقہ، مصر کی غزہ کی پٹی، اردن کا مغربی کنارہ اور جنوبی لبنان شامل ہو چکے ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ کے بعد امارت اسلامیہ افغانستان کے خلاف یہودی سازشیں عروج پر رہیں۔ آثار و شواہد کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ ابھی آگے چلے گا اور مسلمانوں کو اپنے جسموں کی دیوار سے اس کے آگے بند باندھنا پڑے گا تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جانباز مجاہدین کے پاکباز قائد حضرت مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لا کر فتنۂ یہود کا مکمل خاتمہ نہیں فرما دیتے۔

سینٹ پیٹر کا بینکار

عیسائی صہیونیت:

چند ہفتے پہلے دنیا کی مختصر ترین مذہبی ریاست ''ویٹی کن سٹی'' کے نئے سربراہ کا انتخاب عمل میں آ گیا ہے۔ اس انتخاب کے دوران جس طرح کی رازداری اور پُر کاری برتی گئی ہے اور جس طرح کے خفیہ اور منظّم طریقے سے نئے سربراہ کا انتخاب کیا گیا ہے اس نے دنیا کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ پہلے تو سابقہ پوپ کو جس طرح سینٹ کا درجہ دیا گیا اور انہیں امن و آشتی کا علمبردار اور انسانیت کا خیر خواہ اور وفادار باور کرایا گیا، یہ بھی بڑا دلچسپ پروپیگنڈہ تھا۔ پھر نئے پوپ کے انتخاب کے مختلف مراحل کو جس سنسنی خیز انداز میں لمحہ بہ لمحہ میڈیا پر جاری کیا گیا یہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ تھا۔

''عیسائی صہیونیت'' کی بنیاد پرستی اور مذہبی تعصب کو جس قدر بے ضرر، معصوم اور قابلِ قبول انداز میں باشندگانِ کرۂ ارض کے سامنے پیش کیا گیا، یہ اپنے اندر بڑا پیغام رکھتا ہے اور مسلم دانشوروں اور تحقیق کاروں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ اس امر کا گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کریں اور اپنی قوم کو آنے والے دنوں میں ''عیسائی صہیونیت'' کی طرف سے لاحق سخت خطرات سے آگاہ کریں۔ جہالت اور بزدلی بدترین عیب ہیں جو قوموں کو رسوا کر دیتے ہیں۔ مسلم امہ کو آج سب سے بڑی ضرورت ان امراض سے پیچھا چھڑانے اور عرق ریزی کے ساتھ کام کرنے کی ہے۔

صہیونی عیسائیت:

ہم نے ''عیسائی صہیونیت'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، اگر یورپ کے بجائے یہی اصطلاح امریکی معاشرے کے حوالے سے استعمال کرنا چاہیں تو آپ کو ''صہیونی

عیسائیت'' کا لفظ استعمال کرنا پڑے گا۔ یہ دونوں اصطلاحیں ہمارے لیے نامانوس ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہود نے پوری مغربی دنیا کو اپنی جکڑ میں لے رکھا ہے اور ان سے ہماری ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ ہم اہلِ مغرب کی مسلم دشمن نفسیات کا صحیح مطالعہ اور اس کے اسباب کا راست تجزیہ نہیں کر پائے۔ بات یہ ہے کہ ''ویٹی کن سٹی'' سے ''تل ابیب'' تک خفیہ رابطوں، باہمی معاہدوں اور تعاون وحمایت کا مربوط سلسلہ ہے جس نے عیسائیت اور صہیونیت کو یکجا ویکجان کر کے ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ اب بظاہر دونوں ایک دوسرے کے لیے کام کر رہے ہیں لیکن درحقیقت عیسائی ہی وہ گروہ ہیں جو صہیونی داناؤں کے ہاتھوں استعمال ہو رہا ہے اور اس وقت مغربی دنیا بری طرح صہیونیت کے ہاتھوں میں آلہ کار بن چکی ہے۔ یہاں ہم نے عیسائیت کے حلیف کے طور پر یہودیت کے بجائے بالقصد ''صہیونیت'' کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لیے کہ یہودیت کو تو عیسائیت سے خدا واسطے کا بیر ہے، وہ عیسائیت کے ساتھ کبھی بھی شیر وشکر نہیں ہو سکتی، البتہ یہودیت کے عالمی غلبہ کے لیے کام کرنے والی صہیونیت جس طرح دنیا کے تمام طبقات کو اپنے مقصد (تسخیر عالم بذریعہ مسیح دجال) کے لیے استعمال کر رہی ہے اس طرح اس نے عیسائیت کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے بھی اپنا حلیف بنا رکھا ہے اور جو لوگ ''عیسائی صہیونیت'' کے مقاصد سے متفق ہو چکے ہیں وہ دجال کے پایہ تخت اسرائیل کے تحفظ اور ترقی کے لیے یہودیوں سے بڑھ کر جوشیلے، سرگرم اور متحرک ہیں۔

ایک شخص، تین چہرے:

ممکن ہے آپ کو یہ باتیں بے سروپا اور بے ربط معلوم ہوں مگر ویٹی کن سٹی کس طرح تل ابیب کے ہاتھوں یرغمال ہے اور دونوں کے درمیان خفیہ رابطوں کا کتنا مضبوط جال بچھا ہوا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے زیادہ سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ صرف مچلے سینڈونا کا واقعہ ہی ایسے تمام رازوں سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ مچلے سینڈونا اٹلی سے تعلق رکھنے والا بین الاقوامی شہرت یافتہ بینکار تھا۔ مچلے سسلی میں پیدا ہوا، روم میں پلا بڑھا اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت اس نے بینکنگ کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔ اس کی زندگی کا ایک تو ظاہری پہلو تھا

جس کے مطابق وہ بینکنگ کا ایک ماہر تھا جس کی خدمات سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ویٹی کن سٹی نے اسے اپنا مالیاتی مشیر مقرر کر رکھا تھا۔ دولت کو سودی سرمایہ کاری اور غیر قانونی ذرائع کی بدولت دو سے چار اور چار سے آٹھ بنانے کا ماہر یہ شخص ویٹی کن سٹی کے خزانوں میں موجود بے بہا دولت کی سرمایہ کاری کا ذمہ دار تھا۔ یہ اس کی زندگی کا ایک رُخ تھا۔ تصویر کا دوسرا رُخ یہ تھا کہ وہ اطالوی مافیا سے گہرا تعلق رکھتا تھا اور اسلحے کی تجارت سے لے کر منشیات کی ترسیل تک کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں اس نے عیسائی مذہبی ریاست کے سرکاری خزانے کی ''محفوظ سرمایہ کاری'' نہ کر رکھی ہو۔ بات یہیں تک رہتی تو خیر تھی، دنیا کو اس کے تیسرے چہرے کا علم نہ ہوتا اور پوپ صاحب کے عالمی یہودی تنظیموں سے تعلقات پر پردہ پڑا رہتا...... لیکن ہوا یوں کہ مارچ 1980ء میں اس کا نام اغوا کے ایک واقعے میں آ گیا جس کے بعد انکشاف در انکشاف کا دلچسپ سلسلہ شروع ہو گیا۔ (جاری ہے)

کوبرا کی سرخ آنکھ

600 میل دور:

اطالوی صحافیوں میں یہ تاثر تو عام تھا کہ جناب پوپ کے اس خادم خاص کا تعلق اطالوی مافیا سے بھی ہے اور وہ بیک وقت مافیا اور سی آئی اے دونوں کے لیے کام کر رہا ہے...... مگر وہ سمجھتے تھے کہ یورپین معاشرے کی طرح عیسائی مذہبی قیادت بھی اندر سے کھوکھلی ہے لہٰذا ان باتوں پر پردہ پڑا رہے تو اچھا ہے...... لیکن ہوایوں کہ اغوا کے ایک کیس میں اطالوی تفتیشی وکلا اور سراغ رسانوں نے جب سینڈونا کا پیچھا کیا تو یہ ان سے چھپتے چھپاتے 600 میل دور ایک قصبے میں لیسیو جیلی نامی ایک شخص کے پاس جا پہنچا جو ریڈی میڈ کپڑے بنانے کا کام کرتا تھا۔ اطالوی سراغ رسانوں کو اس پر حیرت ہوئی کہ سینڈونا جیسی بین الاقوامی شخصیت جو ویٹی کن کی مشیر خاص اور سی آئی اے کی آلۂ کار ہے، وہ ہنگامی حالات میں جس شخص سے ملنے کے لیے اتنی دور پہنچی ہے، کیا وہ محض ایک چھوٹا سا کاریگر ہے......؟؟؟ ان کے کان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے تفتیش کا رُخ لیسیو جیلی کی طرف پھیر دیا اور یہاں سے ان انکشافات کا آغاز ہوا جنہوں نے اطالوی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا اور انہیں معلوم ہوا کہ جناب پوپ کی سرپرستی میں مچلے سینڈونا نے محض ویٹی کن سٹی اور سینٹ پیٹر کے گرجا گھر کو پیسہ بنانے والے ادارے میں تبدیل نہیں کیا بلکہ عیسائی قیادت اور مذہبی ریاست کو بھی صہیونیت کے ہاتھوں گروی رکھ دیا ہے۔

زیرِ زمین ندی:

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے تفتیشی افسروں کے لیے یہ بات سنسنی خیز تھی کہ سینڈونا جیسی شخصیت جس انسان سے ملاقات کے لیے اپنی محفوظ کمین گاہ چھوڑ کر اتنے دور کا سفر کر سکتی

ہے، وہ شخص کس قدر اہم ہوگا؟ چنانچہ ایک سراغ رساں ٹیم لیسیو جیلی کی تفتیش کے لیے مخصوص کردی گئی۔ 17 مارچ 1980ء اٹالین خفیہ ایجنسیوں کے لیے فی الواقع دھماکا خیز دن ثابت ہوا۔ لیسیو کے دفتر سے جہاں ریڈی میڈ کپڑوں کی خرید وفروخت کے کھاتے دھرے تھے، 962 افراد کے ناموں پر مشتمل ایک فہرست برآمد ہوئی۔ اس فہرست میں اٹلی کے چند بہت ہی اہم افراد کے نام تھے۔ ممتاز اور مشہور سیاست دان، قانون دان، انٹیلی جنس سروسز کے بڑے افسران، سفارت کاری اور بیوروکریسی کے شعبوں سے وابستہ افراد، اٹلی کے چار بڑے شہروں کے پولیس کمانڈوز، ممتاز صنعت کار، سرمایہ کار، بینکار، اخبارات کے ایڈیٹرز، نامور صحافی، فلم اور شوبز سے وابستہ مشہور شخصیات کے علاوہ کچھ ایسے نام بھی تھے جو پردہ نشین تھے لیکن لیسیوان سے وہ کام لیتا تھا جو صرف یہ پردہ نشین ہی کر سکتے تھے۔

مچلے سینڈونا کے علاوہ اٹلی کے دوسرے امیر ترین شخص ''کارلوڈی بنڈینی'' کا نام بھی اس منتخب فہرست میں درج تھا جو بنیان اور زیر جامے بیچنے والے تاجر کے سائڈ ٹیبل کی دراز میں دھری تھی۔ ان تمام افراد نے ایک ایسے مخصوص طریقے سے لیسیو کے ساتھ وفاداری کا حلف اُٹھایا تھا جو دنیا بھر میں صرف ایک ہی خفیہ تنظیم کے ارکان سے اُٹھوایا جاتا ہے۔ یہ ایک عالمی تحریک ہے جس کا لقب ''زیرِ زمین ندی'' (Under Ground River) اور جس کا نام فری میسن ہے۔

پہاڑ کو واپسی:

دنیا میں یہودیت کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں اور ان کی آلہ کار ذیلی تنظیمیں بے شمار ہیں۔ ان تمام تنظیموں کی اعلیٰ ترین باڈی کا ایک نام یہودی سازش پر غور کرنے والے ماہرین نے تجویز کیا ہے۔ یہودیوں کی اعلیٰ ترین تنظیم کا نام زنجری Zinjry ہے جو بین الاقوامی صہیونی یہودیت Zionist International Jewry کا مخفف ہے۔ دنیا میں کام کرنے والی لاکھوں تنظیمیں بنیادی طور پر اسی اعلیٰ ترین باڈی کے تحت کام کرتی ہیں۔ اس زیرِ زمین ندی کی سب سے بڑی سازش مابعد عہد نبوی میں اس وقت سامنے آئی جب انہوں

نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو باہم لڑوا کر ختم کروانے کی کوشش کی۔

ان کا خیال تھا کہ صلیبی جنگوں کے نتیجے میں عیسائی اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی برباد ہو، فائدہ یہود ہی کا ہوگا کہ وہ صہیون (القدس میں واقع ایک پہاڑ کا نام، صہیونیت کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے) کو واپس ہو سکیں گے۔ صہیون واپسی کے بعد اب یہ تنظیم پھر عیسائیت کو عالمِ اسلام سے دوسری مرتبہ تصادم پر آمادہ کر چکی ہے تاکہ مقدس چٹان کے گرد ہیکل سلیمانی دوبارہ قائم ہو سکے اور دجال کے خروج کی راہ ہموار ہو جائے۔ یہ تاریخ کی دوسری بڑی سازش ہے جو اپنے دامن میں مسلمانوں کے لیے مہیب خطرات لیے سر پر پہنچ چکی ہے۔

پی ٹو کا سربراہ:

اب ہم اصل داستان کی طرف واپس آتے ہیں۔ حلف اُٹھانے کی کارروائی کے بعد (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) ان افراد کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر گروپ کے ممبران صرف اپنے ساتھیوں سے آشنا تھے، دوسرے گروپ سے وہ قطعاً ناواقف تھے۔ ہر گروپ کا اپنا ماسٹر تھا اور لیسیو جیلی ان سب کا گرینڈ ماسٹر تھا جو قتل اور دہشت گردی کے متعدد واقعات میں ملوث ہونے کے علاوہ اٹلی کے نہ ختم ہونے والے کرپشن کے سکینڈلوں کا مرکزی کردار تھا۔ ان انکشافات نے پورے اٹلی کو ہلا کر رکھ دیا۔ قارئین کرام! جیسا کہ ظاہر ہے ہمیں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی، نہ اس امر سے کوئی تعلق ہے کہ لیسیو جیلی اٹلی کی مشہور زمانہ مافیا کی طاقتور ترین برانچ ''پی ٹو'' کا سربراہ تھا...... ہمیں جس بات سے دلچسپی ہے اور جس چیز کی خاطر ہم نے یہ داستان چھیڑی ہے وہ یہ ہے کہ لیسیو جیلی کی خفیہ تنظیم کے ممبران میں بہت سے کارڈینل بھی شامل تھے۔ جی ہاں! وہی عیسائی مذہبی پیشوا جنہوں نے ماضی قریب میں نئے پوپ کا انتخاب کیا ہے۔

لیسیو ان ''میسونک کارڈینلز'' (میسونک یعنی فری میسن تنظیم کارکن) بھائیوں کی

بھرپور امداد کرتا تھا اور یہ بھاری بھرکم امداد...... جو اس کے لیے کسی اعتبار سے گراں نہ تھی......اسے اس قابل بنا دیتی تھی کہ وہ عیسائی دنیا کے مذہبی مرکز کے فیصلوں پر اثر انداز ہو اور انہیں صہیونی داناؤں کی تجاویز کے مطابق رنگ دے سکے۔ ہم اس طرف بعد میں آئیں گے...... پہلے اس عجیب وغریب طریقۂ کار کا ذکر ہو جائے جو اس تنظیم کے ممبران سے حلف اُٹھاتے وقت اختیار کیا جاتا تھا۔ گرفتار شدہ ممبران نے اقبالِ جرم کرتے وقت جہاں پیسہ بنانے اور مافیا سے روابط کے علاوہ دیگر غیر قانونی خفیہ سرگرمیوں سے پردہ اٹھایا، وہیں اس حلف کی تفصیل بھی بیان کی جو اس خفیہ ''لاج'' کا رُکن بنتے وقت ان سے اُٹھوایا گیا تھا۔

آنکھ کے پیچھے:

ان مجرمین کے اقبالی بیانات کا مشترکہ خلاصہ کچھ یوں تھا کہ انہیں ٹیکسکسی نامی علاقے کے وسط میں واقع ایک گھر میں لے جایا گیا۔ اس گھر کو حدِ نظر تک 12 فٹ بلند دیوار نے گھیر رکھا تھا۔ درمیانی صحن کے وسط میں درخت کی شاخ جیسا ایک فوارہ کھڑا تھا۔ اس کے اوپر کوبرا کی شکل کا ایک مجسمہ نصب تھا جو پورے کمپاؤنڈ کی نگرانی کرتا محسوس ہوتا تھا۔ اس کوبرا کا سر انسانی کھوپڑی سے دُگنا تھا اور اس کی صرف ایک آنکھ تھی (قارئین غور فرمائیں کہ آنکھ ایک کیوں تھی؟ دو کیوں نہ تھیں؟) جو دن کے وقت نیلے رنگ کی اور رات کے وقت سرخ رنگ کی نظر آتی تھی۔ اس آنکھ کے پیچھے ایک انتہائی طاقتور کلوز سرکٹ کیمرہ نصب تھا جو ہر آنے جانے والے پر...... چاہے وہ بلایا گیا ہو یا بن بلایا ہو...... نظر رکھتا تھا۔ اس کیمرے کو گھر کے اندر ایک کمرے سے کنٹرول کیا جاتا تھا جہاں آٹھ مانیٹرز موجود تھے۔ ہر مانیٹر کے ساتھ پانچ اسٹیشن تھے جو مہمانوں کے آٹھ کمروں، تالاب، کھانے اور آرام کے کمروں نیز پارٹی والے کمرے کی نگرانی کرتے تھے۔ تقریباً دس کیمروں کے علاوہ کوبرا (Cobra) کے اندر موجود ایک کیمرے میں انفرا ریڈ شیشے نصب تھے۔

باہر کی منظر کشی کرنے والے کیمرے خوبصورت ڈیزائننگ اور ڈیکوریشن پیس کی آڑ میں چھپا دیے گئے تھے۔ گھر کا اندرونی حصہ بہت شاندار تھا۔ ہر کمرے کا فرش خوبصورت

سنگ مرمر اور اس کی دیواریں قدیم نایاب اشیا اور آرٹ کے فن پاروں سے مزین تھیں اور گھر کا نیم تاریک ماحول اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ آنے والے پر اس کا گہرا اثر ہوتا تھا اور اس پر سحر زدگی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

شیطان کے پجاری:

میٹنگ کے لیے مخصوص کمرہ تو شیطان کے پجاریوں کی عبادت گاہ جیسا تھا۔ اس میں بتوں اور انسانی کھوپڑیوں کے علاوہ شیطان کی خیالی تصویر ہوتی تھی جس میں اسے بکرے کے سر، بڑے بڑے سینگوں اور دو چہروں کے ساتھ دکھایا گیا تھا۔ اس کے جسم پر پَر تھے۔ وہ کمر سے اوپر عورت اور کمر سے نیچے مرد تھا۔ کمرے کے وسط میں سرخ رنگ کی میز تھی جس پر ہتھوڑا، چھینی، پرکار، فُٹا اور گنیا دھرے تھے۔ میز کے گرد بارہ کرسیاں تھیں جن پر مخصوص طرز کے سیاہ چوغے پہنے ہوئے ''ماسٹرز'' براجمان ہوتے تھے۔ یہ ایک دوسرے سے بے خبر ہوتے تھے۔ صرف گرینڈ ماسٹر لیسیو جیلی وہ واحد شخص تھا جو ان سب کو جانتا اور ان کی قدرو قیمت اور صلاحیتوں سے آگاہ تھا۔ جب تنظیم میں داخلے کے کسی اُمیدوار کو انٹرویو کے لیے اندر بھیجنا ہوتا تھا تو اسے عجیب و غریب طریقے سے تیار کیا جاتا تھا۔ مثلاً:

اس کے جسم پر دھات کی کوئی چیز مثلاً انگوٹھی، گھڑی اور اگر گلے میں چین وغیرہ ہو تو اُتار لی جاتی ہے۔ اس کی بائیں ٹانگ گھٹنے تک، دایاں بازو کہنی تک، بائیں جانب سے سینہ (دل) ننگا کر دیا جاتا ہے۔ ایک مخصوص قسم کا ایڑھی کے بغیر جوتا پہنا کر اس کی دائیں ایڑھی کو بھی ننگا رکھا جاتا ہے اور پھر پھندے کی طرح ایک رسی اس کے گلے میں ڈال دی جاتی ہے (ایسی رسی جسے کھینچنے سے گرہ تنگ ہو کر گلا گھونٹنے کا سبب بنے) جب اس حال میں تیاری مکمل ہو چکتی ہے تو بیرونی محافظ دروازے پر مخصوص انداز کی دستک جسے مخصوص لوگ ہی سمجھتے ہیں، دیتا ہے۔ (جاری ہے)

سربستہ رازوں کی تلاش

دستک سن کر لاج کے دروازے پر یہ مکالمہ ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ لاج کا صرف ایک دروازہ ہوتا ہے جو صرف رات کو کھلتا ہے۔

اندرونی محافظ: (بیرونی محافظ سے) تمہارے پاس کون ہے؟

بیرونی محافظ: مسمّٰی (فلاں) ایک تاریکی اور افلاس کا مارا اُمیدوار، جس کی معقول اور معروف سفارش ہے، جسے باقاعدگی سے تجویز کیا گیا اور کھلے لاج نے جس کو منظور کر لیا ہے اور جواب اپنی خواہش سے، کھلے دل و دماغ سے، مکمل تیاری کی حالت میں عجز وانکسار کے ساتھ فری میسن کے مفادات اور ناقابلِ فہم معاملات کے لیے داخلے کی اجازت چاہتا ہے۔

اندرونی محافظ: یہ فری میسن مفادات کس طرح حاصل کرنا چاہتا ہے؟

اُمیدوار: اللہ کی مدد کے ساتھ، آزاد اور اچھی رپورٹ کی بنیاد پر۔

[اس جملے پر تبصرہ تھوڑا سا آگے چل کر ملاحظہ فرمایئے۔ راقم]

ورشپ فل ماسٹر: اس کو مناسب حالت میں آنے دیا جائے۔

اندرونی محافظ اپنے خنجر کی نوک اس کے دل کے مقام پر رکھتا ہے تا کہ ورشپ فل ماسٹر دیکھ لے کہ اس نے خنجر کی نوک درست مقام پر استعمال کر رکھی ہے۔ اُمیدوار اندر پہنچ کر مخصوص انداز میں [اس انداز کی تفصیل ہمارے پاس موجود ہے لیکن یہاں اسے نقل کرنے کا خاص فائدہ نہیں] کھڑا ہو جاتا ہے پھر فل ماسٹر انٹرویو پینل میں شامل ماسٹرز کی طرف سے سوالات کرتا ہے:

ورشپ فل ماسٹر: جیسا کہ معروف ہے کوئی شخص جو آزاد نہ ہو اور جس کی عمر کم ہو

اسے فری میسن نہیں بنایا جاتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ تم اکیس سالہ آزاد آدمی ہو؟

امیدوار: ہاں میں آزاد بھی ہوں اور عمر کی شرط بھی پوری کرتا ہوں۔

ورشپ فل ماسٹر: آپ حلفاً بتائیں کہ فری میسن بننے کے لیے آپ کو کسی اُکتاہٹ، ترغیب یا دوستوں کے دباؤ یا پھر بدنیتی اور تخریبی ذہن نے تو مجبور نہیں کیا؟ کیا اس کے برعکس آپ اپنی آزاد مرضی سے بخوشی فری میسن بن کر یہاں کے ''ناقابلِ فہم'' رازوں اور مفادات کو پانے آئے ہیں؟

اُمیدوار: میں اپنی مرضی سے اسی غرض کے لیے آیا ہوں۔

ورشپ فل ماسٹر: کیا آپ یہ بھی حلفاً اقرار کرتے ہیں کہ آپ پورے اخلاص سے بنی نوع انسان کی خدمت کرتے ہوئے، اس ادارے کے مفادات اور اس کے سربستہ رازوں کو جاننے کی آرزو کی تکمیل کے لیے درخواست پیش کرتے ہیں؟

اُمیدوار: جی ہاں۔

☆......☆......☆

قارئین کرام! یہاں بندہ تھوڑی دیر کے لیے اس مکالمے کی روانی میں خلل انداز ہوگا جس سے آپ یقیناً لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ فری میسن لاج میں داخلے کے لیے مخصوص شرائط، خاص طرز کی تیاری اور ان مکالمات میں بار بار رازداری کی تلقین سے ہر کوئی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک اللہ کی تائید سے سائنسی علوم میں ترقی کے ذریعے محض بنی نوع انسان کی خدمت مقصود ہے تو گلے میں پھندا، ننگے سینے پر دل کے مقام پر خنجر کی نوک اور سر پر مخصوص انداز میں تلوار نما چھڑیوں کا سایہ بنا کر وفاداری کا حلف لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا ہیبت ناک منظر اور نیم تاریک خوفناک ماحول پیدا کر کے حلف لینا بذاتِ خود اس بات کی علامت ہے کہ ان گنہگار اُمیدواروں سے جو حقیقی کام لیا جاتا ہے وہ خوفناک ترین نوعیت کا ہے اور مخصوص مصلحتوں کے سبب سات پردوں میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ کاش! ہماری قوم میں اتنا شعور ہوتا کہ ان پردوں کے پیچھے جھانک سکتی۔

اب ذرا انٹرویو روم میں واپس چلیے:

☆......☆......☆

ورشپ فل ماسٹر: کیا آپ سنجیدگی اور شعور کے ساتھ، بلا جبر واکراہ، یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ اس لاج میں قبول کیے جانے کے بعد آپ ہمیشہ اس لاج کے قدیم ترین مسلّمہ قواعد وضوابط کی پوری پابندی کریں گے؟

امیدوار: جی ہاں۔

ورشپ فل ماسٹر: کیا آپ میسنری اُصولوں کے مطابق یہ مقدس ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار ہیں جس کا تعلق "رازوں" اور "ناقابلِ فہم" رموز واسرار کی حفاظت سے ہے؟

اُمیدوار: جی ہاں۔

ورشپ فل ماسٹر: (ماسٹرز سے مخاطب ہو کر) پیارے بھائیو! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ مسٹر ایکس تنظیم میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی کے پاس مخالفت کی وجہ ہو تو بیان کر دیں یا اور کچھ کہنا ہو تو کہہ دیں۔

اگر مخالفت میں کچھ نہیں کہا جاتا تو اُمیدوار کو ملحقہ چیمبر میں لے جایا جاتا تھا۔ اس چیمبر میں اُمیدوار کو تین سینئر "بھائی" ملنے آتے اور وہ مشکلات اور سختیاں جو تنظیم میں شامل ہونے پر اس کو درپیش آسکتی تھیں، بتائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد اس سے دریافت کیا جاتا تھا کہ آیا وہ اب بھی تنظیم میں شامل ہونا چاہتا ہے؟ اگر اس کا جواب "ہاں" میں ہوتا تو پوچھا جاتا کہ وہ شادی شدہ ہے یا اس رشتے کے بندھن کے لیے بک ہو چکا ہے؟ اس کے دوسری تنظیموں سے روابط ہیں؟ وہ کسی خاص شخصیت کا شکر گزار ہے؟ اچھی صحت کا حامل ہے اور آیا وہ غلام ہے یا نہیں؟

اگر ان سوالوں کے جوابات تنظیم کے نظریات اور ضروریات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں تو سینئر بھائی واپس جا کر اعلان کرتا ہے کہ ہم نے اُمیدوار کو تمام مشکلات اور تنظیم میں داخلے کی شرائط سے آگاہ کیا لیکن وہ تنظیم کا پیروکار (غلام) بننے پر اصرار کر رہا ہے اور اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھتا ہے۔ میٹنگ ہال میں دوبارہ داخلے سے پہلے اُمیدوار سے پھر

پوچھا جاتا تھا کہ وہ ابھی تک تنظیم میں داخلے پر مصر ہے؟ اگر اس کا جواب ''ہاں'' میں ہوتا تو فل ماسٹر اُمیدوار سے اس طرح مخاطب ہوتا:

''تو پھر آپ اپنے گھٹنے کے بل جھکیے جبکہ آپ کا دایاں پاؤں قائمہ زاویہ بنا رہا ہو۔ مجھے اپنا دایاں ہاتھ پیش کیجیے جسے میں مقدس ضابطے کی کتاب پر رکھتا ہوں جبکہ آپ کا بایاں ہاتھ ان پر کاروں کو تھامے رکھے گا جن کی ایک نوک آپ کی بائیں ننگی چھاتی (دل) کا رُخ کیے رکھے گی۔ تمام برادران کھڑے ہو کر پینل کا (پہلی ڈگری) مخصوص نشان بنانے کے لیے قدم بڑھائیں گے۔ دونوں ڈیکن [یعنی جونیئر اور سینئر۔ نائب اول اور نائب ثانی ڈیکن کو کہا جاتا ہے۔ یہ فری میسن لاج کے مخصوص عہدے ہیں] اپنے ''ڈنڈوں'' (چھڑیوں) کو اُمیدواروں کے سر پر کراس کی شکل میں جوڑ کر کھڑے ہوں گے۔''

☆......☆......☆

قارئین کرام! یہاں بندہ پھر تھوڑی دیر کے لیے مخل ہونے کی جسارت کرے گا۔ سب جانتے ہیں کہ ''کتابِ مقدس'' عہد نامہ قدیم وجدید یعنی تورات وانجیل کا نام ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اور وہ بھی باشعور اور تعلیم یافتہ مسلمان کس طرح اس مسلم دشمن تحریک کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے اور دشمن کے مذموم مقاصد میں اس کا دست وبازو بننے کے لیے عہد نامہ قدیم وجدید کو بوسہ دے کر اس پر ہاتھ رکھ کر حلف وفاداری اُٹھاتا ہے۔ گئے گزرے مسلمان سے بھی اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ قرآن پاک کے علاوہ کسی چیز پر خصوصاً اس کتاب پر حلف اُٹھانے پر تیار ہوسکتا ہے جو منسوخ ہوچکی ہے اور جس کے محرف شدہ ہر نسخے میں دوسرے سے مختلف بات لکھی ہوئی ہے۔ ان کتابوں کی اصلی حالت پر ایمان لانا اور بات ہے اور قرآن مجید کی موجودگی میں ان کو قابلِ حلف وتقلید تسلیم کر لینا قطعاً دوسری بات ہے۔ جو شخص اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور پھر دنیا پرست عیسائی اور یہودی پادریوں کی گھڑی ہوئی (اضافہ وترمیم کردہ کہہ دیجیے) عبارتوں پر مشتمل مجموعے کا وفادار ہونے کا حلف اُٹھاتا ہے تو وہ دراصل ایمان سے ہاتھ

دھونے کا اقرار کرتا ہے، لیکن وہ جانتے بوجھتے ایسا کرتا کیوں ہے جبکہ یہ ایسی پیچیدہ بات نہیں جس کے لیے کسی مفتی سے فتویٰ لینے یا مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہو؟ اس کا جواب یہودی بزرگوں کے اقوال سے لیے گئے اس پیراگراف میں ہے جو ''فری میسن کے شکار'' کے عنوان سے اس مضمون کے آخر میں ہے۔ لہٰذا میں لائنز کلب، روٹری انٹرنیشنل، رائٹر گلڈ، ڈائنرز کلب وغیرہ اداروں میں کام کرنے والے تمام مسلمان بھائیوں سے کہتا ہوں کہ چند سنسنی خیز لمحے گزارنے اور ایڈونچر کا شوق پورا کرنے کے عوض اس خدا کو بھلانا جس کے سامنے پیش ہونا ہے، پرلے درجے کی حماقت ہے۔ اے میرے ہم مذہب بھائیو! خدا کے واسطے قبر وآخرت کو نہ بھولو! اگر تمہیں ایک ملاّ کی بات پر یقین نہیں تو تم ان اداروں پر تحقیق کرو۔ تمہیں ان تمام اداروں کے پس پردہ ممبران میں سے بعض خاموش طبع، مگر کوبرے جیسی تیز چمکدار آنکھ رکھنے والے ''بزرگ'' ملیں گے۔ ان کو تاڑو، یہ کس لاج کے ماسٹر ہیں؟ مگر تم ایسا نہ کر سکو گے کیونکہ ایسی کسی تحقیق کا سراغ لگنے کے بعد اس تحقیق کے نتائج منظر عام پر آنے سے پہلے خود تحقیق کرنے والے کی ''اتفاقیہ طبعی موت'' یا ''غیر متوقع حادثاتی رحلت'' کی خبر منظر عام پر آجاتی ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ خدا مست فقیروں کی کہی مان لو۔

اب آیئے! لاج میں واپس چلتے ہیں جہاں حلف وفاداری کی تقریب ہو رہی ہے لیکن اس سے پہلے وہ اقتباس پڑھ لیجیے جو عالمی صہیونی رہنماؤں کی مرتب کردہ دستاویزات (پروٹوکولز) سے لیا گیا ہے اور جس سے فری میسن میں شمولیت کا جذبہ پیدا کرنے والے محرکات کا علم ہوتا ہے۔

فری میسن کے شکار

فری میسن لاجوں میں داخل ہونے والے غیر یہود بڑے تجسس کے ساتھ اندر قدم رکھتے ہیں۔ اس آرزو کے ساتھ کہ بعض مفادات ان کا مقدر بنیں گے یا عوام میں وہ بڑے سمجھے جائیں گے۔ ان میں سے بیشتر اپنے اوٹ پٹانگ خیالات کے اظہار کے لیے پلیٹ

فارم کی تلاش میں یہاں آنکلتے ہیں یا وہ دنیوی معیار کے سراب کے پیچھے بھاگنے والے ہوتے ہیں اور یہ جنس ہمارے ہاں وافر ملتی ہے۔ان خواہشات کے حوالے سے ہم انہیں خود فریبی میں مبتلا رکھتے ہیں اور بتدریج وہ ہمارے پیدا کردہ ماحول میں رچ بس جاتے ہیں مگر بدستور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کی سوچیں، ان کی اپنی ہیں جو عملاً ان کی نہیں ہوتیں۔ معمولی سی عدم توجہی کو ناکامی سمجھ کر وہ بہت جلد دل برداشتہ بھی ہو جاتے ہیں اور توجہ حاصل کرنے کی خاطر جسے وہ کامیابی سمجھتے ہیں، ہمارے غیر مشروط غلام بن جاتے ہیں اور ایسے حالات میں ان سے جو قربانی طلب کی جائے، بے چوں و چرا اس کے لیے تیار پائے جاتے ہیں اور اپنے اہم منصوبوں تک کو ترک کرنے پر ہمہ وقت مستعد دیکھے جاتے ہیں جو ہماری خواہشات کی تکمیل کا دوسرا نام ہے کہ ہم ان سے جو کام چاہیں کروالیں۔“

(وثائق یہودیت(Protocols 5:15)

(جاری ہے)

دھندلے شیشے کے پار

ورشپ فل ماسٹر: (اُمیدوار سے) اپنا مکمل نام دہرانے کے بعد جو میں کہوں اسے دہرائیے۔

''میں مسمی (فلاں بن فلاں) کائنات کے عظیم صانع کو حاضر و ناظر جان کر اور اس معزز و محترم لاج میں جو آزاد اور مسلّمہ فری میسنز کے باقاعدہ جمع ہونے اور وفاداری کے عہد نبھانے کی جگہ ہے، بلا جبر و اکراہ، اپنی آزادانہ رائے اور پورے شعور کے ساتھ حلفاً اعلان اور اقرار کرتا ہوں کہ آج کے بعد میرے علم میں اس لاج اور فری میسن تحریک کے بارے میں جو معلومات، جو راز آئیں گے وہ راز یا ان کا کوئی حصہ، کوئی علامت اور اشارہ کسی بھی طریقے سے کسی کو نہ بتاؤں گا بلکہ اپنی جان کی طرح ہر حال میں ان کی حفاظت کروں گا (اس موقع پر موجود ماسٹرز، محافظ اور دوسرے برادران بھی حمایتی نعرہ بلند کرتے ہیں) اگر یہ راز کسی دوسرے برادر کو بتانے مقصود ہوں گے تو بھی مکمل طور پر اس کا امتحان لے کر اس کی آزاد اور مسلّمہ فری میسن ہونے کی تسلی کرنے کے بعد بتاؤں گا۔ میں یہ بھی حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ میں ان رازوں کو نہ تو کسی جگہ لکھوں گا نہ ہی کسی اور انداز میں انہیں محفوظ رکھنے (سوائے سینے میں) کی کوشش کروں گا اور اگر کسی دوسرے برادر کی کوتاہی کے سبب ایسی کوئی چیز منظر عام پر آتی ہے تو اس آسمان تلے میری پہلی اور آخری کوشش فری میسنز کو اس کے اثرات سے بچانا ہوگی۔

مذکورہ تمام نکات ہر لحہ پیش نظر رکھنے کا میں حلفاً اقرار کرتے ہوئے یہ اضافہ بھی کرتا ہوں کہ خدانخواستہ میں ایسا کرنے میں ناکام رہوں تو میری سزا یہ ہوگی کہ میرا گلا کاٹ دیا جائے، میری زبان گدی سے کھینچ لی جائے، میرے جسم کو ساحل کی لہروں سے قریب ریت کے نیچے دبا دیا جائے جہاں ہر لحہ دھتکارا ہوا ہوں گا۔''

ورشپ فل ماسٹر: جو کچھ ابھی تمہارے زبان سے ادا ہوا ہے، یہ بہت ہی اہم اور نہایت سنجیدہ وعدہ ہے۔ یہ عہد وفا ہے کہ تم اپنی پوری زندگی فری میسن مقاصد کے لیے وقف کرو گے۔ اس مقدس ضابطہ حیات سے متعلق تمہارے ہونٹ سلے رہیں گے۔

اُمیدوار: ہاں! ایسا ہی ہوگا۔

ورشپ فل ماسٹر: برادر فلاں (اُمیدوار کا نام) آج تم اپنے عاجزانہ اور بے لاگ کردار کے سبب دو خطرات سے بچ گئے ہو...... مگر تیسرا بڑا اور مستقل خطرہ ہمیشہ (تا حیات) تمہارے سر پر لٹکتی تلوار بنا رہے گا۔ یہ دونوں خطرے چھرا گھونپے جانے اور گلا گھونٹ کر تمہارے ہلاک کیے جانے سے متعلق تھے کیونکہ جونہی تم لاج میں داخل ہوئے تھے ایک خنجر کی نوک مسلسل تمہارے سینے (دل) کا نشانہ لیے تھی اور اگر تم جلدی سے آگے بڑھنے (بری نیت سے حملہ کرنے) کی کوشش کرتے تو خود بخود خنجر دل میں اُتر جاتا کیونکہ تمہارے ساتھ سائے کی طرح لگا شخص جس کے ہاتھ میں خنجر تھا اپنی جگہ فرض کی ادائیگی کے لیے مستعد تھا۔ اسی طرح تمہارے گلے میں لٹکتا یہ پھندا (جونیئر ڈیکن اس موقع پر رسی کا سرا اور ''شپ فل ماسٹر'' کے ہاتھ میں دیتا ہے) تمہاری واپسی کی نیت اور کوشش کے ساتھ ہی تمہیں ملکِ عدم پہنچا دیتا مگر تیسرا بڑا اور مستقل خطرہ جو ہمیشہ تمہارے سر پر منڈلاتا رہے گا، وہ فری میسن کے سربستہ رازوں کو افشا کرنے کی کوشش کرتے ہی گلا کٹنے کی صورت میں ہے۔

اب جبکہ تم بحثیت میسن بہت اہم اور مقدس ذمہ داری قبول کر چکے ہو، میں تمہیں یہ بتانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ فری میسن میں کئی درجے ہیں اور ہر ڈگری یا درجے کی نوعیت کے لحاظ سے رازہائے درون خانہ ہیں، لہٰذا متعلقہ درجہ میں ہی وہاں کے راز معلوم ہوتے ہیں۔ پس اس وقت میں اس درجے (اینٹرڈ اپرنٹس) سے متعلقہ راز آپ کو بتاؤں گا یا پھر وہ مخصوص علامتیں جن کا ہر میسن کو علم ہے۔''

☆......☆......☆

اب خفیہ رازوں اور اطلاعات سے واقفیت کا وہ سنسنی خیز لمحہ آجاتا ہے جس کی خاطر گنہگار اُمیدوار نے اپنی خوشی سے ایمان سے دستبرداری اور دشمن کے خفیہ حلقے میں شمولیت منظور کی تھی۔

قارئین محترم! فری میسن کو جتنا کھوجتے جایئے، آپ کو جگہ جگہ سربستہ رازوں اور ان کی حفاظت کا ذکر ملے گا مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اب تک فری میسن کے متعلق لکھی جانے والی باتوں اور منظرِ عام پر آنے والی کتابوں میں جو کچھ خفیہ الفاظ، جملے، طور طریقے، نشانات، علامات وغیرہ بیان ہوئی ہیں وہ تو کھلے راز (Open Secrets) سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ کتابیں باتصویر ہیں جن میں مصنف کے تخیل کو مصور نے کاغذ پر منتقل کیا ہے۔ فری میسن کے منحرف برادران کے ذریعے سے اب تک سامنے آنے والی یہ باتیں انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ اگر وہ ''رازہائے درون خانہ'' جن کی حفاظت کا بار بار عہد لیا جاتا ہے، یہی کچھ ہیں تو پھر اپنے گرد اس قدر دبیز اور پختہ خول چڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم نے مانا کہ یہ کتابیں کسی نے اپنا رعب جمانے اور پراسراریت تسلیم کروانے کے لیے نہیں لکھیں بلکہ یہ جان ہتھیلی پر رکھ کر کھوج لگانے کے شائق تحقیق کاروں کی قابلِ قدر کاوشیں ہیں جن کے ذریعے انہوں نے انسانوں کو اس دجالی تنظیم کی کارکردگی سے باخبر رکھنے کی کوشش کی ہے...... لیکن عقل یہ سوال کرتی ہے...... اور اس کے سوال کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا...... کہ سارا معاملہ تحقیق کاروں کے کھوجے ہوئے سراغوں تک منحصر ہے تو پھر اتنا لمبا بکھیڑا پالنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ فری میسن کی اجتماع گاہیں (لاج) راتوں میں کھلتی ہیں۔ ان میں داخلے کا صرف ایک دروازہ ہوتا ہے۔ نہ کوئی دوسرا دروازہ نہ کھڑکی۔ کمپاؤنڈ کے اندر ہمیشہ نیم تاریکی رکھی جاتی ہے۔ ماسٹرز کے اجلاس موم بتیوں اور شمعوں کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ لاج کے سب شرکا ایک دوسرے سے یا دوسرے لاجوں سے واقف نہیں ہوتے۔ باہم شناخت کے خفیہ طریقے (مخصوص طرز سے مصافحہ، معانقہ اور

پاس ورڈز) استعمال کیے جاتے ہیں اور بھی اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن پر انتہائی راز داری اور سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ عقل، انسان کو تجسس کا کانٹا چبھوتی ہے کہ وہ ''عظیم راز'' جن کے لیے روزِ اول سے گنہگار امیدوار کا ذہن بنایا جاتا ہے کہ وہ ان کی حفاظت کے لیے جان لے گا اور دے گا بھی، کیا وہ صرف یہی ہیں جن کا تذکرہ فری میسن پر لکھی گئی کتابوں میں ہے؟ مثلاً: لاج کھلنے اور بند ہونے کی تقریب، حلف اُٹھانے اور اگلی ڈگری میں ترقی کی تقریبات، اُمیدوار سے پوچھے جانے والے سوالات اور ٹریسنگ بورڈز کی تشریحات وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایمانداری سے سبھی کچھ یہی اور صرف اتنا ہے تو پھر یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ غور کرنے پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فری میسن کی بنیاد چونکہ یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہے اور یہ مقاصد ہر دور، ہر ملک اور ہر علاقے میں مختلف ہوتے ہیں اس لیے ان کو لیکچرز یا ہدایات میں زبانی بتایا تو جاتا ہے، لکھا نہیں جاتا اور یہ سب کچھ سینہ بسینہ چلتے ہیں جنہیں سینے کی قبر سے باہر نکالا گیا تو قبر کی مٹی تلے جالیٹنے سے پہلے بات رکتی نہیں ہے۔

اب ذرا واپس آیئے! فری میسن لاج میں حلفِ وفاداری اُٹھایا جا چکا ہے اور دجال کی فوج میں شامل ہونے والے نئے رنگروٹ کو ہدایات دی جارہی ہیں۔

☆......☆......☆

حلف کی کارروائی کے دوران اُمیدوار کے چہرے پر اندھا ماسک چڑھا ہوتا ہے۔ اس کا رُخ فل ماسٹر کی طرف اور پشت گرینڈ ماسٹر کی طرف ہوتی ہے۔ کارروائی کی تکمیل کے بعد اسے گرینڈ ماسٹر کے سامنے لے جایا جاتا ہے۔ جب اُمیدوار (جسے گنہگار پکارا جاتا ہے) تنظیم کا ممبر بننے کے لیے موت کو گلے لگانے کا عہد پھر دُہراتا ہے تو گرینڈ ماسٹر اس سے پوچھتا ہے:

گرینڈ ماسٹر: کیا تم تنظیم کے رازوں کو محفوظ رکھنے کے لیے تیار ہو؟

اُمیدوار: جی ہاں! یقیناً! بہر صورت! کسی کوتاہی کے بغیر۔

گرینڈ ماسٹر: کیا تم میں اتنی کوالٹی موجود ہے کہ خطرے کا مقابلہ کر سکو؟

اُمیدوار: جی ہاں! میں سمجھتا ہوں مجھ میں ایسی کوالٹی موجود ہے۔

گرینڈ ماسٹر: کیا تم میں حوصلہ مندی کی خوبی موجود ہے؟

اُمیدوار: میں یقیناً حوصلہ مند ہوں۔

گرینڈ ماسٹر: اے گنہگار لڑکے! کیا تم لڑنے، شرمندگی اُٹھانے [اس لفظ سے کیا مراد ہے؟ یہاں اس کی تشریح کی ضرورت نہ ہونی چاہیے کیونکہ شرم کا لفظ جس مخصوص پس منظر میں بولا جاتا ہے، قلم میں طاقت نہیں کہ یہاں اسے درج کر سکے] حتیٰ کہ موت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو؟

اُمیدوار: میں کسی جھجھک کے بغیر تیار ہوں۔

گرینڈ ماسٹر: کیا تم اس شخص کو ہلاک کر سکتے ہو جو تنظیم کے خلاف سازش یا بغاوت کا ارتکاب کرے، چاہے وہ تمہارا رشتہ دار یا دوست کیوں نہ ہو؟

اُمیدوار: جی ہاں! کسی توقف کے بغیر، بھرپور جذبے کے ساتھ۔

یہ جواب سن کر ممبر بننے کے خواہش مند کے چہرے سے نقاب ہٹالیا جاتا ہے۔ اس کی نظر صاف ہونے میں ایک لمحہ لگتا ہے کیونکہ جب سے وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوا اس کے بعد سے اس کا واسطہ پہلی مرتبہ روشنی سے پڑتا ہے۔ اس کی نظر سب سے پہلے کتابِ مقدس (توراۃ وانجیل) اور ایک خنجر پر پڑتی ہے۔ اندھا ماسک سیکیورٹی کے علاوہ ایک اور مقصد پورا کرتا ہے یعنی گنہگار اُمیدوار کو جتاتا ہے کہ وہ ممبر شپ کے بغیر اندھا تھا اور اب تنظیم کے بھائیوں کی مدد سے اس کو روشنی نصیب ہوئی ہے اور آیندہ کا راستہ واضح ہوا، جو کُلّی اور غیر مشروط اطاعت سے مربوط ہے۔ اگر اس نے اس سے سرِ مو انحراف کیا تو خنجر کی نوک کو دل میں اُترنے، تیز دھار سے گلا کٹنے، زبان گدی سے کھنچنے اور دھتکاری ہوئی حالت میں ریت میں دفن ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

گرینڈ ماسٹر کے سامنے پیشی کے بعد گنہگار اُمیدوار دوبارہ ورشپ فل ماسٹر کے سامنے آخری ہدایات کے لیے پیش ہوتا ہے۔

ورشپ فل ماسٹر: برادر سینئر وارڈن! میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ اسے میسن کا قابلِ قدر نشان مرحمت فرمائیں۔

سینئر وارڈن: (اُمیدوار سے) برادر فلاں! میں آپ کو ورشپ فل ماسٹر کے حکم سے فری میسن کا انتہائی قابلِ قدر نشان عطا کرتا ہوں جو قدیم ترین سنہری ریشم یا رومن عقاب سے بھی پرانا اور کسی بھی مقدس ترین اعزاز سے زیادہ مقدس ہے اور میں تمہیں اسے پہنے رکھنے کی تلقین کرتا ہوں اور اس کے وقار کی پاسداری کی بھی، اور تم پر یہ بھی واضح کرتا ہوں کہ اگر تم نے کبھی اسے رسوا نہ کیا تو یہ تمہیں کبھی رسوا نہ ہونے دے گا۔

ورشپ فل ماسٹر: سینئر وارڈن کے بعد مجھے اس پر یہ اضافی بات کہنے کی اجازت دیجیے کہ جب آپ لاج میں شریک ہونے والے ہوں تو یہ بیج استعمال نہ کریں۔ اگر اسی لاج میں کوئی دوسرا برادر شریک ہو رہا ہو جس سے آپ کے اختلافات ہوں تو پسندیدہ ترین عمل یہ ہوگا کہ سب کچھ لاج کے باہر طے کر کے صاف دلی سے آپ لباس تبدیل کر کے لاج میں داخل ہوں اور پھر یہاں فری میسن کے روایتی خوش و خرم ماحول میں باہم محبت واخوت سے کام کریں۔ بدقسمتی سے اگر آپ دونوں اپنے اختلاف کو باہر طے کرنے میں ناکام رہیں تو اس صورت میں کوئی ایک بلکہ دونوں ہی لاج سے باہر رہیں تاکہ یہاں کا ماحول کشیدہ نہ ہو۔

☆......☆......☆

قارئین کرام! دیکھا آپ نے، یہ کس قدر مربوط نظام ہے اور کارکنوں کی باہمی چپقلشوں کا علاج کس خوبصورتی سے کیا گیا ہے؟ کاش! اہلِ حق تنظیموں میں بھی اس طرح کی روایات ہوتیں تو آج وہ مشکلات نہ ہوتیں جن سے ہمیں ہر لمحے سابقہ پڑ رہا ہے۔

اس کے بعد اُمیدوار کو مخصوص انداز میں مصافحہ و معانقہ کرنے، کوٹ کی جیب پر یا دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر شناختی نشان بنانے اور کالر کے پھول کو مخصوص طرز پر سجانے کے علاوہ خفیہ شناختی کوڈ ورڈ، پاس ورڈ بتائے جاتے ہیں۔ ان کی مدد سے فری میسن کے ارکان دنیا میں جہاں بھی ہوں بوقتِ ضرورت اپنے ساتھی رکن کو اگرچہ اجنبی ہو، بھری محفل میں پہچان لیتے ہیں اور جو کچھ کام ان کے سپرد کیا گیا ہو اسے پورا کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ یہ چیزیں کچھ ''منحرف برادران'' کے ذریعے منظرِ عام پر آچکی ہیں لیکن فری میسن کی حقیقت کا تعاقب دھندلے شیشے کے پار تاڑنے کے مترادف ہے۔ یہاں ان چیزوں کا ذکر اس لیے بھی مناسب نہیں کہ کسی تقریب میں کسی صاحب ذوق نے ان چیزوں کو آزمایا اور وہاں کوئی ''شریف النفس برادر'' موجود ہوا اور اسے ان علامات کے اگلے مراحل کے متعلق تسلی نہ کروائی جا سکی تو ان خفیہ اشاروں کے غلط استعمال کے بعد ''طبعی موت'' کے علاوہ چارہ کار نہیں ہوتا۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔ لیسیو جیلی اطالوی فری میسن گرینڈ لاج کا سربراہ تھا جس کے بعد اسرائیل اور موساد سے اس کا قریبی تعلق ایسا نہیں رہا کہ اسے بیان کیا جائے۔ ویٹی کن سٹی کے مشیر خاص محلے سینڈونا اور مقدس پطرس کے گرجا میں فرائض ادا کرنے والے متعدد کارڈینلز سے اس کے تعلقات کیا کہانی سناتے ہیں؟؟ یہی کہ آج کی عیسائیت کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے اور یہود کے منصوبہ ساز دماغوں نے جناب پطرس کی مسیحی عیسائیت کو ''صہیونی عیسائیت'' میں تبدیل کر دیا ہے جس کے بعد عیسائی دنیا نے مسلمانوں کے بارے میں صہیونی نظریات کو اپنا لیا ہے۔ صلیبی جنگوں کے بعد تاریخ کا یہ دوسرا موقع ہے کہ وہ غضبناک ہو کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑی ہے اور ''عیسائی صہیونیت'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہود سے زیادہ مسلم دشمنی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اب مسلمانوں کے رہنما دماغوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اس صورتِ حال کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں؟ ہم نے

یہاں جو کچھ لکھا وہ مسلم امہ کی سوچ کو بیداری کی طرف لے جانے کی ادنیٰ کوشش ہے۔ آگے کا فیصلہ قارئین کے ایمان اور عزم پر چھوڑے دیتے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ فری میسن اور مقاصد یہودیت پر لکھنے والا جلد ''طبعی موت'' کا شکار ہو جاتا ہے۔ جناب مصباح الاسلام فاروقی صاحب جنہوں نے فری میسن پر دو تحقیقی کتابچے لکھے، ان کتابوں کے چھپتے ہی ''طبعی موت'' کے ہاتھوں کراچی کے ایک ہسپتال میں اس کائنات کے خالق کے روبرو پیش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اپنا قرب خاص نصیب فرمائے۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں:

1: فری میسن ایک تجزیہ (Freemassonary a critical Study)

2: یہودی سازشیں اور مسلم دنیا (Jewish Conspiracy and The Muslim World)

لیکن بات یہ ہے موت کا متعین وقت اور جگہ آنے سے پہلے خود موت زندگی کی حفاظت کرتی ہے اور پھر جب...... ایک لمحہ آگے پیچھے ہوئے بغیر...... طے شدہ گھڑی میں آوارد ہوتی ہے تو کوئی چیز اس کا راستہ روک نہیں سکتی۔ اے کاش! کچھ لوگ تو ایسے ہوں جو ہر قسم کے گناہ سے سچی توبہ کر کے مسلم امہ کے مفادات کی تکمیل اور حفاظت وطن کی خاطر سر بکف ہو جائیں۔ جو لوگ منہ، آنکھ، کان اور شرم گاہ کو حرام میں ملوث کرنے سے بچیں گے وہی معرکۂ خیر و شر میں کوئی کردار ادا کر سکیں گے۔ حرام میں ملوث دماغ اور جسم، دجال کی فوج کا ٹشو پیپر ہیں۔ ایسے کم نصیب سچی توبہ کے بغیر اسلام اور مسلمانوں کے کچھ کام آ سکتے ہیں نہ حب الوطنی اور قربانی کی ان سے توقع کی جا سکتی ہے۔

فری میسن لاجوں کا ڈرامہ

شہادت کا دعوت نامہ:

''جواد ابراہیم سعدات کا خاندان اپنے پیارے بیٹے حفیظ سعدات کی شہادت کے پرمسرت موقع پر آپ کی شرکت اپنے لیے باعث عزت وافتخار سمجھتا ہے۔''

آپ نے شادی بیاہ وغیرہ تقریبات کے دعوت نامے تو بہت پڑھے ہوں گے.........مگر بیٹے کی شہادت کے ''پُرمسرت موقع'' پر بلاوے کا سندیسہ پڑھنے کا موقع شاید آپ کو نہ ملا ہوگا..........البتہ اہل فلسطین کے ہاں اس طرح کی تقریبات عام ہیں۔ وہاں جب کسی خوش نصیب خاندان کا کوئی فرد کفرکش بمبار فدائی حملے (فلسطین میں مقامی طور پر فدائی حملوں کو ''استشہاد'' یعنی شہادت کی طلب کہا جاتا ہے) کی سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو والدین اپنے بچے کی شہادت اور حوران بہشتی کے ساتھ اس کی رفاقت کی خوشی میں ولیمہ کے دعوت نامے کی طرح ایک خوبصورت مرصع و منقش دعوت نامہ جاری کرتے ہیں۔ گھر کے سامنے شامیانے اور قناتیں لگائی جاتی ہیں۔ مبارکباد دینے اور وصول کرنے کا پرجوش سلسلہ چلتا ہے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ تازہ اور لذیذ قہوے کے گھونٹ لیے جاتے ہیں۔ شہید کا پیغام حاضرین کو سنایا جاتا ہے۔ فدائی کارروائی کے مختلف پہلو زیر بحث آتے ہیں اور شہادت کے موضوع پر ایمان افروز خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے گویا کہ شہادت نہیں نکاح کی تقریب ہے اور شہید کے والدین اور عزیز واقارب یوں خوش خوش اور چمکتے چہرے کے ساتھ مبارکبادیں وصول کرتے ہیں جیسے آج ان کے گھر دلہن آ رہی ہے۔ فدائی حملہ آور پورے علاقے میں ہیرو کا درجہ پالیتا ہے۔ اس کے خاندان کی عزت و مرتبے میں یکایک بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ پورے علاقے کے عوام اس کے خاندان کو سر آنکھوں پر

بٹھاتے ہیں اور ان کی دلداری و دلجوئی اور اعزاز و اکرام کو اپنا فرض اور سعادت سمجھتے ہیں۔

فدائی کارروائی سے پہلے:

یہ تو فدائی حملے کے بعد کے مناظر ہیں۔ اس سے پہلے کے کئی مراحل بھی بڑے دلچسپ اور ایمان افروز ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو حملہ آور کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کے لیے اس کے مختلف آزمائشی امتحان ہوتے ہیں۔ اس کے خاندانی حالات، ذہنی و جسمانی کیفیات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ جو جانباز اس مرحلے سے گزر جائے اس کی تربیت شروع ہو جاتی ہے.......... ساتھ ہی حملے کے لیے جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہے، پہلے تربیت کے نگران ماہرین اس کی ''ریکی'' کرتے ہیں۔ حملے کی کامیابی کے امکانات پر غور کیا جاتا ہے، مثبت اور منفی پہلو زیر بحث لائے جاتے ہیں، بعد ازاں حملہ آور خود موقع کا مشاہدہ کرنے جاتا ہے۔ کئی مرتبہ کے آزمائشی دوروں اور متوقع و غیر متوقع رکاوٹوں کا جائزہ لینے اور ان کا حل سوچ لینے کے بعد منصوبے پر ''صاد'' کر دیا جاتا ہے اور عموماً یہ ''ص'' کئی غاصب اور متعفن یہودیوں کی موت کا پروانہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد بارود کی مطلوبہ مقدار کے حصول کا مرحلہ آتا ہے جس کی فراہمی تحریک مزاحمت اپنے ذمہ لیتی ہے اور فدائی جانباز آخری پیغام ریکارڈ کروانے اور گھر والوں سے الوداعی ملاقات کرنے سے پہلے آخری تیاریوں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہ تیاریاں بڑی کیف آور اور سرور انگیز ہوتی ہیں۔ اس دوران فدائی جانباز یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر اور عبادت و مناجات کے مزے لوٹتا ہے۔ تہجد، نوافل، تلاوت، نفل روزوں اور مسنون اعمال پر مشتمل چلہ کاٹتا ہے۔ بعض کی ریاضت اور نفس کشی مزید طویل ہوتی ہے۔ ذہن و قلب کی صفائی اور نفس کی آلودگیوں سے تطہیر کے بعد اللہ کا شیر سج دھج کر جان کا نذرانہ ہتھیلی پر لیے قبولیت کی دعاؤں کے ساتھ اپنے رَبّ کی ملاقات کو روانہ ہو جاتا ہے۔

چھ گھنٹے کی جنگ:

فدائی مہمات نے فلسطینی مسلمانوں میں اس قدر مقبولیت حاصل کر لی ہے کہ نہتے،

بے سروسامان اور ہر طرح کی امداد و تعاون سے محروم فلسطینی مسلمانوں کے مقابلے میں خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے والے اسرائیلی منصوبہ ساز بل کر رہ گئے ہیں۔ آرام پسندی اور تعیش پرستی کے ہاتھوں جرأت و ہمت کھو بیٹھنے والے عرب ممالک کو 67ء کی چھ روزہ جنگ (اسے فی الحقیقت چھ گھنٹے کی جنگ کہنا چاہئے) میں شکست دینے کے بعد اسرائیلی سورما پورے اعتماد کے ساتھ سمجھتے تھے کہ عرب انہیں عسکری میدان میں شکست نہیں دے سکتے............ مگر فلسطینی فدائین نے اپنے خون سے نئی تاریخ رقم کر کے عرب کی روایتی افواج کی شکست کا داغ دھوڈالا ہے۔ فلسطینی لڑکوں، جوانوں، بزرگوں اور خواتین نے بدفطرت یہودیوں کی پیش قدمی کے سامنے جو رکاوٹیں کھڑی کر کے ان میں اپنے خون سے رنگ بھرا ہے وہ انسانی تاریخ کا ایک اچھوتا باب ہے............ شیرون کی آمد کے بعد یہودی حکومت جس تیزی سے اپنی نگرانی میں بیرونی یہودیوں کے لیے بلند و بالا حصاروں میں محفوظ بستیاں قائم کر رہی تھی، فلسطینی فدائین نے محض چند جانوں کی قربانی دے کر اس کے اس منصوبے پر روک لگا دی ہے۔ ایریل شیرون اور اس کی ٹیم کی بوکھلاہٹ اور تلملاہٹ کا اندازہ اس کے حماس کے خلاف اعلانِ جنگ سے لگایا جاسکتا ہے، یعنی کہ عالمی طاقتوں کی حمایت یافتہ ایٹمی ہتھیاروں سمیت دنیا کے جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ایک منی سپر پاور ایک حکومت کے خلاف نہیں، ایک ملک کے خلاف نہیں، چند جہادیوں کے خلاف اعلانِ جنگ پر مجبور ہوگئی ہے۔ بہت سے صاحبِ دل مسلمان متفکر ہیں کہ اب کیا ہوگا؟ اس کا کوئی قطعی اور حتمی جواب تو شاید بہت سے لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، اس واسطے ہم یہاں فلسطینی اور یہودی بچوں میں کھیلے جانے والے دو کھیلوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے اس سوال کا جواب معلوم کیا جاسکتا ہے۔ کھیل کا حقیقت سے تعلق کتنا ہوتا ہے؟ اور پھر وہ بھی بچوں کا کھیل............ لیکن یہ دونوں بچگانہ کھیل فی الواقع ہمارے سامنے دو قوموں کی نفسیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایک وہ قوم جو موت کی وادی میں دائمی حیات کو تلاش کرتی ہے اور فنا میں بقاء کے راز کو پانے کے لیے سرگرداں رہتی ہے اور دوسری وہ قوم جو اس دنیا کو اول و آخر سمجھتی ہے اور اللہ کے

پیارے اور پیاروں کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود موت کو سامنے دیکھ کر یوں بدکتی ہے جیسے کانی بھینس قصائی کی چھری پر نظر پڑتے ہی کدکڑے لگانا شروع کر دے۔

تیغوں کے سائے میں پرورش:

یہ ایک فلسطینی آبادی سے ملحقہ میدان ہے۔ اس میں فلسطینی بچے جمع ہیں۔ یہ دیگر کھیلوں کے ساتھ ''شہادت'' کا کھیل بڑے شوق سے مزے لے لے کر کھیل رہے ہیں۔ ان میں سے ایک بچہ جو خود کو سب سے زیادہ باصلاحیت اور دوسروں سے برتر ثابت کر دیتا ہے، اس کھیل کا مرکزی کردار بنا ہوا ہے۔ وہ فدائی حملہ آور کا روپ دھارتا ہے۔ سر پر کلمہ والی پٹی، جسم پر فرضی بم سجائے، چہرے پر یہود سے نفرت اور چال میں بجلی بھرے ہوئے ایک جانب سے نمودار ہوتا ہے۔ یہودیوں کے فرضی ہجوم کے قریب پہنچ کر کلمہ پڑھتا ہے۔ زبان سے الفاظ پورے ہوتے ہی ایک دھماکہ ہوتا ہے۔ ہر طرف افراتفری مچ جاتی ہے۔ پاس کھڑے بچے خوشی سے نعرے لگاتے ہیں، ''شہید'' کو کامیاب حملے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں، جنت کی حوروں کا دولہا بننے پر رشک و مسرت کا اظہار کرتے ہیں، شہید کا ''جسد'' اس کے گھر پورے اعزاز کے ساتھ لے جایا جاتا ہے، وہاں سب بچے جمع ہو کر ترانہ پڑھتے ہیں، نظمیں سناتے ہیں اور یوں کھیل کھیل میں ان کی طبیعت اور مزاج میں وہ چیز پختہ ہوتی جاتی ہے جس نے اسرائیلی پارلیمنٹ کے اسپیکر ابراہم بورغ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

''اسرائیلی عوام اپنے بچوں کو گھروں کی حفاظت کے لیے قربان کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی جبکہ فلسطینیوں کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔''

فری میسن لاجوں کا ڈرامہ:

اب ایک دوسرے منظر کی طرف چلیے .... یہ یہودی بچوں کا ایک اجتماع ہے جس میں انہیں دو ہزار سال پرانا سبق یاد کروانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک طرف بخت نصر کے فلسطین پر حملے سے ہونے والی تباہی کی تمثیل نگاری ہے، دوسری طرف یہودی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر بابل کی طرف ہنکایا جا رہا ہے، تیسری طرف ہیکل سلیمانی کی

تباہی کے بعد بچ جانے والے کھنڈرات پر آہ و بکا اور ماتم وگریہ وزاری ہے۔ یہ تمثیلی ڈرامہ تقریباً ہر یہودی اسکول اور دنیا بھر میں موجود یہودیوں کی خفیہ تنظیم فری میسن کے لاجوں میں کھیلا جاتا ہے اور آخر میں جیوش بچوں کو یہ عہد یاد کروایا جاتا ہے کہ وہ ارضِ موعود کے وارث اور ''میراث کے ملک'' کے اصل باشندے ہیں۔ انہوں نے سچے صہیونی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرنی ہیں۔ اس کھیل کے اختتام پر بچے یہ عہد دہراتے ہیں لیکن یہودی بزرگ جس طرح خود بزدل، دنیا پرست، دوغلے اور سازشی ہوتے ہیں اسی طرح اس آہ و بکا اور ماتم وگریہ زاری کے ذریعے یہودی بچوں کو بزدلی اور دوغلا پن سکھاتے ہیں۔ ان ڈراموں میں حصہ لینے سے انہیں پیسے اور سازشوں کے ذریعے اپنا کام نکالنے کا ڈھنگ خوب آجاتا ہے لیکن کیا پیسہ اور سازش ہر مشکل کا حل ہے؟ کیا اس کھیل میں حصہ لینے والے یہودی بچے کسی بلند مقصد کے لیے جان کی قربانی دینے پر آمادہ ہوسکتے ہیں؟ اس کا جواب حائم غوری کے ایک بیان سے مل جاتا ہے۔ حائم غوری اسرائیل کا مشہور شاعر، سیاسی رہنما اور بااثر دانشور ہے۔ اسے اسرائیل کے بڑے دماغوں میں شمار کیا جاتا ہے اور صہیونیوں کی فکری قیادت اس کے اقوال کو اپنے لیے رہنما مانتی ہے۔ اس نے ایک بار یہودی چھوٹوں اور بڑوں کی ذہنیت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا: ''میں دنیا بھر سے آنے والے یہودی جنونیوں کو تحفظ دینے کے لیے اپنے بچے قربان کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، نہ ہی مجھے ان کے اس بیہودہ عقیدے میں کوئی دلچسپی ہے کہ مسیحا (دجال) کی آمد کے لیے ہم اپنا خون بہا کر مغربی کنارہ میں کوئی گھر تعمیر کریں۔''

فرعون سے شیرون تک:

تو یہ ہے وہ بنیادی فرق مسلمانوں اور یہودیوں کی سوچ میں جس نے محمود عباس جیسے بہائی مہرے (حیران نہ ہوں! محمود عباس مسلمان نہیں بہائی ہے، فلسطینی عرب نہیں ایرانی النسل مہاجر ہے.......... ان تین فرقوں میں سے ایک سے تعلق رکھتا ہے، جن کی طرف پچھلے مضمون میں اشارہ کیا گیا تھا اور تفصیل شاید اگلی کسی تحریر میں آسکے) کی آڑ میں فرعونی

منصوبے کو پروان چڑھنے سے روک دیا ہے۔ فرعون سے شیرون تک پھیلی ہوئی بنی اسرائیل کی تاریخ میں یہودیوں کو اپنی بداعمالیوں کے سبب بہت سے کمرتوڑ دھکے لگے ہیں اور اب وہ آخری اور فیصلہ کن معرکے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ حتمی ٹکراؤ سیدنا حضرت عیسیٰ مسیح اللہ علیہ السلام اور دجال (یہودی اسے اپنا مسیحا کہتے ہیں) کے درمیان ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مہدی اور ان کے جاںنثار فدائی رفقاء ہوں گے، دجال کے ساتھ منافقین کا جمِ غفیر ہوگا۔ عظیم جنگ برپا ہوگی، ایسی ہولناک تباہی پھیلے گی جس کی مثال کرۂ ارض کے باشندوں نے نہ دیکھی ہوگی۔ پھر مسلمان خون میں نہا کر اٹھیں گے اور عروج وترقی کے اس دور کی بنیادیں رکھیں گے جس کی نظیر نہ ہوگی............ اے اسلام کے فدائیو! اللہ اور اس کے دین کے لیے اپنی خواہشات، مفادات اور مرغوبات کو فدا کرنا سیکھو۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے پاک پیغمبر کے احکامات پر مر مٹنے کے لیے تیار کر رکھا ہوگا وہ اس معرکے کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں یا نہ دیکھیں، آخرت میں اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ جنتوں اور نعمتوں کو ضرور جاگتی آنکھوں سے پالیں گے اور جو دنیا کے دھندوں میں مست رہے، اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر دین کی سربلندی کے لیے کچھ نہ کیا، وہ موت کے وقت بھی اور مرنے کے بعد بھی حسرت ویاس کے اظہار کے علاوہ کچھ نہ کر پائیں گے۔

سرخ ٹمپلرز کون تھے؟

شائیلاک اور ٹمپلرز:

شائیلاک ایک بخیل اور ہوسِ زر میں مبتلا پرلے درجے کا کنجوس یہودی تھا۔ اس کی حرص وہوس اور بخیلی و کنجوسی کو اس وقت لازوال بدنامی سے دوچار ہونا پڑا جب انگریزی کے مشہور ادیب ولیم شکسپیر نے اس کی سنگدلانہ سودخوری کے ایک واقعے کو اپنی ایک تحریر کا موضوع بنایا۔ آسمانی کتابوں میں سودخوری سے سختی سے منع کیا گیا ہے لیکن مال کی ناجائز ہوس میں مبتلا یہودی روزِ اوّل سے سودی قرضوں کا لین دین کرتے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے تاریخ کے ہر دور میں اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے سود کی لعنت ان معاشروں پر مسلط کیے رکھی جنہوں نے ان کو بے ضرر سمجھ کر پناہ دی تھی۔ موجودہ شیطانی بینکنگ کی ایجاد کا سہرا بھی ان کے سر ہے۔ تفصیل اس کی کچھ یوں ہے کہ 12 ویں صدی عیسوی میں سفر کرنا ایک خطرناک کام تصور کیا جاتا تھا۔ سفر چاہے زمینی ہو یا سمندری، ہر جگہ ہر وقت ڈاکوؤں کی طرف سے لوٹے جانے کا خطرہ درپیش رہتا تھا۔ ان حالات میں نقد رقم اور دوسری قیمتی اشیا کی تجارت کی غرض سے نقل و حمل خاصا مشکل کام ہوتا تھا۔ ان دنوں ''ٹمپلرز'' نے اس صورت حال میں بینکنگ کا ایک سادہ نظام وضع کیا۔ سرخ ٹمپلرز یا نائٹ ٹمپلرز وہ یہودی تھے جو کالے علم اور شیطان کی عبادت کے ذریعے وہ ماورائی قوتیں حاصل کرنے کے دعویدار تھے جو ان کے خیال میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھیں۔ ان کے خیال میں تختِ سلیمانی کی اڑان، جنات کی تسخیر اور بے تحاشا دولت حضرت سلیمان علیہ السلام کو (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) جادوئی ٹونے ٹوٹکے سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ لوگ عیسائیوں کو دھوکا دینے کے لیے سفید چوغے پر سرخ صلیب سی کر پہنا کرتے تھے اور اپنے راز انتہائی خفیہ رکھتے تھے۔

یہ فلسطین میں عیسائی زائرین کے تحفظ کے بہانے گئے تھے اور مسلمانوں کا قتل عام کرتے اور خون بہاتے تھے۔ تجارتی قافلوں اور حاجیوں کو لوٹ لیتے تھے۔ اس طرح سے انہوں نے بہت سی دولت اکٹھی کرلی۔ اس دولت کو انہوں نے سودی سرمایہ کاری میں لگایا اور بھاری منافع کمایا۔ یہاں تک کہ یہ ایک بے لگام گھوڑے کی مانند ہو گئے اور عیسائی بادشاہ بھی ان کی طاقت سے ڈرنے لگے۔ بالآخر یہود پر مسلط تکوینی ذلت ان کے گلے پڑ گئی اور پوپ Clement پنجم نے فرانس کے کنگ فلپ چہارم (King Philippe) کے ساتھ مل کر تمام ممالک اور افواج کو ایک خصوصی پیغام بھیجا اور انہیں تاکید کی کہ اسے 13 راکتوبر 1307ء بروز جمعہ کھول کر پڑھا جائے۔ پیغام میں پوپ نے لکھا تھا:

''خدا نے خود پوپ کو نائٹس ٹمپلر (Knights Templar) کے خلاف بتایا ہے اور ان کے خلاف کارروائی کا حکم دیا ہے۔''

اس خط میں بہت سے الزامات لگائے تھے اور ٹمپلرز کے بارے میں ''جہاں پاؤ قتل کرو'' کا حکم دیا گیا۔ خط کھلنے کی دیر تھی کہ نائٹس ٹمپلر کی تکہ بوٹی بننا شروع ہوگئی۔ جو بچ گئے انہوں نے اپنی اصلیت چھپادی اور فری میسنری اور یہودیوں میں اپنی مال و جائیداد سمیت ضم ہو گئے اور فری میسن برادری کا بھائی چارے والا روپ اپنا لیا۔

یہودیوں کی یہ خفیہ تنظیم آج بھی ''فری میسن'' کے نام سے موجود ہے اور اس کا طریق کار، عقائد اور منصوبے وہی ہیں جو ٹمپلرز کے تھے۔ ٹمپلرز نے جس طرح سودی بینکاری کے ذریعے اس وقت دنیا پر اپنا کنٹرول حاصل کیا، فری میسن آج کل وہی کچھ کر رہے ہیں۔ ٹمپلرز کا طریق کار بڑا سادہ تھا۔ مسلم فقہاء کرام نے اسے ''سفتجہ'' (ہنڈی) اور ''سوکرہ'' (بیمہ) کے نام سے ذکر کیا ہے اور ناجائز قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: شامیہ: باب المستأمن 4/170)

ذیل میں ہم اس کی کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

حکمرانوں پر حکمران:

ٹمپلرز کا طریقہ منتقلی والی رقوم پر سود لینے کا تھا۔

مثال کے طور پر اگر ایک کاروباری آدمی لندن سے پیرس جانا چاہتا تھا۔ پہلے وہ لندن میں ٹمپلرز کے دفتر میں جائے گا اور اپنی رقم ان کے حوالے کرے گا، اس کے بدلے اسے ایک کاغذ دیا جاتا تھا جس پر کوڈز کی زبان میں پیغام درج ہوتا تھا، اس کے پیرس پہنچنے پر وہ یہ کاغذ کا نوٹ دے کر لندن میں ادا کی گئی اپنی رقم لے لیتا تھا۔ صرف فیس اور سود کی رقم منہا کی جاتی تھی۔ اس طرح لین دین مکمل ہو جاتا تھا۔ تجارت پیشہ لوگوں کے ساتھ ساتھ فلسطین کی زیارت کے لیے آنے والے مالدار یورپی صلیبیوں نے بھی اس سسٹم کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یورپ میں ٹمپلرز کی طرف سے جاری کردہ ''چیک'' فلسطین پہنچنے پر کیش ہو جاتے تھے۔ اس سروس کے لیے جو رقم چارجز کے نام پر کاٹی جاتی تھی۔ وہ ''ٹمپلرز'' کے مسلم کش منصوبوں کے لیے درکار رقم فراہم کرنے کا بہترین ذریعہ تھی۔ سرمایہ داری کا موجودہ عالمی نظام اُبھرنے تک کسی اور آرگنائزیشن نے اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا تھا۔ اس لیے جدید بینکاری کو ٹمپلرز سے منسوب کرنا غلط نہ ہوگا۔ وہ رقم سود پر ادھار دیتے تھے اور یورپ کی معیشت میں دولت کے بہاؤ اور شرح کے بڑے حصے پر مکمل کنٹرول رکھتے تھے۔ آج کے جدید بینک کے طریقوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ٹمپلرز نے تجارت اور بینکنگ کے علاوہ جنگی معرکوں سے بھی منافع کمایا اور ملٹی نیشنل کمپنی کی طرح امیر کبیر ہو گئے حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا جب انگریزی اور فرانسیسی سلطنتوں کے مالیاتی امور پیرس اور لندن میں واقع ٹمپلرز کے دفاتر سے کنٹرول ہوتے تھے اور فرانسیسی اور انگریز شاہی خاندان ٹمپلرز کے دیے گئے قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ یورپ کے بادشاہ ٹمپلرز کے رحم و کرم پر ہوتے تھے اور اپنے معاملات چلانے کے لیے ٹمپلرز سے رقوم ادھار لینے کے منتظر رہتے تھے۔ ان کا زیادہ انحصار اس خفیہ تنظیم پر ہوتا تھا۔ اس لیے انہوں نے ٹمپلرز کو من مانی کرنے اور قومی پالیسیوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔

آٹھ پاؤں والا شکنجہ:

آج ذرا سے فرق کے ساتھ صورتحال تقریباً وہی ہے جو دسویں صدی میں تھی۔ اس وقت سرمائے کی ناجائز گردش کی جتنی بڑی بڑی شکلیں دنیا میں پائی جاتی ہیں ان سب کے پیچھے یہود کا شیطانی دماغ کام کر رہا ہے۔ مثلاً: کریڈٹ کارڈ کو لے لیجئے۔ یہ درحقیقت خریدار میں فرضی قوتِ خرید پیدا کر کے اسے سودی قرضے کے ذریعے خریداری پر ابھارنے کا ایک ہتھکنڈہ ہے۔ خریدار جب کسی اسٹور میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کا مخصوص ماحول، چیزوں کی پیشکش کا انداز اور سیلز مینوں کا رویہ اسے اپنی نادیدہ بندش میں اس طرح جکڑتا ہے اور اس کی جھوٹی عزت نفس یا طمع و لالچ کو اس طرح ابھارتا ہے کہ وہ رقم نہ ہوتے ہوئے بھی خریداری پر خریداری کرتا چلا جاتا ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی سودی قرضے کے دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ یہ سارا نظام براہ راست یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس وقت دنیا میں کوئی بھی مالیاتی ادارہ کریڈٹ کارڈ جاری کرنا چاہے تو اسے چار بڑی کمپنیوں (امریکن ایکسپریس، ویزا، ماسٹر کارڈ، ڈائزز کلب) میں سے کسی ایک سے منسلک ہونا پڑے گا اور یہ چاروں کی چاروں کمپنیاں یہودیوں کی ملکیت ہیں۔ سود پر مبنی عالمی سرمایہ داری نظام جس نے دنیا کو آٹھ پاؤں والے کیڑے کی طرح اُپنے پنجے میں جکڑ رکھا ہے، سب سے پہلے سویڈن اور ایمسٹرڈم کی یہودی برادری سے ابھرا تھا اور پھر آج تک اسی کی سربراہی میں پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ دنیا کا سب سے پہلا مرکز بینک سویڈن میں جبکہ پہلا بازار حصص ایمسٹرڈیم میں بنا تھا۔ (دنیا میں یہودی جادوئی ماہرین کا سب سے بڑا مرکز بھی سویڈن جیسے سرسبز ملک میں ہے۔ پہلے سودی بینک اور سب سے بڑے طلسمی جال میں کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ قارئین غور فرمائیں۔) اس وقت 71 فیصد برسرِ روزگار ہر امریکی شہری کے پاس تین سے دس تک مختلف کریڈٹ کارڈ ہیں اور مجموعی طور پر یہ کریڈٹ کارڈ ہولڈر ایک ٹریلین ڈالر کے مقروض ہیں۔ اس ایک ٹریلین (1,000 ڈالر بلین) پر اوسطاً 20 فیصد شرح سود کے حساب سے دو سو بلین ڈالر سالانہ واجب الادا سود کی

رقم اصل زر یعنی ایک ٹریلین کے علاوہ ہے۔ تجویز یہ ہے کہ سن 2005ء تک 71 فیصد کارڈ ہولڈرز کی تعداد 80 فیصد تک بڑھادی جائے اور سالانہ سود کا خالص منافع دوسو بلین ڈالر سے بڑھ کر 250 بلین ڈالر سالانہ تک ضرور ہونا چاہیے۔ منصوبہ یہ ہے کہ کریڈٹ کارڈ کے فتنے اور قباحت کو ضرورت، آسانی اور فرد کی سماجی ومعاشی حیثیت میں بدل دیا جائے۔ اس وقت کریڈٹ کارڈ کی صنعت آٹوموبائل انڈسٹری کے بعد امریکا کی سب سے بڑی صنعت کے طور پر ابھر رہی ہے۔ اس صنعت کے پھیلاؤ میں 160 ملین امریکی پھڑ پھڑا رہے ہیں اور سالانہ آمدنی دوسو بلین ڈالر سے تجاوز کر رہی ہے۔ جس معاشرے کی معاشی اساس سود در سود کی اس قدر ہمہ گیر لعنت پر رکھی گئی ہو اور جہاں کی حکومتیں سود اور شرح سود کے اتار چڑھاؤ کی بنیاد پر سرخرو ہوں، اس معاشرے کی خالص سودی امداد جہاں جہاں بھی پہنچی، وہاں وہاں ہی بدحالی، بے برکتی اور افلاس بھی پھیلا خصوصاً مسلمان ممالک میں تو امریکی امداد نے ایسے رنگ لگائے کہ سب کچھ ہی بے رنگ ہو کر رہ گیا۔ کیا ایمان اور کیا حمیت، کیا آسودگی اور کیا آبرو؟ سب کچھ امریکی سودی امداد کی صلیب پر چڑھ چکا ہے۔

حیوانی ضد کا علاج:

ہاں تو بات شائیلاک کی ہو رہی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ کسی کو قرض دیا اور واپسی یقینی بنانے کے لیے اس شقی القلب نے یہ شرط لگادی کہ اگر بروقت بمع سود واپس نہ ہوا تو وہ مقروض کے جسم سے ایک پونڈ گوشت کاٹے گا۔ اب سودی قرضہ کس کو راس آیا ہے اور اس سے کون پنپ سکا ہے؟ لہٰذا مقروض ادائیگی سے عاجز رہا۔ اس نے شائیلاک سے مہلت لینے کے لیے بہت کوشش کی لیکن یہ اپنی جاہلانہ اور سنگدلانہ شرط پر اڑا رہا۔ معاملہ عدالت میں پہنچا۔ وہاں موجود منصف روایتی اصولوں سے ہٹ کر اپنی ذہانت اور طباعی سے کام لیا کرتا تھا، اس نے اس سرمایہ دار اور سنگدل یہودی کو ایسے فیصلے میں جکڑا کہ قیامت تک اس کی اور اس کے پورے قبیلے کی رسوائی کا سامان بن گیا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ مدعی اپنی ضد پوری کرسکتا ہے لیکن شرط کے مطابق پورا ایک پونڈ گوشت کاٹے گا، نہ اس سے ایک رتی

زیادہ نہ ایک رتی کم، ورنہ اس کے جسم سے اتنا ہی گوشت کاٹ لیا جائے گا۔ ایک روایت یہ ہے کہ قاضی نے اس سے کہا تھا: معاہدے میں صرف گوشت کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ پتہ نہیں نکالا جائے گا...... حتیٰ کہ خون بھی نہیں...... اس پر لالچی سرمایہ دار کو اپنی حیوانی ضد سے باز آنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ اس دن کے بعد سے یہ واقعہ سودخوروں کی تذلیل کے لیے ضرب المثل ہے اور سود در سود (مرکب سود جس میں وقت پر سود ادا نہ کرنے سے سود اصل سرمایہ بن جاتا ہے اور پھر مجموعے پر نئے سرے سے سود لگتا ہے) کو شائیلاک کا سود کہا جاتا ہے۔ اب ہم اس نکتے کی طرف آتے ہیں جس کے لیے یہ ساری تمہید باندھی گئی تھی۔

شاہ دولے کے چوہے:

آج کل سودی نظام پر مبنی مروّجہ بینکاری کے حق میں دلائل دینے والے دانشور ''ارشاد فرمایا'' کرتے ہیں کہ اسلام میں شائیلاک والا سود حرام ہے جس میں کسی غریب کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو۔ باقی رہا بینکوں میں عوام کے پیسے محفوظ کر کے انہیں طے شدہ رقم فراہم کرنا تو یہ ظلم نہیں، تعاون اور خدمت ہے۔ یہ کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟ یہ مغالطہ سن کر بے ساختہ قرآن کریم کی وہ آیت یاد آجاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سودخور لوگ (جی ہاں! وہ تمام چھوٹے بڑے بینکار جو آج نہایت خوشحال ہیں اور عوام کے پیسے پر دادِ عیش دے رہے ہیں) قیامت کے دن مرگی زدہ، مخبوط الحواس اور شاہ دولے کے چوہے کی طرح قبروں سے اٹھیں گے۔ اس جرم اور سزا میں مطابقت بالکل واضح ہے۔ سودخور کا سارا کاروبار ہی ہمیشہ دوسروں کو مغالطوں میں الجھائے رکھنے سے چلتا ہے۔ ''ہم تو بس آنہ دو آنہ گذارے لائق لیتے ہیں، باقی اصل فائدہ تو ہم سے رقم لے جانے والوں کو ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ واقعہ یہ ہے کہ سود مفرد ہو یا مرکب، صرفی قرضوں (ذاتی ضرورت کے لیے لیے گئے قرضوں) پر لیا جائے یا تجارتی قرضوں پر، مہاجن اور ساہوکار اس کا لین دین کریں یا بینک اور مالیاتی ادارے، یہ بہرحال ظلم بلکہ سیاہ ظلم ہے۔ یہ سرمایہ داروں کا دجل و فریب اور ظلم در ظلم ہے کہ وہ اپنے بھیانک چہرے اور خونخوار فطرت پر ہمدردی اور خیرخواہی کا

پردہ ڈالے ہوئے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ موجودہ بینکنگ سسٹم میں سادہ لوح عوام کا خون کس طرح نچوڑا جاتا ہے اور عوام کی بچتوں سے سرمایہ کاری کا بازار گرم کرنے والے سرمایہ دار کس طرح بینکوں کی وساطت سے عوام کے ساتھ شائیلاک والا سلوک کرر ہے ہیں؟

عظیم ترین دھوکہ:

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ریٹائرڈ پنشن یافتگان، بیوگان اور خود سے تجارتی سرگرمیوں میں حصہ نہ لے سکنے والے لوگوں کے لیے بینک ''نعمت غیر مترقبہ'' ہے۔ بینک ایسے لوگوں کا سرمایہ بھی محفوظ رکھتا ہے اور اوپر کی آمدنی بھی یقینی ہوتی ہے۔ اس ڈھکوسلہ بازی کو دنیا کا سب سے بڑا دھوکہ کہا جائے (جس میں عوام وخواص، چھوٹے بڑے، خواندہ ناخواندہ سب مبتلا ہیں) تو بے جا نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ بینک عوام کو ''گارنٹی'' کے ساتھ جو رقم فراہم کرتے ہیں وہ اس خطیر رقم کے مقابلے میں نہایت معمولی اور حقیر ہوتی ہے جو وہ عوام کی بچتوں کے ذریعے کماتے ہیں اور پھر ظلم بلکہ سفاک ظلم یہ ہے کہ سرمایہ دار یہ معمولی اور حقیری رقم بھی ایک ہاتھ سے عوام کے ایک جیب میں ڈال کر دوسرے سے نکال لیتے ہیں۔ یوں ان کی پانچوں انگلیاں ہمیشہ گھی میں رہتی ہیں اور عوام کے حصے میں تلچھٹ ہی آتی ہے اور وہ بھی انہیں نصیب نہیں ہو پاتی۔

ہوس کا پیالہ:

ہوتا یوں ہے کہ ہوس کے مارے سرمایہ دار جب اپنے بڑے بڑے منصوبوں کے لیے بینک سے سود پر قرض لے جاتے ہیں تو اس قرض سے تیار کردہ چیز کو بیچتے وقت اس کی لاگت میں جہاں دوسرے اخراجات شامل کیے جاتے ہیں وہاں سود بھی شمار کرلیا جاتا ہے۔ اس حرص و ہوس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص دوپہر کو بینک سے خوش خوش سود وصول کر کے آیا تھا اور دل میں مولوی صاحبان پر حیران تھا کہ وہ اس ''محفوظ فائدے'' والی چیز سے اس دور میں بھی منع کرتے ہیں۔ وہ جب شام کو بچے کے لیے دوائی یا گھر کے لیے سودا لینے جاتا ہے تو

سامنے وہ مصنوعات دھری ہوتی ہیں جو اسی کے پیسے سے کسی سرمایہ دار نے بنائی تھیں اور پھر اس کی قیمت میں وہ سود بھی شامل کر دیا تھا جو بینک کے ذریعے اس کو دیا تھا، لہٰذا یہ ''ولایتی مسلمان'' جس کی سمجھ میں سود کی حرمت کی وجہ نہیں آتی، یہ دوپہر کو بینک سے لیا گیا سود شام کو خریدی گئی دوائی کی قیمت میں ڈال کر واپس اسے سرمایہ دار کی تجوری میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ وہ شیطانی چکر ہے جو سرمایہ دار اور بینک مل کر چلا رہے ہیں۔ وہ اپنے کثیر منافع میں سے ذرا سی رقم عوام کو دیتے ہیں اور پھر اسے سامراجی ہتھکنڈے کے ذریعے واپس سمیٹ لیتے ہیں، لیکن رہتے پھر بھی عوام کے خادم اور قوم کے لیے ناگزیر ضرورت ہیں، چنانچہ دولت کا بہاؤ اور سرمایہ کی گردش کا رخ ہمیشہ انہی کی طرف رہتا ہے اور عوام ان کے جھانسے میں آ کر اپنا خون نچوڑ نچوڑ کر ان کی نہ ختم ہونے والی ہوس کے پیالے میں ڈالتے رہتے ہیں۔ اس بحث کو اچھی طرح سمجھنے اور اس کے متبادل اسلامی بینکاری کے فوائد جاننے کے لیے سود سے پاک اسلامی معاشیات جاننا ضروری ہے۔ ہم اگلے کسی شمارے میں کوشش کریں گے کہ سودی بینکوں کی بے حساب لوٹ مار اور عوام سے ان کے سامراجی سلوک کے مزید کچھ پہلوؤں کو بے نقاب کریں۔ یہود کے برپا کردہ سودی نظام کے مقابلے میں اسلامی معاشیات کے علم کو عام کرنا درحقیقت ایک عظیم مشن ہے جس میں حصہ لینا نہایت سعادت کی بات ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے زندہ کرنا ''واجبِ کفایہ'' کے درجے میں ہے۔

انٹرنیشنل کرائسز گروپ کے کارنامے

یہودیوں کی بدنام زمانہ عالمگیر تنظیم ''فری میسن'' پر چند قسطیں آئی تھیں، ان کے چھپنے کے بعد بعض معلوماتی خطوط موصول ہوئے ہیں۔ ان میں سے فری میسن کی ایک ذیلی تنظیم کے متعلق ایک خط ملاحظہ فرمائیں پھر ان شاء اللہ بات آگے چلے گی۔ ایک بات یاد رکھیے کہ اس طرح کی معلومات کا مطلب محض کسی شر سے واقف ہونا ہی نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ باطل کے پجاری اپنے خودساختہ دیوتاؤں کا بول اونچا کرنے کے لیے جس طرح زور لگا رہے ہیں، اہل حق کی غیرت اور ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ بھی اپنی زندگی کو بے کار نہ جانے دیں اور دشمن کے منصوبوں کا علم ہو جانے کے بعد اپنی شکست کے مناظر کو ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھتے رہ جائیں، بلکہ:

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے؟
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے؟

☆☆☆☆☆

گزشتہ چند شماروں میں سیکولرازم (Secularism) اور فری میسنری (Freemasonry) پہ کافی کچھ لکھا جا چکا ہے، جس سے ہمارے قارئین کافی حد تک مستفید ہوئے ہوں گے، لیکن ان سب تحریروں کو پڑھنے کے بعد اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ جو لوگ سیکولرازم اور فری میسنری کے کرتا دھرتا ہیں، وہ اپنے بنائے ہوئے منصوبوں کو ہمیشہ دوسروں سے پائے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی شناخت اور راز بھی فاش نہ ہوں اور کام بھی ہو جائے۔ آج ایک ایسے ہی ادارے کے بارے میں قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے، جو اسلامی ممالک میں اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس حوالے سے اس کا زیادہ زور اس پر ہے کہ کسی طرح جہاد کا نام و نشان ان ممالک سے مٹ جائے۔ اس

ادارے کا نام انٹرنیشنل کرائسز گروپ International Crisis Group ہے۔

انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) کیا ہے؟

انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) ایک بین الاقوامی ادارہ ہے، جس کے 100 سے زائد (فتنہ انگیز) کارکن دنیا کے پانچوں براعظم میں پھیلے ہوئے ہیں جو کہ بظاہر Field Based Analysis اور High Lever of Adovcacy کے ذریعے ساری دنیا میں تصادم اور لڑائی کو ختم کرنے اور مسائل حل کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں۔ یہ تو تھا کرائسز گروپ کا تعارف اس کے اپنے منہ سے اصل راز تو قارئین اس وقت جانیں گے جب وہ ICG کی دستاویزات اور رپورٹس کو مکمل طور پر پڑھیں گے، لیکن اس وقت اتنا بتانا ضروری ہے کہ ICG اسلام کے غیر مسلم ماہرین جنہیں ''مستشرقین'' کہتے ہیں، کے زیر نگرانی کام کرنے والا ایک سیکولر ادارہ ہے جس کے چند بنیادی مقاصد یہ ہیں:

1- اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کی تردید کرنا۔

2- مسلمان ممالک میں اسلامی نظام حکومت کا خاتمہ اور اس کی جگہ مغرب زدہ غیر شرعی قوانین کو نافذ کروانا۔ (اسلامی نظام حکومت تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے یہاں مراد شاید یہ ہے کہ اس نظام کے باقی ماندہ آثار کو بالکلیہ ختم کرنا)

3- مختلف اسلامی فرقوں اور مسلکوں کے درمیان اختلافات کی نشاندہی کرنا اور ان کے ذریعے باہمی اختلاف اور لڑائی جھگڑے برپا کروانا۔

4- جہاد کے لفظ کو اسلامی کتب، قوانین، اسکول اور کالجوں کے نصاب سے مٹا دینا۔

5- قرآن اور حدیث میں من مانی تحریف کرنا اور اس کو جدت پسندی کہنا۔

انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) کیسے کام کرتا ہے؟

ICG اپنی رپورٹوں کی بنیاد پر ان ممالک کی نشاندہی کرتا ہے جہاں پہ لڑائی، جھگڑا اور کونفلکٹ (Conflict) ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ ان کے پاس سیاسی تجزیہ نگاروں (Political Analysts) کی ٹیمیں ہوتی ہیں جو ہر اس علاقے میں موجود ہوتی ہیں جہاں پہ کرائسز گروپ نے لڑائی کے امکانات کی نشاندہی کی ہوتی ہے۔ ان پولیٹکل اینالسٹس

کے ذریعے کونفلکٹ کے بارے میں معلومات اور وجوہات دریافت کی جاتی ہیں، جن کی بنا پہ موٹی موٹی رپورٹس لکھی جاتی ہیں۔ ان تجاویز اور سفارشات کو دنیا بھر میں مختلف بین الاقوامی منصوبہ بندی کرنے والے اداروں، مغربی ممالک کے امورِ خارجہ کے وزیروں اور سفارت کاروں کو پیش کیا جاتا ہے، جو ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ ہر تجویز کو اقوامِ متحدہ (United Nation) میں ردعمل کے لیے پیش کیا جائے اور خاص طور پر مسلمان ممالک کو بلیک میل کیا جائے اور ان پر مختلف قسم کی پابندیاں لگوائی جائیں۔

انٹرنیشنل کرائسز گروپ میں کون لوگ ہیں؟

انٹرنیشنل کرائسز گروپ دنیا کی نامور شخصیات پر مشتمل ہے جو کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سیاست، تجارت اور میڈیا کے لوگ سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس گروپ کے سربراہ لارڈ پیٹن اوف برانس (Lord Patten of Barnes) ہیں۔ دنیا کی میڈیا کی نامور شخصیات بھی اس میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ امریکا کے کانگریس مین (Congressmen)، سینیٹرز (Senators)، مختلف ممالک کے سابق وزیراعظم، صدر اور بڑے وزراء بھی شامل ہیں۔ نیز یہ کہ سیاست دانوں کی پلاننگ، میڈیا کی ڈرامائی تشکیل، پریشر گروپس کے ذریعے اپنے خیالات کو دوسروں پر حاوی کرنا اس ادارے کا مقصد ہے اس پر جو بھی خرچ ہوتا ہے اسے بڑے بڑے تجارت پیشہ لوگ جو ICG کے ممبر ہیں، پورا کرتے ہیں۔ انٹرنیشنل کرائسز گروپ کی کمیٹی میں پاکستان کی شہرت یافتہ، پڑھی لکھی خواتین شامل ہیں۔

انٹرنیشنل کرائسز گروپ کہاں کہاں اپنے جال بچھائے ہوئے ہے؟

کرائسز گروپ کا ہیڈکوارٹر برسلز (Brussels) بلجیم (Belgium) میں ہے اور اس کے دوسرے آفس نیویارک، واشنگٹن، لندن اور موسکو میں ہیں۔ اس کے علاوہ کرائسز گروپ کی 19 شاخیں ہیں جن میں سے ایک شاخ اسلام آباد میں ہے جو کہ ایک خاتون چلا رہی ہیں۔ دنیا کے تقریباً 50 سے زیادہ ممالک میں ان کے تجزیہ نگار پائے جاتے ہیں اور تقریباً سارے اسلامی ممالک میں ان کے رپورٹرز موجود ہیں۔

انٹرنیشنل کرائسز گروپ کے پاس پیسہ زیادہ تر امریکہ، برطانیہ، فرانس، کینیڈا اور یورپ کے دیگر سیکولر ممالک سے آتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مختلف اداروں سے چندہ اکٹھا کرتے ہیں جن میں زیادہ تر سیکولر اور یہودی تنظیمیں شامل ہیں۔

کرائسز گروپ کی تصنیفات زیادہ تر اسلامی ممالک کے خلاف پائی جاتی ہیں، جن میں ان کا مقصد اسلام کو حکومت (State) سے خارج کرنا اور اس کی جگہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو رائج کرنا ہے۔ ان میں اس بات کا رونا رویا جاتا ہے کہ موجودہ عالمی حالات میں اسلامی نظام نہیں چل سکتا۔ اسلامی سیاسیات، معاشیات اور سماجیات عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ تہذیبوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ اس طرح کے دوسری بے سروپا شیطانی وسوسے جنہیں قارئین نوٹ کرنا شروع کریں تو ڈائریاں بھر جائیں۔ ان تصنیفات میں پاکستان کے خلاف بھی رپورٹس تیاری کی گئی ہیں جن میں سے کچھ کے عنوان مندرجہ ذیل ہیں:

◆Pakistan: Madrasas, Extremism And The State of Sectarianism In Pakistan, Asia Report N95, 18 April 2005.

◆Building Judicial Independence in Pakistan, Asia report N86, 9 November 2004.

◆Pakistan: Reforming the Education Sector, Asia Report N84 7 October 2004.

◆Devolution in Pakistan: Reform or Regression?, Asia Report N77, 22 March 2004.

◆Unfulfilled Promises: Pakistan's Failure to Tackle Extremism, Asia Report N73, 16 January 2004.

◆Pakistan: The Mullahs and the Military, Asia Report N49, 20 March 2003.

◆Pakistan: Transition to Democracy?, Asia Report N40, 3 October 2002.

◆Pakistan: Masdrasas, Extremisn And The Military, Asia Report N36, 29 July 2002.

♦Pakistan: The Dangers of Conventional Wisdom, Asia Briefing N12, 12 March 2002.

اوپر دی گئی رپورٹس ساری کی ساری کرائسز گروپ کی ویب سائٹ پہ موجود ہیں، جو قارئین تفصیل سے ان کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ www.crisisgorup.org پہ جا کے ساری تفصیلات معلوم کر سکتے ہیں۔ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے کرائسز گروپ کی اس "دلچسپ" رپورٹ کے چند فقرے ملاحظہ فرمائیں:

اسلامی حکومتی نظام کو فرقہ واریت کی سب سے بڑی وجہ قرار دیتے ہوئے اور پاکستان میں سیکولرازم کو فروغ دینے کے لیے کرائسز گروپ لکھتا ہے:

"Sectarian Conflict in Pakistan is the direct consequence of state policies of islamization and marginalization of secular democratic forces."

اسلامی قانون، تعلیم، نصاب اور تہذیب کو انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ لڑائیوں اور مذہبی اقلیات کے خلاف کارروائیوں کی وجہ ٹھہراتے ہوئے لکھا ہے:

"Constitutional provisions to "Islamize" Laws, education and culture, and official dissemination of a particular brand of Islamic ideology. Not only militate against Pakistan's religious diversity but also breed discrimination against non-Muslims."

علمائے کرام اور دیندار حضرات کو تعصب پسندی کی وجہ کہتے ہوئے ان کے خلاف لکھتے ہیں:

It is between genuine democracy and a military-mullah alliance that is responsible for producing and sustaining religious extremism of many hues.

یہ تو تھا کرائسز گروپ کا پاکستان میں اسلامی نظام اور اسلام کے بارے میں کچھ تحقیقی جائزہ۔ اب ذرا ان کی کچھ تجاویز بھی ملاحظ فرمائیں۔

پاکستان میں اگر کوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو برا بھلا کہنا چاہے تو یہ

اس کا حق ہے۔ (معاذ اللہ) نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی کھلی آزادی دی جائے (معاذ اللہ) اس سیکولرازم کی فروغ کے لیے یہ تجویز پیش کی ہے۔

Recognize the diversity of Islam in Pakistan; reaffirm constitutinoal equality for all citizens regardless of religion or sect.

اس سے پتا چلا کہ یہودی، ہندو، بت پرست اور دیگر اقوام ہر جگہ مسلمان کے برابر ہونی چاہییں۔ آگے کہتے ہیں کہ حدود آرڈیننس اور اللہ تعالیٰ کی بے ادبی کی سزا کو ختم کیا جائے (معاذ اللہ) اور وہ ایسے

Repeal the Hudood Laws and Blasphemy Laws.

اسلامی شناخت کو ختم کرنے کے لیے ایک جگہ لکھا ہے کہ علماء حضرات اسلام کو شناخت کے لیے ضروری سمجھتے ہیں جبکہ اس کے برعکس ICG نے اس پہ سخت اعتراض کیا ہے۔

Pakistan's puritanical clergy is attempting to turn the country into a confessional state where the religious creed of a person is the sole marker of identity.

اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے جہاد اور مجاہدین کو ختم کرنے کے لیے درج ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں:

مجاہدین کے خلاف لٹریچر کا پھیلاؤ اور ان سے نفرت پیدا کرنا

(Publicizing the evidence for banning jihadi groups)

نفرت پھیلانے والی تقاریر (یعنی جن میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہو) کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی

(inplementing the laws against hate-speech and incitement of communal violence)

ارتداد اور مرتد ہونے والوں کے خلاف صرف قانونی کارروائی کی جائے (یعنی کہ انہیں تحفظ دیا جائے)

(Taking legal action against the administration of any mosque or madrassa whose religious leader is responsible for verbal or written edicts of apostasy)

جولوگ جہادی لٹریچر کی اشاعت کرتے ہیں ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔

(cancelling the print declarations/licenses of jihadi publications and prosecuting the publishers)

یہ تو تھی جہاد کے خلاف ہرزہ سرائی، مساجد اور اسلام کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لیے یہ تجویز دی گئی ہے۔

مساجد کے امام اور خطیب حضرات کو محکمہ اوقاف مقرر کرے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کسی کا بھی جہادی تنظیم کے ساتھ تعلق نہ ہو (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جہاد کرنا اور ساتھ میں مسجدِ نبوی میں امامت کرنا ICG سے ہضم نہیں ہوتا، استغفر اللہ العظیم! لہٰذا اس سنت کو مٹانے کی تجویز دی جارہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

Appoint prayer leaders and orators at mosques and Madrasas run by Auqaf Department only after verifying that the applicant has no record of sectarian extremism, and dismiss those sectarian leaders who are employees of the Auqaf Department.

اور ایک اور جگہ

Review periodically the activities of all govermment appointed clergy and strictly enforce the ban on loudspeakers used in mosques other than for permitted religious activites.

آخر میں اہلِ وطن سے گزارش ہے کہ وہ خود انصاف کریں، ہمارے ہی ملک کے چند لوگ مسلمانوں جیسے رکھ کے اس طرح کی تجاویز دیتے ہیں، جو قوم کو غلام بنانے اور وطن کو گروی رکھنے کے مترادف ہیں۔ اللّٰھم احفظنا منھم۔ اللّٰھم انا نجعلك فی نحورھم، و نعوذبك من شرورھم.

والسلام

آغا یاسر اسلام آباد

پاکستان فری میسن کا ہدف کیوں؟

حاجی...... صاحب سے ملاقات کا شوق بندہ کو اس وقت سے تھا جب سے پتا چلا کہ وہ جوانی میں یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے قائم کی گئی بدنام زمانہ خفیہ تنظیم "فری میسن" کے رُکن تھے۔ یہ تنظیم مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے کام کرتی ہے لیکن پاکستان میں قیام پاکستان سے 1983ء تک اصل نام سے ہی سرگرم رہی۔ 1983ء میں جب اس پر پابندی لگ گئی تو اس نے نئے نام، نیا انداز اور اپنے اصل مقاصد کو کیموفلاج کرنے کے لیے نئے طور طریقے اختیار کیے۔ ان نئے ناموں کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے دنیا کے مختلف ممالک میں اس تنظیم کے مختلف ناموں کا تذکرہ ہو جائے:

بلجیم	SDRA	فرانس	ROSEAR
یونان	SHEEPSKIN	ترکی	KONTRGERILLAH
جرمنی	SILANTTRAP	ہالینڈ	NATO COMMOND
آسٹریلیا	SCHWERT	اسپین	STA BEHIND
برطانیہ	SECRET BRITISH NETWORK		

اٹلی کے فری میسن P2 کے نام سے کام کرتے رہے ہیں۔ اس بارے میں پوپ صاحب کی وفات کے موقع پر تفصیلی قسط وار مضمون شائع ہو چکا ہے۔ رہ گیا امریکا تو وہاں کی مرکزی اور ذیلی تنظیموں کے نام گنوانے بیٹھیں تو شام ہو جائے۔ البتہ اس میں سے "شرائنز" نامی ایک سلسلہ کے متعلق تفصیل سے ذکر کیا جائے گا کیونکہ اس نے روحانیت کے متلاشی امریکیوں کو اسلام کے نام پر بری طرح ڈسا ہے۔ یہ عربی میں اپنا نام "مجلس السلطانی الاخوانیہ" اور جائے اجتماع کا نام "اشرف المسجد عربی سرّی" رکھتے ہیں اور

اسلامی عقائد و اعمال کی کھلی تضحیک کرتے ہوئے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

حاجی صاحب (یہاں ان کا نام عمداً نہیں لکھا جا رہا ہے جس کی وجہ سے آپ کو ذرا آگے چل کر خود معلوم ہو جائے گی) کو اپنے والد سے چلتا ہوا کاروبار ورثے میں ملا تھا جس کی وجہ سے خاصے خوشحال اور فارغ البال تھے۔ مزاج چونکہ ایڈونچر پسند قسم کا تھا اس لیے ان سے نچلا بیٹھا نہ جاتا تھا۔ ایک دن کسی "فری میسن برادر" سے ٹاکرا ہو گیا۔ وہ ان کو لاہور، مال روڈ پر واقع "جادو گھر" میں لے گیا (اس کی تفصیل اگلی قسط میں پڑھیے) اور وہاں سے ان کی اس خفیہ زندگی کا آغاز ہوا جو ان کی ظاہری زندگی کے متوازی چلتی تھی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ وہ بظاہر مسلمان تھے لیکن درباطن وہ ایک ایسے گھناؤنے کھیل میں شریک ہو چکے تھے جس میں قدم رکھنا ہی ایمان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔ وہ بظاہر پاکستان کے شہری تھے لیکن ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ چکے تھے جن کی نظروں میں پاکستان کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے اور وہ پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے اتنے ہی سرگرم رہتے ہیں جتنا اسرائیل کو مستحکم کرنے کے لیے۔

بندہ حاجی صاحب کی ٹوہ میں رہتا تھا۔ آخر ایک دن ان کو جا لیا۔ آنا جانا ہو گیا اور گپ شپ شروع ہو گئی۔ اتنا بندہ کو معلوم تھا کہ حاجی صاحب کو توبہ کیے ہوئے اگرچہ ربع صدی ہونے کو آئی ہے (پاکستان میں فری میسن پر 1983 میں پابندی لگ گئی تھی) لیکن وہ اتنی آسانی سے بولیں گے نہیں۔ خصوصاً اپنی آپ بیتی پر...... لہٰذا بندہ کی کوشش ہوتی تھی کہ ان سے فری میسن کی عمومی ساخت، مقاصد وغیرہ پر کچھ اُگلوا دیا جائے یا "زمانہ جاہلیت" کی کوئی یادگار ان سے نکلوائی جائے۔ ایسی کوئی بات نہ چھیڑی جائے جن سے ان کا تعلق فری میسن سے ظاہر ہوتا ہو۔ یہ ریاضت رنگ لائی اور آخر کار ایک دن حاجی صاحب کھل گئے:

"اس تنظیم کے 32 درجے (Steps) ہوتے تھے۔ میں نے 7 درجے پار کر لیے تھے اور اب میں سمجھتا ہوں کہ جو آدمی اس کے پہلے تین درجوں سے گزر جاتا تھا اس کی اتنی ذہنی تطہیر (Brain Washing) ہو چکی ہوتی تھی کہ وہ مسلمان نہیں رہتا تھا بس اس کا نام مسلمانوں جیسا ہوتا تھا لیکن اس کے سوچ، جذبات اور احساسات یہودیوں کے رنگ میں

رنگ چکے ہوتے تھے۔“

”پاکستان میں یہودی کیا کرنا چاہتے تھے کہ اتنا بکھیڑا ڈال رکھا تھا؟“

بندہ نے بات میں بات ڈالی۔

”ارے شاہ صاحب! پاکستان تو دنیا میں ان کا پہلا ہدف تھا۔ ہمارے لاج میں کون سے شعبے کا آدمی تھا جو نہیں آتا تھا۔ فوج، فارن سروس، عدلیہ، بیوروکریسی، صنعت کار......“ یہاں تک پہنچ کر حاجی صاحب رُک گئے۔ انہیں محسوس ہوا کہ وہ ضرورت سے زیادہ بول گئے ہیں اور اگر مزید انکشافات کیے تو ان کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے کیونکہ پابندی تو فری میسن پر لگی تھی، فری میسن کے داناؤں یا برادری پر تو نہ لگی تھی جو بھیس بدل کر روٹری انٹرنیشنل، لائنز کلب، لیوز، جونیئر سٹیزنز اور این جی اوز کی شکل میں پوری طرح موجود اور بھرپور طریقے سے سرگرم عمل ہیں۔ اگر ان میں کوئی برادر آس پاس موجود ہوا تو...... یہاں پہنچ کر نو آموز فری میسن کو وہ خوفناک ماحول یاد آجاتا ہے جس میں اس سے سینے کے مقام پر خنجر کی نوک، گلے میں اسی پھندا اور سر پر دو کراس نما تلواریں رکھ کر رازداری کا حلف لیا گیا تھا: ”میں کتابِ مقدس پر ہاتھ رکھ کر یہ اقرار کرتا ہوں کہ اگر میں یہ سربستہ راز کسی پر ظاہر کروں تو میرا گلا گھونٹ دیا جائے۔ زبان گدی سے کھینچ لی جائے۔ دل و دماغ پرندے کھائیں اور جسم کو سمندر کی ریت میں دفن کر دیا جائے جہاں پانی کی موجیں دن میں دو بار چڑھتی اور اُترتی ہیں۔“

حاجی صاحب نے ابتدائی تین درجوں کی تفصیلات نہ بتائیں لیکن وہ ایسا اندھا راز بھی نہیں کہ کسی راستے سے اس تک نہ پہنچا جا سکے۔ پہلے درجے کا رنگروٹ فری میسن کی اصطلاح میں ”نو آموز: Apprentice“ کہلاتا ہے اور بطورِ ابتدائی فری میسن، ماسونی لاج جو ہیکل سلیمانی کی نمائندہ عمارت ہے، میں اپنے فرائض ادا کرتا ہے۔ یہی نو آموز جب دوسرے درجے میں پہنچتا ہے تو اسے ”ساتھی معمار: Fellow Craft“ کہتے ہیں اور جب ساتھی معمار اس قابل ہو جائے کہ ہیکل سلیمانی کی مقدس ترین جگہ پر پہنچ کر اس کے راز معلوم کر سکے (جو محض ڈھکوسلے ہیں ان میں راز نامی کوئی چیز نہیں) اور باقی میسنوں کو رسوم ادا کرنے میں مدد دے تو وہ

"ماسٹر میسن" کہلاتا ہے اور یہ لاج میں تیسرا اہم درجہ ہوتا ہے۔ جب کوئی اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اس طلسم کی نقاب کشائی میں کامیاب ہوگیا حالانکہ اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ابھی تیس درجے مزید باقی ہیں جہاں غیر یہودی کی رسائی کم ہی ہوتی ہے۔

حاجی صاحب اس بات کی وضاحت بھی نہ کر سکے کہ پاکستان ان کا ہدف کیوں تھا؟ اس بحث کو پھیلایا جائے تو ضخیم مجموعہ بن جائے، سمیٹا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ عالمی فری میسنری پاکستان کو کسی صورت ایک اسلامی ریاست بننے نہیں دینا چاہتی۔ وہ پاکستانی عوام کے دلوں میں موجود یہود، اسرائیل اور صیہونیت دشمن خیالات نکالنا چاہتی ہے کیونکہ اس کا اصل مقصد بیت المقدس کی جگہ ہیکل سلیمانی اور فلسطین کی جگہ اسرائیل کا قیام ہے۔ (فری میسن کا معنیٰ ہی "آزاد معمار" ہے اور معماری کے آلات اس کے علامتی نشانات ہیں جن کے ڈانڈے ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور وہاں دوستونوں میں چھپائے گئے پوشیدہ رازوں سے جا کر ملتے ہیں۔ بندہ کہہ چکا ہے کہ یہ راز محض ڈھکوسلوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اللہ کے مقدس پیغمبر سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے عبادت گاہ تعمیر کی تھی نہ کہ کوئی طلسم کدہ کہ وہ اس کے راز چھپا کر رکھیں۔ ان کی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرنا ہی ان باتوں کے غلط ہونے کی دلیل ہے) اور اسرائیل کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ پاکستان اور پاکستانیوں کے پاس موجود وہ قدرتی اور وہبی امکانات ہیں جو دنیا میں کسی اور کے پاس نہیں۔ لہٰذا وہ اس انوکھے وسائل، غیر معمولی امکانات اور بے مثال انسانی صلاحیتوں والے ملک (جس کا باشندہ ہونے پر ہم سب کو فخر ہے) سے "اسلامی بنیاد پرستی" اور بالخصوص "جذبۂ جہاد" کو ختم کرنا چاہتی ہے جس کا آسان طریقہ دینی قوتوں کی تحقیر اور فحاشی کا پرچار ہے۔ بطورِ مثال کے آپ اس خبر کا عکس ملاحظہ فرمالیں جو کہ کرائسس گروپ کے حوالے سے گزشتہ ہفتے چھپی ہے۔ (یہ خبر کا عکس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے) اس گروپ کا ذکر چند شمارے پہلے تفصیل سے آچکا ہے۔

حاجی صاحب نے پاکستان کے مختلف شہروں میں واقع فری میسن لاجوں کا محلِ وقوع بھی نہیں بتایا لیکن یہ ایسی چیز نہیں کہ اس کا سراغ نہ لگ سکے۔ (جاری ہے)

کنعان سے کنکٹی کٹ تک

امریکا میں تین جڑواں ریاستیں قریب قریب واقع ہیں۔ جڑواں کا لفظ دو کے لیے بولا جاتا ہے لیکن یہ تین ریاستیں اتنی قریب اور کچھ مشترک چیزوں کی بنا پر آپس میں ایسی گتھی ہوئی ہیں کہ تینوں مل کر ٹرائی اسٹیٹ (Try State) کہلاتی ہیں اور امریکا کا میڈیا بالعموم ان تینوں ریاستوں کے حالات و واقعات کو ایک ساتھ مقامی خبروں کی صورت میں نشر کرتا ہے۔ یہ تین ریاستیں ''نیویارک، نیو جرسی اور کنکٹی کٹ'' ہیں۔ ریاست نیویارک امریکا کے شمال مشرقی سرے پر واقع آخری امریکی ریاست ہے۔ اس کے بعد کینیڈا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا صوبائی دارالحکومت البنی (Albany) ہے۔ نیویارک ریاست میں واقع مشہور شہر نیویارک کو ریاست سے الگ مفہوم دینے کے لیے مؤخر الذکر کو ''نیویارک سٹی'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہی شہر ہے جسے ''جیویارک'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ اور پس منظر بندہ ایک مضمون میں عرض کر چکا ہے۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں اس سارے تذکرے کا مقصد تیسرے جڑواں شہر ''کنکٹی کٹ'' سے متعلق ایک خاص بات کا ذکر ہے کہ سرائیل اپنی ساٹھ ویں سال گرہ منا رہا ہے اور اسرائیلی وزیر اعظم نے اس موقع پر انتہائی عنی خیز بیان دیا ہے جس کی معنویت اور رمزیت کو سمجھنا مسلم زعما کے لیے انتہائی ضروری ہے، خصوصاً وہ ''بدنصیب خیال'' زعماء جنہوں نے اسرائیل کو تسلیم کیے جانے کی مہم اس طرح ارکھی ہے جیسے وہ یہودیوں کا نہیں، ہمارا مسئلہ ہے اور گویا اس سے فائدہ یہودیوں کو نہیں، بں ہوگا۔

''کنکٹی کٹ'' کے لفظ کو دوبارہ دہرائیے! کیا آپ کی زبان اس کو روانی سے بول ہے یا آپ کو یہ عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ آپ کو سوچنا چاہیے کہ کیا یہ انگریزی الاصل

ہے یا کسی اور زبان سے منتقل ہو کر امریکیوں کی زبان پر چڑھا ہے؟ سوچنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، پابندی تو راز کشائی پر ہے۔ یہودی اکابر (اکابر کا لفظ ''دانا بزرگوں'' کے متبادل کے طور پر استعمال ہو رہا ہے، مراد یہود کے وہ دماغ ہیں جو علم طبعی کے ساتھ ماوراء الطبیعیات خصوصی نجوم و سحر سے شغف رکھتے ہیں اور شیطان و خبیث جنات سے استمداد کر کے یہودیوں کی رہنمائی کرنے اور ان کے سفلی مقاصد کی تکمیل کے لیے منصوبہ بندی کرتے رہتے ہیں) اپنے رازوں کو بے حد خفیہ رکھتے ہیں۔ ان کی خفیہ میٹنگوں کی کارروائی کو طشت از بام ہونے سے بچانے کے لیے یہ اُصول مقرر کیا گیا ہے:

''ممنوع مدارج کی وضاحت تین آدمیوں تک کے درمیان نہ کی جائے۔ براشیت (تکوین) کی وضاحت دو آدمیوں تک کے مابین نہ کی جائے اور مرکبہ کی وضاحت میں تنہا بھی غور نہ کی جائے۔ الا یہ کہ وہ شخص خود شیخ ہو اور اسے اپنے علم کا علم ہو یعنی وہ یہ جانتا ہو کہ وہ کیا جانتا ہے؟''

اس اصول کی سب سے زیادہ پاسداری وہ ''رازوں کے راز'' کے متعلق کرتے ہیں جو ممنوع درجہ اول کے زمرے میں آتا ہے۔ اس کا تعلق دجال کے خفیہ ٹھکانے سے ہے۔ جہاں وہ قید ہے اور اس قید خانے سے باہر نکلنے اور یہودیوں کی مدد کرنے کے لیے بے تاب اور بے چین ہے۔ اسے اس وقت کا شدت سے انتظار ہے جب یہودی اس کے نکلنے کی (بزعمِ خود) تمام شرائط پوری کر دیں۔ ان شرائط میں سے پہلی شرط اسرائیل کے قیام کی شکل میں پوری ہو چکی ہے۔ آخری شرط ''مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی'' کا قیام ہے۔ اس کی ابتدا 1967ء میں مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے کے واقعے سے ہو گئی ہے اور اب اس کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہودی شدت پسند پاگل ہو رہے ہیں...... فلسطینی مسلمانوں کی تاریخی مزاحمت کے سبب یہود 1967ء کو چالیس سال گزرنے کے باوجود ایک قدم آگے نہیں جا سکے۔ آخری شرط گنبد صخرہ کے نیچے واقع مقدس چٹان (جو مسلمانوں کا قبلہ اول ہے) کے گرد دجال کے قصر صدارت کی تعمیر ہے۔ اس پر تخت داؤدی لا کر رکھا جائے گا اور دجال یہاں

بیٹھ کر ساری دنیا پر ”نیو ورلڈ آرڈر“ کے تحت حکومت کرے گا۔ تخت داؤدی وہ پتھر ہے جو اس وقت ملکۂ برطانیہ کی کرسی میں نصب ہے اور مادیت پرست انگریزوں کی وہم پرست اعتقادیات کے مطابق انگریزوں کی کامیابی اور دنیا پر حکمرانی کا راز اس پتھر میں پوشیدہ ہے جب تک یہ پتھر ان کے پاس ہے، انہیں شکست دی جاسکتی ہے نہ دنیا کی بے تاج بادشاہی ان سے چھن سکتی ہے۔ اس پتھر پر حضرت داؤد علیہ السلام عبادت کرتے تھے اور یہی وہ پتھر ہے جس پر بیٹھ کر وہ زبور کی تلاوت کرتے تو چرند و پرند، شجر و حجر اور پہاڑ تک وجد میں آکر ان کا ساتھ دیتے اور تسبیح کرتے تھے۔ یہودی اکابر کے مطابق جب تک یہ پتھر مقدس چٹان پر نصب نہیں ہوگا اور جب تک چٹان کے گرد گنبد صخرہ کے بجائے ہیکل کی مرکزی عمارت (جس کا رخ مشرق میں سورج کی جانب ہے جبکہ مسجد اقصیٰ کا رخ جنوب میں مکہ مکرمہ کی جانب ہے) قائم نہیں ہو جاتی، دجال کا خروج نہیں ہوسکتا۔ (دیکھیے بندہ کی تازہ ترین کتاب: ”عالمی یہودی تنظیمیں“ کا پشتی سرورق) چنانچہ 1717ء میں فری میسن کے قیام سے لے کر 1898ء میں سیاسی یہودیت (صہیونیت) کے آغاز تک اور 1897ء سے مئی 1948ء تک انہوں نے اسرائیل کے قیام (شرطِ اول کی تکمیل) کی کوشش کی اور 1948ء سے آج چھ دہائیاں ہونے کو آئی ہیں کہ وہ اسرائیل کے استحکام (شرط آخر کی تکمیل) کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں لیکن اس میں کامیابی اس لیے نہیں ہو رہی کہ درمیانی شرائط کی کڑیاں آپس میں نہیں مل رہیں۔ جیسے ہی وہ مل جائیں گی ”ان“ کے مطابق دجال برآمد ہو کر وہ چغہ پہنے گا جو اس کے لیے سیاہ ریشم سے تیار کیا گیا ہے اور وہ پریس کانفرنس کرے گا جو سیٹلائٹ سے ساری دنیا میں نشر ہونے کے لیے تیار کر لی گئی ہے۔

درمیانی شرائط کیا ہیں؟ دنیا کے ہر آدمی کے منہ میں حرام کا لقمہ چلا جائے اور اس کی شرمگاہ حرام میں ملوث ہو جائے تاکہ ان کی ہیئت جانوروں کی طرح اور حیثیت جانوروں سے بھی بدتر ہو جائے جن کو حلال و حرام کی تمیز نہیں ہوتی اور پھر یہودی اکابر ان غیر یہودی جانوروں (جن کو وہ جنٹائل کہتے ہیں) پر غیر مشروط کلی تسلط پر مبنی حکومت کر سکیں حتیٰ کہ یہ

فیصلہ بھی کر سکیں کہ (فارم کی مرغیوں کی طرح) کتنے انسان نما جانوروں کو ان کی خدمت کے لیے زندہ رہنا چاہیے اور کتنوں کو روئے زمین کی پشت اپنے بوجھ سے خالی کر دینی چاہیے۔ دنیا بھر میں سود، شراب، جوا، فحاشی و عریانی کے تمام کاروبار (بینک، شراب ساز کمپنیاں، کیسینوز، ہیجان خیز فلمیں، موسیقی، گندے رسالے) اور حرام خوری و حرام کاری کی ہر مہم کو یہودی کنٹرول کر رہے ہیں اور اس مردود قوم کی بدنصیبی دیکھیے کہ ان گندے کاموں کو پوری تندہی اور مذہبی جذبے سے کر رہی ہے کہ بدی کی قوتوں کا شیطان کے بعد سب سے بڑے نمائندے ''دجال اکبر'' کے خروج کا اسٹیج انہی شیطانی حرکتوں سے ہی تیار ہو سکتا ہے۔

بات ''کنکٹی کٹ'' کی ہو رہی تھی۔ اس کا مفہوم ہے ''کنعان جدید۔'' یہودی اکابر کے ممنوع درجہ سوم رازوں کے مطابق مسلم ہسپانیہ کے سقوط کے بعد یہود کا یورپ سے بھاگ کر امریکا آ کر بس جانا مصر سے بھاگ کر ''کنعان قدیم'' (فلسطین) میں بس جانے کی طرح ہے۔ امریکا وہ جزیرہ ہے جس میں (یا جس کے قریب کسی ''غیر مرئی مثلث'' میں) دجال مقید ہے۔ امریکا کی دریافت کو یہودیوں نے محض جغرافیائی اکتشاف کا درجہ نہیں بلکہ بازیافت کے روحانی سفر کی ایک منزل قرار دیا۔ لہٰذا ریاست ہائے متحدہ امریکا دجال کی حکومت کے باضابطہ قیام سے قبل ایک عبوری دجالی حکومت ہے اور اس ''روحانی خیال'' کا اظہار پوری طرح اور ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً:

(1) وہائٹ ہاؤس یہودی روحانیین کی اس مقدس آبادی کو کہتے ہیں جو ہیکل سلیمانی سے باہر دنیا میں کسی جگہ ہو سکتی ہے۔ یہودی اکابر کی اصطلاح میں یہ ''کاسا بلانکا'' (قصرِ ابیض) کہلاتی ہے۔

(2) پینٹاگون (پنج گوشہ، پانچ کناروں والی) دراصل سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی مہر کی نقل ہے۔ مہر سلیمانی اس شکل کی ہوتی تھی لہٰذا امریکا کا فوجی ہیڈ کوارٹر دراصل دجال کی ابلیسی فوج کا عالمی صدر دفتر ہے۔

(3) ریاست ہائے متحدہ امریکا کی سرکاری مہر اور نشان The Great Seal of

the United States مشہور فری میسن مہر اور نشان ہے۔ یہ مہر ڈالر کے پیچھے دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کا پورا ڈیزائن فری میسنری کی علامات اور اس کے فلسفے پر مبنی ہے۔ اس کے ایک طرف عقاب کی تصویر ہے جو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ایک قبیلہ کا قومی نشان تھا۔ عقاب کے دائیں بازوں کے 32 کھلے پر ہیں۔ یہ قدیم اور قابلِ قبول اسکاٹش سلسلہ فری میسنری کے 32 درجوں کو ظاہر کرتے ہیں جو امریکا کے شمالی حصوں میں رائج ہے۔ بائیں بازو کے کھلے پر 33 ہیں جو اسکاٹش سلسلہ کے 33 درجوں کو ظاہر کرتے ہیں جو امریکا کے جنوبی علاقوں میں قائم ہے۔ 33 واں درجہ اہم اعزازی ڈگری انسپکٹر جنرل ہے۔ عقاب کی دم کے نو پر ہیں اور یہ یارک یا امریکن سلسلہ فری میسنری کے نو اہم درجوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ عقاب کے سر پر 13 ستارے اس طرح سے دکھائے گئے ہیں کہ یہ چھ کونوں والا ستارہ داؤدی بناتے ہیں جو صہیونی اسرائیل کا نشان ہے۔ یہ تیرہ ستارے وہ تیرہ امریکی نوآبادیات ہیں جنہوں نے آزادی کی جنگ (1776ء) میں حصہ لیا۔ ان ستاروں کے درمیان 24 مساوی درجے رکھے گئے ہیں۔ فری میسنری کی اصطلاح میں یہ دن رات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مہر پر درج لاطینی حروف Epheribus unum فری میسن برادری (The Brotherhood of Freemasonry) کو ظاہر کرتے ہیں۔ مہر کے دوسری طرف ایک آنکھ بنی ہے جو آپ کو ہر فری میسن ہال میں ملے گی۔ یہ خدا کی آنکھ کہلاتی ہے اور اسے میسنری کی اصطلاح میں سب کچھ دیکھنے والی آنکھ All Seeing Eye کہا جاتا ہے لیکن ہم اسے دجال کی آنکھ کہہ سکتے ہیں۔ یہ آنکھ ایک مثلث کے اندر دی گئی ہے جو فری میسنری کا مخصوص نشان ہے۔ عالمی فری میسنری کے کئی عہدیداروں کے تمغوں میں یہ نشان موجود ہے۔ آنکھ کے نیچے ایک غیر تکمیل شدہ اہرام Pyramid دکھایا گیا ہے۔ یہودی اصطلاح میں اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ روح لافانی ہے اور ابھی اسے وہ بلندی حاصل نہیں ہوئی جس کی اسے ضرورت ہے۔ دوسرا اہم مطلب یہ ہے کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ابھی باقی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس ہیکل کی تعمیر کا کام معمارِ اعظم ''حیرام ابیف'' کے

سپرد کیا جو غیر یہودیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس ہیکل کی تعمیر کے بعد ہی فری میسنری کا عظیم مقصد پورا ہو گا۔

(4) امریکا کے تمام کالجوں، یونیورسٹیوں اور اہم تعلیمی اداروں میں فری میسنری کی ذیلی تنظیمیں موجود ہیں جن کے نام یونانی علامتی حروف الفا، بیٹا، گاما، فائی وغیرہ پر رکھے گئے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی (جہاں زیرِ تعلیم مستقبل کے مسلم حکمران فری میسن گرینڈ ماسٹرز کی خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں) کی تنظیم کا نام ''فائی بیٹا کاپا ہے''۔ Phi Beta Kappa اسی طرح الفا، کاپا، فائی وغیرہ تنظیمیں ہیں جو امریکا کی فری میسنری کی اعلیٰ قیادت کی ہدایات پر کام کرتی ہیں۔ یہ تنظیمیں رقص و سرور کی محفلیں سجاتی ہیں اور عیش و نشاط کی محفلیں منعقد کرتی ہیں۔ ان تقریبات میں فحش لباس والی خواتین کو زیادہ پذیرائی حاصل ہوتی ہے۔ ان سے داخلہ فیس نہیں لی جاتی۔ اشتہارات میں عام طور پر لکھا جاتا ہے نیم عریاں خواتین کا داخلہ مفت ہے (Ladies in Bikni Free) امریکا کے ہونہار طلبہ کو فری میسن سلسلوں کے اربابِ اختیار کی طرف سے میسن بننے کی دعوتیں ملتی ہیں، ان کو وظائف دیے جاتے ہیں اور کثیر الاقوام کمپنیوں میں جز وقتی کام دلائے جاتے ہیں۔

(5) امریکا عیسائی نہیں، یہودی ریاست ہے، اس لیے اس کا سب سے بڑا تہوار کرسمس نہیں بلکہ ''تشکر'' (Thanks giving) ہے جو دراصل یہودیت کے فصل کٹنے کے تہوار ''شقہ'' (Jewish Festivel of Harrest of Succoth) سے مستعار ہے۔

(6) امریکا کا ''اعلانِ آزادی'' یہودی اُصولیات، مقاصد اور نصب العین کا اظہار ہے جس میں انسانی حقوق، عالمگیریت، مساوات اور آزادی وغیرہ جیسی پُرفریب اصطلاحات دراصل خالص یہودی قبلائی رسوم اور روحانی اساطیر ہیں۔

(7) آج تک جس نے بھی امریکی نظام کا مطالعہ کیا ہے (مثلاً: ہنری فورڈ، پال فنڈلے اور ایڈورڈ سعید جیسے غیر مسلم لوگوں نے بھی) اس نے کبھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکا کی حکومت پر کلی طور پر کس گروہ کا قبضہ ہے؟ ہمیں ایک

سے زائد امریکی صدور تحریری طور پر یہ اعتراف کرتے ملتے ہیں کہ وہ اگر کسی معاملے پر (خصوصاً مشرقِ وسطیٰ اور اسرائیل کے بارے میں) کسی فرد کو کچھ ہدایات دینا چاہیں تو اس کا ایک (اور صرف ایک) ہی طریقہ ہے کہ وہ متعلقہ فرد سے ذاتی ملاقات کا موقع ملنے تک انتظار کریں اور پھر یہ بات دوسروں کی سماعت کے دائرہ سے باہر ہو کر انتہائی رازداری سے براہِ راست اس کے کان میں کہیں۔

(8) امریکا پر یہودیوں کا تسلط انتہائی ہمہ گیر ہے۔ حتیٰ کہ وائٹ ہاؤس اور کانگریس میں ان کی مرضی کے بغیر بقول کسے پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ امریکی شہریت کے حامل یہودی کو از روئے قانون اسرائیلی شہریت بھی حاصل ہوتی ہے۔ امریکا میں گو یہودی صرف دو فیصد حصہ آبادی پر مشتمل ہیں لیکن نظم و ضبط، کڑی تنظیمی لگن، ہمہ وقت چوکسی اور سب سے بڑھ کر اپنے مال کے ذریعے کرپشن کا سرچشمہ بن کر وہ تمام اداروں پر چھائے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی امریکی شہری ''امریکن اسرائیل پبلک افیئرز کمیٹی'' (AIPAC) کی انتہائی کڑی چھان پھٹک سے گزرے بغیر امریکی صدر/ سینیٹ یا ایوانِ نمائندگان کے رکن کی نامزدگی کی اسٹیج (چاہے وہ ریاستی ہو یا قومی سطح پر) پر پہنچنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اب تو اسرائیل امریکا کی ریاست نہیں بلکہ امریکا اسرائیل کی ایک ریاست بن چکا ہے۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی چیزیں بندہ کی تازہ ترین کتاب ''عالمی یہودی تنظیمیں'' میں آگئی ہیں اور فلسطین کی مظلومیت کے ساٹھ سال پورا ہونے پر ظالم کے چہرے کی نقاب کشائی پر مشتمل کتاب مسلم اُمہ کے لیے عاجزانہ ہدیہ ہے۔ اللہ کی شان کہ یہ بغیر کسی قصدی ارادے کے عین اس وقت مارکیٹ میں آئی ہے جب اس المناک واقعہ کو چھٹی دہائی گزر رہی ہے اور ساتویں دہائی مکمل ہونے سے پہلے کسی بڑے خلفشار یا انفجار کا قوی اندیشہ ہے۔

الغرض دجال اکبر کی طرف سے دجال اصغر کی مکمل سرپرستی اور کنعان جدید (کنکٹی کٹ) سے کنعان قدیم (فلسطین) کی طرف قوم یہود کا سفر جاری ہے لیکن آفرین ہے فلسطینی جانبازوں پر، کہ ان کی بے مثال جدوجہد کی بنا پر اس سفر کی شرائط پوری کرتے کرتے

یہود کا دماغ شل اور ہاتھ پاؤں سن ہو رہے ہیں۔ مسلم حکمرانوں کو لائن پر لگانے کے باوجود مسلم عوام کی طرف سے رجوع الی اللہ اور دعوت و جہاد کی شکل میں زبردست مزاحمت نے ان کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ ان کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن چیز فلسطینی مسلمانوں کو مشکل حالات میں نہ ختم ہونے والا جذبہ جہاد اور نہ فنا ہونے والی ''روح جہاد'' ہے۔ بقیہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد تو کسی نہ کسی شکل پر ہے لیکن ''روحِ جہاد'' مفقود ہے۔ (ان دونوں میں فرق پھر کسی موقع پر) اہلِ فلسطین کی بے مثال مزاحمت کی بنا پر آج اسرائیلی یہودیوں میں...... جو دنیا بھر سے مسیحا کے مستقبل کے لیے ارض موعود میں جمع ہوئے تھے...... ایسے افراد کا تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جو اس سوچ کے حامی ہیں کہ اسرائیل کا کوئی مستقبل نہیں، وہ جہاں سے آئے تھے، ناگہانی موت کے خوف سے بڑی تیزی سے واپس انہی ممالک میں جا کر آباد ہو رہے ہیں حتیٰ کہ ساٹھ ویں سالگرہ پر اسرائیلی وزیراعظم کو کہنا پڑ رہا ہے:

''اگر وہ دن آ گیا جب دو ریاستوں کا نظریہ ملیا میٹ ہو جاتا ہے اور ہمیں جنوبی افریقہ کی طرز پر اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے لیے مساویانہ حق رائے دہی کی جدوجہد کرنا پڑ جائے تو سمجھ لیں وہ ریاست اسرائیل کا آخری دن ہو گا۔''

دوسری طرف فلسطینی مسلمانوں میں شرح پیدائش یہودیوں سے تین گنا زیادہ ہے (یہ کم سے کم جائزہ ہے) مسجد اقصیٰ کے خطیب شیخ عصام جب پاکستان تشریف لائے تو بندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا: ''فلسطینیوں کے جہاد کی قبولیت اور اللہ کی طرف سے ان پر رضا و رحمت کی علامت یہ ہے کہ پوری دنیا میں نرینہ اولاد کا تناسب سب سے زیادہ ہمارے ہاں ہے۔'' یہودیوں کی بزدلانہ واپسی اور فلسطینیوں کی بے خوف یلغار نے یہودی اکابر کو نہ ختم ہونے والے اس مخمصے میں ڈال رکھا ہے کہ وہ کریں تو کیا کریں؟ دجال زنجیریں توڑنے کے لیے زور لگا رہا ہے۔ تمام یہودی مل کر دنیا کو گناہوں کے دلدل میں دھنسا کر اس کی کوشش میں حصہ ڈال رہے ہیں۔ مجاہدین کا خون ہے کہ شیطنت اور دجل کے اثرات کو مٹا کر روئے زمین کو ناپاک ہونے سے روک رہا ہے۔ دیکھیے! اس کشمکش کی تان کب اور کہاں جا کر ٹوٹتی ہے؟

نادیدہ آنکھ کیا گھورتی ہے؟

پاکستان میں اسرائیل نواز اور دشمنِ القدس تنظیم ''فری میسنری'' کے مراکز کہاں کہاں ہیں اور اس نام پر پابندی لگنے کے بعد اب کہاں کام کر رہے ہیں......؟ یہ بڑا دلچسپ سوال ہے۔ حاجی صاحب (جن کا تذکرہ گزشتہ مضمون میں آچکا ہے) ماضی کی یادوں کے دریچے کھولتے کھولتے آگے جاتے تو کچھ معلومات مل سکتی تھیں لیکن وہ اچانک جس انداز میں خاموش ہو گئے تھے اس کے بعد انہیں مزید چھیڑنا مناسب نہ تھا۔ اب تک جو معلومات ہاتھ لگی ہیں ان کو ہم شہروں کی ترتیب سے بیان کرتے ہیں اور آغاز شہر نگاراں کراچی سے، لیکن اس سے قبل اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ ان دشمنانِ انسانیت کا تذکرہ بار بار کیوں ہوتا ہے......؟ ایک صاحب کا فون موصول ہوا کہ اس طرح کے مضامین سے قاری مرعوب ہو جاتا ہے۔ بندہ نے کہا: ''آپ مضمون کا آخری پیراگراف پڑھتے ہیں؟'' میں نہیں سمجھتا کہ آخری پیرا پڑھنے کے بعد کوئی یہ کہے کہ اس سے دشمن کا رُعب بیٹھتا ہے۔ کج فہمی بری بلا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے حفاظت فرمائیں۔

ہم اپنے گرد و پیش میں بڑے واقعات کو دیکھیں تو اس کے پیچھے ہمیں نادیدہ خفیہ ہاتھ کارفرما نظر آتے ہیں۔ ہم اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے اور جب اس سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے تو پھر دشمن پر نظر رکھنے کے لیے اسے پہچاننا ضروری ٹھہرا۔ بالخصوص اس لیے کہ دشمن ہم پر نظر رکھتا ہے۔ مثلاً: ہندوستان کی تاریخ میں اسلام کے غلبے اور نشاۃ ثانیہ کی تین بڑی تحریکیں ایسی ہیں جنہیں کسی اعتبار سے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم مسلمانوں نے ان کا اتنا ساتھ نہیں دیا جتنی دشمن نے ان پر نظر رکھی۔ اس موضوع کو محض ہماری بدقسمتی اور دشمن کی خوش قسمتی کہہ کر بند نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر گفتگو ہونی چاہیے اور اس وقت تک ہوتی رہنی

چاہیے جب تک ہماری قوم دھندلے شیشے کے پار دیکھنے کی عادی نہیں ہو جاتی۔

پہلی تحریک شیرِ میسور سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ کی تھی۔ 1799ء کی فیصلہ کن جنگ میں انگریز فوج اور نظام حیدر آباد دکن کی غدار فوج کی کمان جنرل آرتھر ولزلے کے پاس تھی۔ یہ فری میسن تھا جس نے میر جعفر اور میر صادق جیسے کونڈے تلاش کیے۔ یہ انگریز گورنر جنرل لارڈ ولزلے کا چھوٹا بھائی تھا۔ ٹیپو سلطان نے برطانوی سامراج کو شکست دینے کے لیے ایک تو فرانس کی مدد لی۔ دوسرے فرانس کی یہود مخالف انقلابی جماعت ''جیکو بن کلب'' (Jacobin Club) کے ممبر بنے۔ اس کلب کے انقلابی نظریات کے باعث فری میسن اس کے سخت مخالف تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے فرانسیسی گرینڈ لاج ٹیپو سلطان کی شکست دلوانے میں پوری پوری دلچسپی رکھتی تھی۔

دوسری تحریک حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تھی۔ اس کے خلاف برسرِ پیکار راجہ رنجیت سنگھ کی فوج کے فرانسیسی افسر جنرل ونتورا (Ventura) اور جنرل الارڈ (Allard) فرانسیسی فری میسنری سے وابستہ تھے۔ انہوں نے سکھ سپہ سالار شیر سنگھ کی اس وقت تک مسلسل مدد کی جب تک وہ غدارانِ وطن کی مدد سے مجاہدینِ اسلام کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہو گیا۔ طریقۂ کار یہاں بھی ویسا ہی تھا جو ہر طاغوتی فری میسن کا رہا ہے۔

تیسری تحریک شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک ریشمی رومال تھی۔ ہند کی آزادی، خلافت اسلامیہ کا قیام اور مسلمانانِ عالم کی فلاح و بہبود کے لیے انتہائی تدبّر اور دور اندیشی سے چلنے والی اس تحریک کے آخری مرحلے میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ خلافتِ عثمانیہ سے اخلاقی و سفارتی حمایت اور عسکری امداد لینے حجاز گئے تھے۔ جس غدارِ ملت نے مخبری کر کے گرفتار کروایا وہ اردن کے موجودہ حکمران کا پردادا، شریف حسین گورنرِ مکہ تھا۔ یہ بھی فری میسن تھا اور اس کی اولاد آج تک یہودن عورتوں سے نکاح کرتی اور ''مملکتِ اسلامیہ الاردنیہ الہاشمیہ'' کے حکمران جنتی ہے۔

خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے لیے ''ینگ ٹرکش'' نامی جس تحریک نے بڑھ چڑھ کر

حصہ لیا وہ سب غیر ترکی فری میسن تھے۔ ترکوں کا بھیس بدل کر ان کی ترقی وخوشحالی کے نعرے لگا کر انہیں ٹھکانے لگا دیا۔ انور پاشا پولش تھا۔ ''جاوید بے'' دونمہ فرقے کا یہودی تھا۔ قرہ صوہ آفندی جو سلطان عبدالحمید کے پاس معزولی کا پروانہ لے کر گیا، سالونیکا کا سفاروی یہودی تھا۔ انہوں نے پاشا، بے اور آفندی کے لقب لگا کر اور خود کو مسلمان ظاہر کر کے ترک مسلمانوں کو دھوکا دیا۔ ان کی محنت کا ثمرہ چننے کے لیے جس کو ''ترکوں کا باپ'' بنا کر پیش کیا گیا، یعنی عزت مآب جناب مصطفیٰ کمال پاشا صاحب وہ بھی خیر سے کٹر فری میسن تھے جنہیں مخصوص مقاصد کے تحت آگے لایا گیا تھا۔ ترکوں اور عربوں میں قوم پرستی کے منافرانہ جذبات پیدا کر کے غیر معمولی تخریبی کارروائیاں کرنے والا بدنامِ زمانہ ایجنٹ ایڈورڈ لارنس...... المعروف لارنس آف عربیہ...... خبیث الطرفین یہودی اور دو بزرگ صہیونی داناؤں (گرینڈ ماسٹرز) کا خاص شاگرد تھا جسے برطانوی فری میسنری نے خصوصی اہداف کے پیشِ نظر تیار کیا تھا۔

ایک مرتبہ بندہ نے عالمِ اسلام کے ان حکمرانوں کی فہرست تیار کی تھی جن کی یہودی بیویوں نے انہیں اس طرح لاشعوری طور پر فری میسن ایجنٹ بنایا کہ خود انہیں بھی خبر نہ ہوئی۔ یہ فہرست تا حال تشنہ تکمیل اور تشنہ اشاعت ہے۔ اس میں ان حکمرانوں کی فہرست بھی ہے، جن کی شادیاں ایسی عورتوں سے ہوئیں جو زندگی کے کسی موڑ پر ''اچانک'' ان سے آ ٹکرائی تھیں اور پھر ہمیشہ کے لیے گلے کا ہار بن گئیں جبکہ درحقیقت وہ گلے کا طوق تھیں۔ شاہ فیصل شہید رحمہ اللہ کو ان کے جس بھتیجے نے شہید کیا تھا وہ بھی ایک یہودی حسینہ کے دامِ فریب میں پھنس گیا تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ فتنہ گر بھی اس سے ''اچانک'' ٹکرائی تھی اور اس کو مسحور کر کے ان صہیونی داناؤں کا مشن پورا کر گئی جو عالمِ اسلام میں شاہوں کو تو پروان چڑھاتے ہیں لیکن اس وقت ان کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں جب وہ شاہی کو تج کر فقیری اختیار کرنا چاہیں۔

اب آیئے اس موضوع کی طرف! جس کی خاطر بہت پاپڑ بیلنے پڑے۔ پورے پاکستان میں فری میسن کی تیس لاجیں رہی ہیں لیکن مشہور فری میسن لاجز کراچی، لاہور،

راولپنڈی اور پشاور میں تھیں۔ کراچی پریس کلب کے قریب ایک پُراسرار عمارت ہے۔ یہاں اب ایک سرکاری محکمے کا دفتر ہے۔ عمارت کی پیشانی پر فری میسن کی مخصوص علامت (سیدھا پرکار، اُلٹا گنیا اور بیچ میں خفیہ آنکھ) سڑک سے نظر آجاتی ہے۔ اندر فرش پر شطرنج کی بساط کی طرح سفید اور کالی ٹائلیں لگی ہوئی ہیں جو فری میسن لاجز کی مخصوص علامت ہیں اور کراچی کے بہت سے پرانے گھروں میں شوقیہ استعمال ہوئی ہیں۔

راولپنڈی میں فری میسن کا اجتماع مال روڈ پر ہوتا تھا۔ یہ اس اعتبار سے بہت اہم تھا کہ یہاں برطانیہ کے اعلیٰ افسر جمع ہوتے تھے۔ قیامِ پاکستان سے قبل راولپنڈی گیریژن اسٹیشن تھا۔ برطانوی فوج کے فوجی دستے یہیں سے قبائلی علاقوں میں روانہ کیے جاتے تھے۔ برطانوی سیاسی حکمت عملی پر اس لاج کے اجتماعات میں غور وفکر ہوتا تھا۔ پنڈی کے تمام انگریز ڈپٹی کمشنر، حکومت برطانیہ کے وفادار ہندو اور سکھ امرا اور پارسی سیٹھ اس کے ممبر تھے۔ جب فری میسن پر پابندی لگی تو یہاں سے مختلف سینئر افسران کے نام، ریکارڈ، خدمات، جادو کے آلات اور حلف اُٹھانے کے لیے استعمال کی جانے والی تلواریں، کھوپڑیاں وغیرہ برآمد ہوئیں۔ ان پردہ نشین افسران کے نام حسبِ معمول قوم کے سامنے نہ آئے ورنہ ”محبانِ وطن“ کی یہ فہرست خاصی دلچسپ ہوتی۔

لاہور میں پہلی فری میسن لاج 1859ء میں قائم ہوئی۔ 14 اپریل 1905ء کے زلزلے میں اس کے تباہ ہونے کے بعد دوسرا فری میسن ہال چیرنگ کراس کے قریب مال روڈ پر 1916ء میں تعمیر کیا گیا۔ لاہوری عوام اس کو ”جادو گھر“ کہتے تھے۔ آج کل یہاں وزیراعلیٰ ہاؤس قائم ہے اور فری میسن لاج کی تمام نشانیاں مٹا کر ”تطہیر“ کا عمل انجام دینے والے مطمئن ہوگئے ہیں لیکن جو سیاست دان، افسران، صنعت کار، سرمایہ دار اس کے رکن تھے ان کی تطہیر یا کم از کم تشہیر کے بغیر کسی فتنے کی محض نشانیاں مٹانے سے کیا حاصل ہوسکتا ہے؟ یہ ہمارے ملک کی عجیب رسم ہے کہ محبانِ وطن کا اعزاز واکرام نہیں ہوتا اور جو غدارانِ وطن ہیں ان کے نام بڑے اکرام سے چھپالیے جاتے ہیں۔

پشاور کا فری میسن ٹمپل اور لاج (عبادت خانہ وقیام گاہ) جس جگہ تھا وہاں آج کل جامعہ امداد العلوم اور مسجد درویش قائم ہے۔ اس جگہ کی قسمت جب چمکی تو ایک سچے اللہ والے بزرگ مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمہ اللہ کی کوششوں سے یہ جگہ مسجد کے لیے حاصل کر لی گئی اور جادو و شراب نوشی کے آثار مٹا کر اللہ کا پاک نام بلند کیا گیا۔ جب اس لاج کا تالا توڑ کر قبضہ حاصل کیا گیا تو اندر سے ریکارڈ میں جادو ٹونے کے آلات کے علاوہ جو خاصے کی چیز برآمد ہوئی وہ کئی نامی گرامی شخصیات کے اسمائے گرامی تھے جو پاکستان کے باشندے اور اہم مناصب پر مسلط ہونے کے باوجود پاکستان کی جانی دشمن تنظیم کے پکے رکن تھے اور ترقی پانے کے شوق میں یہاں جمع ہو کر وہ کچھ کرتے تھے جس نے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

اے میری قوم! دشمنوں کے دوست تو دشمن ہوتے ہیں، ہم اسے کیونکر دوست مان لیتے ہیں؟ ایسے موقع پر ہماری حب الوطنی کہاں جاسوتی ہے؟

اب ہم اس دلچسپ بحث کی طرف آتے ہیں کہ فری میسن پر پابندی لگنے کے بعد یہ کس شکل میں کام کر رہے ہیں؟ ان کی پہچان کی علامات کیا ہیں؟ اور ان کا مقصد و مدعا کیا ہے؟

پتھر پر لکھی حقیقت

امریکا آنے جانے والوں سے لوگ بلاوجہ ہی دلچسپی رکھتے ہیں اور وہاں کی طلسماتی دنیا کے بارے میں ان سے طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں۔ ان کی دلچسپی کی اپنی اپنی وجوہ ہوتی ہیں۔ بندہ کو ان میں سے کوئی پڑھا لکھا معقول شخص مل جائے تو کوشش ہوتی ہے کہ اُس سے تین سوالوں کا جواب معلوم کیا جائے۔ ان تین سوالات کے مختلف جوابات سامنے آتے ہیں جن کو جمع کر کے موازنہ کرنے سے دلچسپ صورتحال سامنے آتی ہے۔ ان تین سوالوں کا ذکر پھر کبھی، آج آپ کو میں اس حوالے سے ایک نوجوان کی کہی ہوئی بات سنانا چاہوں گا۔ یہ ذہین نوجوان اسکالرشپ پر امریکا گیا تھا اور اس نے سات ہزار طلبہ میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے خود کو اس وظیفے کا حقدار ٹھہرایا تھا۔ بندہ نے اس سے پوچھا: ''کبھی کسی یہودی سے ملاقات رہی؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں! میرا ایک کلاس فیلو یہودی میرا اچھا خاصا دوست بن گیا تھا۔'' اس کا خیال تھا مجھے اس پر تعجب ہوگا اور میں بے ساختہ پوچھوں گا: یہودی اور دوست؟ لیکن بندہ نے ایسا نہیں کیا۔ بندہ یہودیوں کی نفسیات کو جانتا تھا کہ نجی زندگی میں یہ بہترین کاروباری، اور بہترین معاملہ کار ہوتے ہیں نیز یہ مزاجاً اتنے گھنے ہوتے ہیں کہ اندر سے ''بوائل'' ہو رہے ہوں پھر بھی چہرے پر ''سمائل'' سجائے رکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میرے مہمان نے خود ہی کہا: ایک مرتبہ میں نے اپنے یہودی کلاس فیلو سے تعجب کا اظہار کیا کہ ایک مسلمان وہ بھی پاکستانی، اس سے دوستی چہ معنی دارد؟ اس پر یہودی زور سے ہنسا۔ اس کی ہنسی اس طرح کی تھی جیسے مزے لے رہا ہو۔ پھر اس نے کہا: ''تم میں اور ہم میں یہی تو فرق ہے۔ تم مسلمان انفرادی طور پر ہمارے سخت دشمن ہو لیکن اجتماعی طور پر ہماری وفاداری کا دم بھرنے میں تم سے آگے کوئی نہیں۔ ہم یہودی اجتماعی طور پر تمہارے

بدترین دشمن ہیں لیکن انفرادی طور پر تم ہمیں بہترین دوست پاؤ گے۔''

قارئین محترم! اس ایک جملے میں اس یہودی نے اپنی نفسیات اور طریق کار سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ یہودی دنیا میں کہیں بھی ہو، نجی طور پر وہ کیسا ہی ہو، لیکن ایک لمحے کے لیے اجتماعی ذمہ داری سے غافل نہیں رہتا۔ نہ اسے یہ بھولتا ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کا فرد ہے جس نے چار ہزار سالہ ذلت آمیز اخراج کے بعد ''وعدے کی سرزمین'' (یعنی فلسطین جسے یہودی ''میراث کا ملک'' بھی کہتے ہیں) میں واپسی کی ٹھانی ہے اور وہاں کے باشندوں کو وہاں سے بالجبر نکال کر اپنی بستیاں بسا رہی ہے......لہٰذا......اس ظلم پر پردہ ڈالنے میں اسے بھی حصہ ادا کرنا چاہیے۔ اس اجتماعی ظلم عظیم میں جس نے لاکھوں فلسطینی مسلمانوں کو بے گھر کر دیا ہے، ہر یہودی اپنی شرکت لازمی سمجھتا ہے لیکن اپنے پاس پڑوس کے مسلمانوں سے اس کا سلوک مثالی ہوگا۔ جبکہ اس کے برعکس فلسطین کے حالات سے باخبر اکثر مسلمان یہودیوں کے حوالے سے غم و غصے کے جذبات رکھتے ہیں لیکن اجتماعی طور پر یہودیوں کا دست بازو بننے والوں میں آپ کو پیش پیش مسلمان ہی نظر آئیں گے۔

فلسطین سے زیادہ اس کی واضح مثال اور کون سی ہوگی؟ ''اسرائیل مردہ باد'' اور ''القدس کی آزادی تک جنگ رہے گی'' جیسے نعرے لگانے والے بہت ہیں لیکن اس وقت جبکہ حماس کو اس کی اسلامیت پسندی کی سزا دی جا رہی ہے اور فلسطینی مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا گیا ہے، پوری دنیا میں کون ہے جو اہل فلسطین کو اس جاں کنی کے عالم سے نکلنے میں مدد دینے کے لیے آگے آیا ہو؟ ایسی المناک صورتحال میں مسلمان عوام کی طرف سے انفرادی طور پر اپنے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ امداد کے بہترین جذبات میں کمی نہیں پائی جاتی۔ مسلم عوام کا کمال یہ ہے کہ وہ انفرادی کوتاہیوں کے باوجود باطل سے مفاہمت کے لیے تیار نہیں۔ مشکل ان حکمرانوں کی وجہ سے پیش آتی ہے جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم اسلام کی لگام ہے اور وہ مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کے بجائے مغرب کے وفادار اور اطاعت گزار ہیں۔ مغربی دنیا گزشتہ صدی سے اس بات کے لیے کوشاں رہی ہے کہ اسے عالم اسلام میں

ایسے حکمران میسر آ جائیں جو عوامی سطح پر مسلمانوں میں مقبول...... لیکن حب الوطنی اور ملی وفاداری سے عاری ہوں۔ بظاہر ملک وملت کے خیر خواہ ہوں لیکن کریں وہ کچھ جو مغرب کے حق میں جاتا ہو۔ حماس کی شاندار کامیابی کے بعد اس کے ساتھ روا رکھے جانے والے جانبدارانہ اور وحشیانہ سلوک پر پورے عالم اسلام کی خاموشی کی آپ اور کیا توجیہ کریں گے؟

یہاں پہنچ کر میں امت کے اہل علم و دانش سے عاجزانہ درخواست کروں گا کہ خدارا مغربی افکار و نظریات اور مغربی تہذیب کو گہرائی سے سمجھیں۔ سرسری مطالعہ کر کے اس کے گرویدہ نہ ہو جائیں بلکہ اس کی حقیقت تک رسائی کی کوشش کریں۔ الجزائر کے بعد فلسطین دوسری مثال ہے جہاں مغرب کی نام نہاد روایات کا دوغلا پن اور اخلاقی اصولوں کا کھوکھلا پن ہمارے سامنے آ رہا ہے لیکن ہم اس کی اخلاقیات اور اصول پسندی کے گن گاتے نہیں تھکتے۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت کو تسلیم نہ کرنے کا عذر امریکا کی یہودی وزیر خارجہ میڈیلین البرائٹ (گولڈا میئر کے بعد یہ دوسری خاتون ہے جس کی قوم یہود کے لیے خدمات کا جائزہ لیا جائے تو داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا) نے یہ بیان دیا تھا کہ ''امریکا ایسی حکومت کو تسلیم نہیں کر سکتا جو جمہوری اصولوں کے بغیر قائم ہوئی ہو۔'' یار لوگوں نے اس کو جمہوریت پسندی پر محمول کیا تھا۔ لیکن اب حماس کے اسی اصول پر حکومت حاصل کرنے کے بعد جمہوریت پسندی کیوں پامال ہو رہی ہے؟ اس کا جواب اب یہ خاتون یا ان کا کوئی جانشین نہ دے سکے گا۔ اس کے لیے ہمیں مغرب کے طریق کار پر غور کرنا ہوگا۔ مضمون طویل ہو رہا ہے لیکن چند ایک باتیں خدارا غور سے سنیے!

عالم اسلام کی امنگوں کو سرد کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کے لیے مغرب نے مختلف طرح کے حربے اپنا رکھے ہیں۔ مغربی ایشیا، مصر، الجزائر، تیونس، مراکش اور انڈونیشیا میں کی جانے والی تدبیریں اس کی مثالیں ہیں، تاہم اسلام کو محدود کرنے کی ایک اہم کوشش وہ ہے جو وسطی ایشیا کے نو آزاد مسلم ملکوں ازبکستان، ترکمانستان، قازقستان، تاجکستان، کرغیزستان اور آذربائجان میں یہودیوں اور سابق کمیونسٹوں کی مدد سے کی گئی تھی۔

عالم اسلام میں اسلامی قوتوں کو دبانے کی کوششیں عموماً تین طرح کی ہوتی ہیں:(1) Neutralisation یعنی انہیں بے اثر بنانا (2)Containment یعنی ان کی قوت واثر کو محدود اور کمزور کرنا اور (3)Marginalisation یعنی انہیں دھکیل کر کنارے کر دینا۔ان تینوں طریقوں پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل کالم کا تقاضا کرتی ہے۔اس لیے یہ پھر کبھی صحیح، آج ہم ان عمومی طریقوں میں سے تیسرے طریقے پر بحث کریں گے۔

Marginalisation کا مطلب ہے کسی کا کلی مقاطعہ (بائیکاٹ) کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیا جائے۔ جب کوئی قوم یا ملک یا گروہ باوجود دباؤ اور دھمکیوں کے باوجود نفاذِ اسلام سے باز نہ آئے اور باضابطہ اور عملاً اس سمت پیش قدمی کرنا شروع کر دے تو مغرب اس کا بائیکاٹ شروع کر دیتا ہے۔ یہ بائیکاٹ بالواسطہ، بلاواسطہ، علانیہ اور خفیہ، سیاسی و اقتصادی ہر قسم کا ہو سکتا ہے۔ وہ تمام انسانی اور بین الاقوامی حقوق جن کا وہ حقدار ہوتا ہے اور وہ تمام مراعات جن کا وہ مستحق ہوتا ہے، اس کے لیے ممنوع قرار دے دیے جاتے ہیں۔ کبھی یہ بائیکاٹ مغربی ممالک فرداً فرداً کرتے ہیں، کبھی بعض بڑے ممالک یا خود سب کا سربراہ امریکا کر دیتا ہے اور کبھی یہی کام سلامتی کونسل سے کروایا جاتا ہے۔ کوشش دراصل اس بات کی ہوتی ہے کہ اس قوم کی زندگی دوبھر کر دی جائے۔ اسے عملاً اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے۔ کسے علم نہیں کہ افغانستان کے وہ مجاہدین جو حقیقی اسلامی روح سے سرشار تھے اور جن میں آیندہ کے افغانستان کو صحیح اسلامی خطوط پر لے جانے کی صلاحیت موجود تھی، مغرب کی اسی ضرب کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب تک نجیب اللہ کی حکومت رہی مغرب اسے بچانے کے درپے رہا۔ پھر جب طالبان اقتدار میں آ گئے تو ان کا کیسا بائیکاٹ ہوا؟ جو کچھ افغانستان میں ہو رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مغرب اس کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے کہ خواہ کوئی برسرِ اقتدار آ جائے مگر اسلام پسند طالبان کو زمام کار نہ ملے۔

یہی کچھ سلوک سوڈان کے ساتھ روا رکھا گیا۔ اسلامی انقلاب سے قبل سوڈان کو مختلف قسم کی مدد دی جاتی تھی۔ ملک میں کئی رفاہی ادارے جو بین الاقوامی رفاہی اداروں کی شاخیں

تھیں، کام کرتے تھے۔ بعض مغربی ادارے اپنے طور پر بھی امداد دیا کرتے تھے...... لیکن انقلاب کے آتے ہی تمام ملکوں اور اداروں نے ہاتھ کھینچ لیے۔ ساری امداد بند کردی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض عالمی اداروں اور ملکوں نے سوڈان پر پابندیاں لگانی شروع کردیں۔ عالمی بینک World Bank نے شرح سود میں اضافہ کردیا۔ عالمی مالیاتی فنڈ IMF نے سوڈان کی رکنیت معطل کردی۔ حد تو یہ ہے کہ مغربی ملکوں نے بعض امیر مسلم ملکوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ سوڈان کی مدد سے دست کش ہوجائیں۔ چنانچہ نہایت نازک دنوں میں ایک نہایت امیر مسلم ملک نے سوڈان اور افغان مجاہدین کی امداد بند کردی۔

مذکورہ تینوں طریقوں سے ہٹ کر ایک صورت Aggressive Neutralisation کہلاتی ہے۔ یعنی غیر معمولی طریقے سے باضابطہ حملہ آور ہوکر اسلامی نظام یا اسلامی ملکوں کی اس قوت کو ختم کردینا جو مستقبل قریب یا بعید میں بالواسطہ یا بلاواسطہ نفاذ اسلام کی جدوجہد اور باطل سے معرکہ آرائی میں سرگرم کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

ایسی ہی ایک کوشش 1992ء میں لائے گئے تاجکستان کے انقلاب کے خلاف کی گئی۔ تاجکستان میں حزب النہضۃ نے اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے کیمونسٹ حکمرانوں کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کیا مگر یہودیوں اور سابق کیمونسٹوں نے نہ صرف یہ کہ کے جی بی K.G.B کی مدد سے اسلامی قوتوں کا تختہ پلٹ دیا بلکہ پورے ملک میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا۔ ہزاروں افراد شہید ہوئے اور کئی لاکھ کو افغانستان میں پناہ لینی پڑی۔

عالم اسلام کے پاس دنیا کے بہترین وسائل اور امکانات موجود ہیں۔ Geo Politics کے نکتۂ نظر سے اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو وہ تمام نعمتیں دے دی ہیں کہ جن سے کوئی قوم سرخرو ہوسکتی ہے۔ شاید اُمت محمدیہ کو جو منتخب و مستجاب قرار دیا گیا ہے، اس کا ایک مطلب یہی ہے۔ آخرت میں جو انعامات ان شاء اللہ ملیں گے وہ اس سے الگ ہیں۔

Geo Politics کے نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو کئی امور اہم نظر آتے ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اور اس کے حرمین شریفین کو اس حصے میں آباد کیا جو تین براعظموں (ایشیا، یورپ، افریقا) کے فلسطین ہے۔ یہی علاقہ گرم پانی کا منطقہ

یعنی Warm Water Belt بھی کہلاتا ہے۔

(2) دنیا کی تمام اہم آبی گزرگاہیں (سمندری درّے) بھی اسی علاقے میں ہیں۔

(3) یہ علاقہ انسانی وسائل سے بھی مالا مال ہے۔

(4) یہی خطہ خام مال اور توانائی کے خزانوں سے بھرا ہوا ہے۔

شاید یہی سبب ہے کہ اس علاقے میں بے شمار جلیل القدر انبیاء آئے اور یہاں کی تاریخ معرکۂ خیر و شر سے کبھی خالی نہیں رہی۔

بات دوسری طرف نکل رہی ہے۔ ہم پھر اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ مغرب اسلام سے ایک ایسی جنگ لڑ رہا ہے جسے موت و حیات کی جنگ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وہ ہمارے مادی وسائل اور قدرتی گزرگاہوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، ہمارا نام و نشان مٹانا چاہتا ہے...... لیکن ہم اللہ کی ذات اور اس کی رحمت سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اہل ایمان کو فتح و کامیابی سے سرخرو فرمائے گا۔ اسلام اور مغرب کی کشمکش کا نتیجہ ان شاء اللہ باطل کی شکست کی صورت میں نکلے گا۔

مغرب کی پشت پناہی سے فائدہ اُٹھا کر یہود جتنا بھی ظلم ڈھالیں اور مسلمان اس پر خاموش رہ کر ارض مقدس سے بے وفائی کا عذاب جتنا بھی سمیٹ لیں، یہ بات طے شدہ ہے کہ یہود کو اس دجال نوازی کا حساب یہیں دینا ہوگا۔ آخری عدالت سے پہلے ایک عدالت سرزمین القدس پر لگے گی اور یہود نامی ہر چیز کو پتھروں اور درختوں کے پیچھے سے نکال نکال کر پٹخ مارے گی۔ یہ بات پتھر پر لکھی حقیقت سے زیادہ پکی اور سچی ہے۔ فلسطینی مسلمانوں اور دنیا بھر سے آئے ہوئے یہودیوں کے معرکے کا انجام یہی ہونا ہے۔ لمحۂ فکریہ تو ان اہل اسلام کے لیے ہے جو حق و باطل کے اس عظیم معرکے میں دور کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں اور فلسطینی مسلمانوں کو القدس پر قربان ہوتے دیکھ کر بھی وہ یہ سمجھنے پر تیار نہیں کہ یہ قربانیاں درحقیقت تمام مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ہیں اور جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی اس سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے، اگر اس نے اپنی اس شقاوت قلبی سے توبہ نہ کی تو یہودیوں اور یہود نوازوں پر برسنے والا کوڑا اس کی پیٹھ پر بھی برس کر رہے گا۔

یہودی سازشوں کا توڑ کیسے؟

یہ 1987ء کی بات ہے۔ فلسطین پر اسرائیلی قبضے کو چالیس سال مکمل ہو چکے تھے۔ ان چالیس سالوں میں یہودی بہت آگے جا چکے تھے اور فلسطینیوں کی پسپائی اور کسمپرسی کی کوئی حد نہ تھی۔ ان میں سے کچھ شکستہ دل اور مایوس تھے، کچھ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے مگر سجھائی نہ دیتا تھا کہ کون سا ایسا کام کریں جس سے دشمن کا تسلط ختم ہو یا اس کا کسا ہوا جال ڈھیلا ہو سکے۔ کچھ دیگر مسلم ممالک سے شکوہ شکایت کر کے دل کی بھڑاس نکالتے تھے مگر اس سے حاصل وصول کچھ نہ تھا۔ اسرائیلی منصوبہ سازوں کی ہمہ گیر پیش رفت طوفانی انداز میں جاری تھی، وہ سیاسی و عسکری ہر محاذ پر کامیابی حاصل کر رہے تھے اور فلسطینیوں کی منزل ان سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ قوموں کی تاریخ میں یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جس میں ''ہست یا نیست'' کے فیصلے ہوا کرتے ہیں۔ اب فلسطینی مسلمانوں نے اسپین کی طرح مٹ جانا تھا یا پھر اصلاح و جہاد کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا تھا۔ قدرت نے چونکہ ان سے بدی کی طاقتوں کے خلاف قیامت تک کام لینا ہے اور بالآخر عظیم فتح دینی ہے اس لیے انہوں نے وہی فیصلہ کیا جو انہیں کرنا چاہیے تھا اور جو ان کی رگوں میں دوڑنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غیرتمند خون کا تقاضا تھا۔

ان کو چند ایسے لوگ میسر ہو گئے جن کا دل و دماغ دونوں کام کرتے تھے۔ ان کے دل میں ایمان کا نور اور دماغ میں عقل و دانش کی روشنی تھی۔ جو صحیح اسلامی عقیدہ و عمل پر بھی کاربند تھے اور دین کی سربلندی کے لیے جدید ترین دنیاوی آلات اور سہولتوں کے بھرپور استعمال کے بھی قائل تھے۔ ایک طرف تو کتاب و سنت سے مضبوط تعلق ان کے کردار کا روشن پہلو تھا اور دوسری طرف انہیں سائنس و ٹیکنالوجی سے استفادے کا بھرپور شعور اور

سلیقہ حاصل تھا۔ انہوں نے بیک وقت چار مختلف جہتوں پر کام شروع کیا:

☆ سب سے پہلے تو انہوں نے فلسطینی عوام اور بالخصوص کارکنوں کو کتاب وسنت کی طرف رجوع کا سبق دیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اگر کوئی بھی مسلمان دنیا میں ترقی چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دینی تعلیمات پر بھی سختی سے عمل کرے۔ اس کے بغیر دنیاوی کامیابی غیر مسلموں کو تو مل سکتی ہے اہل اسلام کو نہیں، کیونکہ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم اپنی ترکیب میں دوسری اقوام سے جدا ہے اور اس نے مخصوص تکوینی قوانین کے سائے تلے چلنا ہے۔ اس کو زیب نہیں دیتا کہ یہ خود کو دوسروں پر قیاس کرے۔ چنانچہ ضروری قرار پایا کہ احکام اسلام کی پابندی، شعائر اسلام سے وابستگی اور حلال وحرام میں تمیز کو اپنا شعار بنایا جائے۔

☆ اس کے بعد تین طرح کے ونگ تشکیل دیے گئے:

(1)...... پہلا تو سیاسی ونگ تھا جس میں فلسطین کے چوٹی کے دماغوں نے اپنا حصہ ڈالا اور فلسطینی کاز کو سیاسی سطح پر آگے بڑھانے کے لیے غیر معمولی ذہانت کے اظہار پر مشتمل سرگرمیاں انجام دیں۔ اس کا نتیجہ حالیہ انتخابات میں وہ کامیابی ہے جس نے حماس کا نام دنیا کے کونے کونے تک پہنچادیا اور آج اس کا کام جاننے کے لیے دنیا بے چین ہے۔ اس ونگ کے رہنماؤں نے قوم کی رہنمائی کی، کارکنوں کی سیاسی تربیت کی اور انہیں غیر متوقع حالات کے تجزیے اور مقابلے کے لیے تیار کیا۔

(2)...... دوسری جماعت فلاحی کاموں کے لیے متعین کی گئی۔ یہودیوں کے وسائل بے شمار اور پہنچ بے حد حساب تھی۔ اس کے مقابلے میں فلسطینی مسلمان بے بس اور بے وسیلہ تھے۔ بے گھر اور بے وطن کردیے گئے تھے۔ مہاجر کیمپوں کی حالت زار پر دنیا بھر کے مسلمانوں میں سے کوئی رونے والا بھی نہ تھا چہ جائیکہ کسی طرح کی مدد کرنے والا، فلسطینی مسلمانوں نے سوچا جو کچھ کرنا ہے انہوں نے خود کرنا ہے، چنانچہ فلاحی ونگ نے اسکول بنائے، کلینک تعمیر کیے، بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی خبر گیری کا نظام بنایا اور شکستہ دل وشکستہ

ہمت فلسطینیوں کو جینے کا حوصلہ دیا۔

(3)......لیکن اس سب کچھ کے باوجود اسرائیل کے خونیں مظالم اتنے وحشیانہ، کھلے ڈھلے اور سفاکانہ تھے کہ نہ کسی طرح کے سیاسی مذاکرات اور تحریکوں سے ان کا ظلم کم ہوتا تھا اور نہ دنیا بھر میں کوئی پلیٹ فارم ایسا تھا جہاں فلسطینی عوام کی شنوائی یا دادرسی ہوتی۔ مجبور ہو کر دشمن کا جواب دشمن کی زبان میں دینے کا فیصلہ ہوا۔ اسرائیل کا ہر رہنما سابقہ دہشت گرد رہا ہے اور اسکا تعلق کسی نہ کسی بدنام زمانہ قاتل یہودی تنظیم سے اتنے واضح طور پر رہا ہے کہ یہ ثابت شدہ امرِ مسلّم ہے جس سے دنیا کا کوئی یہودی تحقیق کار بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ایک ایسی قوم جس کے لیڈر پیشہ ور بدمعاشوں اور غنڈوں کے سرغنہ رہے ہوں، سوچا جاسکتا ہے کہ اس کے مقابلے میں محض سیاست کے داؤ پیچ امن کی فاختہ کی حفاظت کتنے دنوں تک کرسکتے ہیں؟ لہٰذا عسکری ونگ کی تشکیل ناگزیر تھی اور فلسطینی مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اس میدان میں بھی یحیٰی ایاش جیسے سپر جینیس لوگ مل گئے جنہوں نے محدود وسائل، انتہائی ناموافق حالات اور جبر وستم کے طاغوتی ماحول میں بھی اپنا کام کر دکھایا۔ یحیٰی ایاش پر اس سے پہلے مستقل مضمون آچکا ہے۔ یہودی اسے ''ہزار چہروں والا آدمی'' کہتے تھے اور 6 جنوری 1996ء کو اس عظیم مجاہد کی شہادت پر اسرائیلی وزیراعظم سے لے کر روس اور پولینڈ کے دور دراز علاقوں میں بسنے والے عام یہودی تک نے جشن منایا تھا۔

شیخ احمد یاسین رحمہ اللہ جیسے درویش صفت، دور اندیش اور جری و نڈر قائد کی شہادت کے فوری بعد عبدالعزیز رنتیسی جیسے باصلاحیت نوجوان قائد کی غیر متوقع شہادت حماس کے لیے شدید دھچکا تھی، مگر ذرا سے وقفے سے ہونے والے حالیہ انتخابات میں ان کی شاندار اور دنیا بھر کو چونکا دینے والی کامیابی نے ثابت کیا ہے کہ اس تنظیم کی بنیادیں مضبوط اور منصوبہ بندی دیرپا اور دوررس ہے۔ یہودیوں کی بدنام زمانہ مختلف تنظیموں کے مقابلے میں فلسطینی مسلمانوں کی یہ واحد تنظیم ہے جس کی جڑیں مضبوط، بنیادیں گہری اور شاخیں بارآور ہیں۔ اس کے سیکڑوں کارکن ہیں جو انتہائی سرگرم لیکن قطعاً نامعلوم ہیں۔

اس کے ہزاروں ہمدرد اور حمایتی ہیں جن کا پتا کسی کو معلوم نہیں لیکن وہ اپنے اپنے میدان کار میں سرگرم عمل رہتے ہوئے اس کی بھلائی کے لیے سوچتے، کماتے اور فکری و مالی تعاون کرتے ہیں۔

جب تک ارض مقدس پر غاصب صہیونی قابض ہیں، ایوبی کے وارث، حماس جیسی تنظیموں کا جھنڈا بلند رکھیں گے۔ یہ ایک کائناتی حقیقت ہے۔ اگر یہود کی عقل و دانش ان سے دغا نہ کرے تو انہیں اتنی سی حقیقت سمجھ میں آ جانی چاہیے مگر مشکل یہ ہے کہ قوم یہود اپنے سرپرستوں و خیر خواہوں کو اور اس کے سرپرست و خیر خواہ اس کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ ایسی خودفریبی کے بطن سے ہی القدس کی صبح آزادی نمودار ہوگی اور فلسطین کے جانبازوں کا راستہ روکنا طاغوت کے بس میں نہ رہے گا۔

کچھ کام پھر بھی کر جا

حالیہ انتخابات میں حماس کی تاریخی کامیابی پر یہود اور ان کے ہمنوا ہی نہیں، ساری دنیا حیران ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ حیرانگی بجا ہے کیونکہ ان کے حساب سے یہ قطعاً غیر متوقع اور اندازوں کے برخلاف تھی۔ اگر اسرائیل اور اس کی سرپرست قوتوں کو ذرا بھی اندیشہ ہوتا کہ جمہوریت کی ترویج اس بری طرح ان کے گلے پڑ جائے گی تو وہ اس کا راگ نہ الاپتے...... لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہودی داناؤں کی یہ ایجاد آج ان کے گلے کا طوق بن گئی ہے۔ بندہ کے سامنے اس وقت یہودی پروٹوکولز کے دو انگریزی متن اور پانچ اُردو ترجمے موجود ہیں۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ پروٹوکولز جن سے خفیہ صہیونی مقاصد کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹتا ہے، حقیقی ہیں۔ یہ بات پہلے لکھی جا چکی ہے کہ ان کے سچ ہونے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ان کا ترجمہ کرنے والا طبعی موت سے اس دنیا سے نہیں جاتا تھا۔ اب ان کے عام ہو جانے پر شاید یہودی قاتلوں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ تسخیر عالم کے یہودی منصوبے "پروٹوکولز" میں سیاست کے میدان میں صہیونی طریقہ کار کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے:

"انتخابات، جنہیں ہم نے بڑی محنت اور جانفشانی سے بنی نوع انسان کی چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں جلسے کرا کرا کے اور گروہوں کے درمیان معاہدے کرا کے ذہن نشین کروایا ہے، یہی انتخابات دنیا کی تخت نشینی کے حصول میں ہماری مدد کریں گے۔ مطلق اکثریت، چونکہ صرف تعلیم یافتہ متمول لوگوں کے ووٹ دینے سے حاصل نہیں کی جاسکتی اس لیے اس مقصد کے حصول کے لیے ہم ہر فرد کو اس کے طبقے اور تعلیم کے امتیاز کے بغیر ووٹ دینے کا حق دلوائیں گے۔ عوام جن کی قیادت ہمارے ہاتھ میں ہوگی، ایسے افراد کو آگے

آنے کا موقع نہیں دیں گے اور ان کی بات تک سننے کے روادار نہیں ہوں گے۔ عوام ہماری بات سننے کے عادی ہو چکے ہوں گے اور ہم ہی ان کی اطاعت اور توجہ خرید سکیں گے۔ اس طرح ہم بصیرت سے محروم اور ناعاقبت اندیش عظیم قوت پیدا کریں گے جو کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکے گی کہ ہمارے گماشتوں کی رہنمائی کے علاوہ جنہیں ہم نے عوام کا قائد بنایا ہے، کسی اور کی رہنمائی قبول کرے۔ لوگ صرف ان ہی کی رہنمائی قبول کریں گے چونکہ انہیں باور کرادیا گیا ہوگا کہ ان کی معاشی فلاح، خوشحالی اور حقوق کے حصول کا انحصار ان ہی کے قائدین پر ہے۔'' (پروٹوکولز: تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ، دسویں دستاویز: اقتدار کی تیاری، سیاسی آزادی کی قلب ماہیت، عام رائے دہندگی، جمہوریتوں کا آغاز، فری میسن کے جبر واستبداد تک، فرمانروائے عالم کا اعلان، بیماریوں کا ٹیکہ۔ ص: 115، 116)

بعض لوگوں کو جمہوریت سے ''غیر ارادی عشق'' ہے اور وہ تیسری دنیا کے مسائل کا حل اسی میں مضمر سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ اقتباس ضرور پڑھنا چاہیے۔ بہر حال ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حماس نے دشمن کے اس ہتھیار کو اس کے خلاف استعمال کر کے کیونکر ایسی کامیابی حاصل کی جس سے پانسہ پلٹ گیا ہے اور دشمن تلملا رہا ہے؟ درحقیقت اس کے پیچھے حماس کے چند صاحب بصیرت قائدین اور مخلص کارکنوں کی سوچ اور محنت کا دخل ہے جنہوں نے اپنی جرأت و شجاعت اور فہم و فراست سے آج حماس کے نام کا ڈنکا بجادیا ہے۔ آج کی مجلس میں ہم پہلے ایک عظیم قائد اور پھر ایک جینئس مجاہد کا تذکرہ کریں گے جنہیں دنیا شیخ احمد یٰسین اور انجینئر یحیٰ ایاش کے نام سے جانتی ہے۔ شیخ احمد یٰسین جیسا قائد فلسطینی مسلمانوں کو نصیب ہو جانا ان کی انتہائی خوش قسمتی تھی۔ شیخ ابتدائے جوانی میں معذور ہو گئے تھے لیکن وہیل چیئر پر بیٹھ کر انہوں نے جس ہمت، بصیرت اور فراست و حکمت سے اس مشکل ترین معرکے کو لڑا وہ انہی کا حصہ تھا۔ یہاں ہم ان کی تعریف میں زیادہ بولنے کی بجائے وہ چند باتیں ذکر کریں گے جن کی بنا پر ن کی قیادت کامیاب ترین ثابت ہوئی۔

☆سب سے پہلے شیخ نے یہ قانون جاری کیا کہ کوئی فلسطینی مجاہد کسی دوسری جماعت سے منسلک مجاہد کے بارے میں نہ تبصرہ کرے گا، نہ اُلجھے گا اور نہ اُلجھائے جانے پر صبر کے علاوہ کسی ردِعمل کا اظہار کرے گا۔ یہودی سازش کاروں نے ہزار کوششیں کیں، ایڑی چوٹی کا زور لگالیا، ہر حربہ استعمال کرڈالا مگر آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ فلسطینی مجاہدین کی مختلف جماعتوں میں باہمی رنجش، رقابت یا اختلافات نے اپنا رنگ دکھایا ہو یا ان کے تنازعات میڈیا پر آئے ہوں حالانکہ یہودی میڈیا کے لیے جھوٹا پروپیگنڈہ کیا مشکل تھا...... پھر یہ بھی تھا کہ تمام دنیا جانتی تھی کہ یاسر عرفات اور ان کی جماعت کی سرپرستی کون کرتا ہے اور غیر مسلم بیوی رکھنے والا یہ لیڈر کیسے کیسے معاہدے کرچکا ہے؟ یہ سب کچھ واضح طور پر جاننے کے باوجود حماس کا کوئی کارکن ان کے خلاف کچھ نہ بولتا تھا۔ نہ ان کی زندگی میں نہ موت کے بعد......اس مثالی رویے کی واحد وجہ یہ تھی کہ شیخ کے حکم پر مکمل زباں بندی اور صبر و درگزر کو حماس کے ہر مجاہد نے اپنا شعار بنالیا تھا۔ اس حوصلے اور ظرف پر وہ بلاشبہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔

☆ان کا دوسرا حکم یہ تھا کہ ہر کارکن صرف وہی کام کرے گا جس کے لیے وہ مکمل طور پر موزوں ہو۔ اس سے قبل یہ ہوتا چلا آیا تھا کہ رضا کارانہ طور پر ہر مجاہد ہر کام کے لیے خود کو استعمال کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قربانی و ایثار کی اعلیٰ مثال ہے کہ انسان دین کی خاطر وہ کچھ کرگزرنے کے لیے خود کو پیش کرے جو وہ کرسکتا ہو لیکن اس میں کچھ مشکلات بھی ہوتی ہیں۔ ہر آدمی ہر کام کا ماہر نہیں ہوسکتا اور جب مقابلہ اسرائیل جیسے دشمن سے ہو تو اعلیٰ مہارت کے بغیر ٹکر کا جواب دینا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس حکم کے بعد حماس کا سیاسی ونگ، فلاحی و تعلیمی ونگ سے اور فلاحی ونگ، عسکری ونگ سے جدا ہوگیا تھا۔ ان میں سے ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہ ہوتی تھی البتہ طے شدہ اُمور کا خلاصہ ان تک مسلسل پہنچتا رہتا تھا۔ یہ جدت بھی شیخ کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی غماز تھی۔

☆یہود کے خلاف صف آرا رضا کاروں میں شامل ہوجانے کے بعد بعض لوگ خود

کو شرعی احکام سے بالاتر سمجھنا شروع کر دیتے تھے۔ شیخ اس مزاج کے سخت خلاف تھے۔ وہ خود بھی نہایت متقی تھے اور دوسروں سے بھی اعمال کی پابندی کراتے اور حرام کے قریب نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ اس چیز نے فلسطینی مجاہدین کو یہود کے بچھائے ہوئے جالوں میں پھنسنے سے بچائے رکھا اور اخلاق و کردار کے ایسے نمونے تیار ہوئے جو چمکتی دمکتی روشنیاں بن کر پیچھے آنے والوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

☆ تنظیمیں دینی ہوں، سیاسی ہوں یا جہادی، ان کے عہدیداروں اور کارکنوں کی مراعات اور طرزِ زندگی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ شیخ احمد یٰسین وہ عجیب و غریب شخص تھے جس نے دونوں کے لیے یکساں معیار زندگی متعارف کروایا۔ یہ بات کہنے کو تو آسان ہے لیکن اس کو نبھا کر دکھانا بہت مشکل ہے۔ شیخ وہ پُرعزم شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے خود کو پیش کر کے اور رضا کارانہ طور پر اپنے اوپر مشقتیں جھیل کر اس مشکل کو آسان کر دکھایا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے پیش کردہ نظم، قواعد و ضوابط کے بعد عام فلسطینی مجاہد اور عہدیداروں کے درمیان بہت کم فرق رہ گیا تھا اور یہی وہ چیز تھی جس نے دوسری فلسطینی تنظیموں کی بہ نسبت اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

☆ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ طے کیا کہ ان کی جماعت محض مادی سرگرمیوں تک محدود نہ رہے گی، سیاسی، تعلیمی اور رفاہی کاموں میں بھی بھرپور کردار کرے گی۔ اس کثیر المقصدی مشن نے انہیں فلسطینی عوام کے ہر طبقے میں مقبول بنا دیا اور والہانہ انداز میں ان کے گرویدہ ہو گئے جس کا ثبوت حالیہ انتخابات میں بے مثال کامیابی ہے۔

اور اب ایک عبقری الصفت مجاہد انجینئر یحییٰ ایاش کی کچھ باتیں جو مایوسی کے اس ماحول میں اُمید کا چراغ روشن رکھتی ہیں۔

☆......☆......☆

اس کو ''ہزار چہروں والا آدمی'' کہا جاتا تھا۔ وہ روپ بدلنے، ہر محفل اور ماحول میں گھل مل جانے اور سامع کے ذہن کے مطابق بات کرنے کا ماہر تھا۔ اس کا لہجہ اور چال ڈھال خود بخود اس بہروپ کے مطابق ڈھل جاتا تھا جو اس نے اپنا رکھا ہوتا۔ اس نے اپنے کئی ہم شکل بنا رکھے تھے۔ جو ایک ہی وقت میں مختلف عوامی جگہوں میں ظاہر ہوتے اور بظاہر متضاد سمجھے جانے والے کاموں میں سے کوئی ایک انجام دیتے۔ دیکھنے والوں کا دماغ گھوم جاتا کہ ان میں سے اصل کون ہے اور نقل کون؟ اس نے ساری عمر دشمن کو چکرائے رکھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کے ذہین ترین افراد بھی اس کا کھوج لگانے میں ناکام رہے۔ ان میں سے ایک سیکرٹ ایجنٹ اطلاع دیتا کہ وہ مصر میں دریائے نیل کے کنارے ایک ہوٹل میں کسی سے اہم ملاقات کر رہا ہے تو ابھی اس اہم ملاقات کا مقصد اور روداد حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کا حکم دیا جا رہا ہوتا کہ دوسرے کا فون موصول ہوتا وہ پیرس کے ڈیگال ایئر پورٹ سے نیویارک روانہ ہو چکا ہے۔ اسرائیلی حکام چکرا کر رہ جاتے کہ کس ایجنٹ کی اطلاع درست ہے اور کس کی غلط؟

چہروں کی طرح اس کے نام بھی متعدد تھے۔ تنظیم کی طرف سے اس کی جتنی ذمہ داریاں تھی ہر ذمہ داری کے لیے اس کا الگ نام یا لقب تھا جس سے وہ متعلقہ حلقے کے کارکنوں میں معروف ہوتا۔ اس کے اصل چہرے کی طرح اس کا اصل نام معلوم کرنا بھی ازبس دشوار سمجھا جاتا تھا۔ وہ چہرے بدلنے اور بدلتے چہروں کی مناسبت سے نام رکھنے کا ماہر تھا۔ کسی سفر پر جاتے ہوئے اس کا حلیہ، شکل وصورت اور نام کچھ اور ہوتا اور واپسی پر کچھ اور...... اس نے یہود سے مقابلے کو جو نیا رنگ، نیا ڈھنگ، نیا آہنگ دیا وہ بالکل انوکھا اور منفرد تھا۔ ذیل میں ہم اس کی چند خصوصیات کا تذکرہ کریں گے:

☆ انجینئر یحییٰ ایاش خود بھی سخت محنت کا عادی تھا اور دوسروں سے بھی اسی کی توقع رکھتا تھا۔ پاک فوج کے لیجنڈ کمانڈو بریگیڈیئر طارق محمود (ٹی ایم) کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ عید کا دن ضرور بالضرور اگلے مورچوں پر موجود جوانوں کے ساتھ گزارے گا

اور اپنی عمر ڈھل جانے کے باوجود کسی مہم کے دوران جوانوں کے ساتھ ساتھ بلکہ ان سے آگے رہے گا۔ اس طرح یحییٰ ایاش اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ کڑی مشقت میں ڈالے رکھتا اور دوسروں کو محنت کی تلقین کرنے سے پہلے خود کو ہمہ وقت متحرک رکھتا اور اپنے آپ کو سرگرم و پُر جوش عملی نمونہ کے طور پر پیش کرتا تھا۔ بلاشبہ یہ مقصد سے لگن اور قربانی کی اعلیٰ مثال ہے۔

☆ عسکریت کی دنیا میں سب سے اہم چیز راز داری ہے۔ یحییٰ ایاش نے اس کو فن کا درجہ دیا اور پھر اسے کمال تک پہنچا دیا۔ اس کی بہترین مثال کے طور پر اس نے خود کو پیش کیا۔ وہ اپنے ارادوں کی بھنک کسی کو نہیں پڑنے دیتا تھا بلکہ اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس کے وجود کی ہوا بھی کسی کو نہ لگے۔ وہ جس طرح خود ساری عمر چھلاوا بنا رہا اسی طرح دوسروں کو اپنی شخصیت، عزائم و مقاصد کو چھپائے رکھنے کی سخت ہدایت کرتا اور پابندی کرواتا تھا۔ اس کی اس عادت نے یہودی سراغ رسانوں کو بہت پریشان کیا اور پہلے جو چیز وہ ٹہلتے ٹہلتے معلوم کر لیتے تھے اب ان کے لیے اس سے کمتر درجے کی بات تک پہنچنا بھی پہاڑ کی چوٹی سر کرنے کے مترادف ہو گیا۔

☆ اس کا ایک اُصول یہ تھا کہ ہمیشہ دشمن کے دماغ میں بیٹھ کر اس کے دماغ سے سوچو اور اس سے ایک قدم آگے رہو۔ ایسا داؤ سیکھنے کی کوشش کرتے رہو جس کا توڑ دشمن کے پاس نہ ہو۔ اگر تم نے اس میں پہل نہ کی تو محض روایتی چیزیں تمہاری کامیابی کی ضمانت نہیں ہو سکتیں۔ بے سروسامان فلسطینی مسلمانوں کا اسرائیل جیسی ہیبت ناک سامری قوت کا زوردار مقابلہ کرنا یحییٰ ایاش کی انہی تجاویز کا کمال تھا۔

☆ عام ساتھیوں سے اس کا سلوک نہایت مشفقانہ، ہمدردانہ اور خیر خواہانہ ہوتا تھا۔ اُصولوں میں نرمی کیے بغیر رویّے کی درستی اور زبان کی مٹھاس سے وہ ساتھیوں اور ماتحتوں کے دل جیت لیتا تھا اور پھر اس کے کہنے پر اس کے رضاکار ساتھی ناممکن کو ممکن کر دکھاتے تھے۔ عام طور پر ذمہ دار لوگ یا تو درشت رویّہ رکھتے ہیں یا پھر رویہ تو نرم ہوتا

ہے لیکن ماتحتوں کی ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ یہ دونوں چیزیں حوصلے، عزم اور کارکردگی کو متاثر کرتی ہیں۔

☆......☆......☆

حماس کی کامیابی شیخ یٰسین جیسے معمر قائدین اور انجینئر یحییٰ جیسے اولو العزم نوجوانوں کی مرہونِ منت ہے، ورنہ اسرائیل جیسے عیار دشمن سے مقابلہ اتنا آسان نہیں۔ اس سے بڑھ کر عیاری کیا ہوگی کہ جب یہود نے دیکھا کہ امریکا کے اتحادی عراق میں اس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور وہ عراق سے نکلنا چاہتا ہے اور پھر مجاہدین اسرائیل کی درگت بنائیں گے تو انہوں نے فوراً توہین آمیز خاکوں کی مہم چلا کر پورے یورپ کو متحد کر کے امریکا کے ساتھ پھر سے کھڑا کر دیا لیکن جب تک شیخ یٰسین اور انجینئر یحییٰ جیسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں اس عیاری کا مقابلہ کچھ اتنا مشکل بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں شہیدوں کو غریقِ رحمت کرے اور پیچھے آنے والوں کو ان کے قائم کردہ زرّیں اُصولوں اور روشن مثالوں کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں اس کتاب کے قارئین کے لیے دو شعر ؎

ناکام ہے تو کیا ہے، کچھ کام پھر بھی کر جا
مردانہ وار جی، مردانہ وار مرجا
اس بحر بیکراں میں ساحل کی جستجو کیا
کشتی کی آرزو کیا، ڈوب اور پار کر جا

نرالی ادائیں

جب انہوں نے دیکھا کہ دُشمن عیار، چالباز اور سنگدل ہے۔ دوست غافل، بے نیاز اور چشم پوش ہیں۔ نہ دُشمن اپنی کھال میں آتا ہے نہ دوست اپنے خول سے باہر نکلتے ہیں۔ جفا کاروں کی جفائیں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں اور غمخواروں کی بے نیازیاں ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آتیں، تو انہوں نے اپنے زورِ بازو سے وہ طریقہ ایجاد کیا جس کا حل آج تک واشنگٹن سے تل ابیب تک کوئی ایجاد نہیں کر سکا اور نہ ہی کسی کے لیے ممکن ہے کہ اس پر روک لگا سکے۔ انہوں نے فدائی حملوں کا نرالا انداز اپنایا اور اب دنیا جتنی بھی آگے چلی جائے وہ (اللہ کے لیے) جان دینے والوں کو (دُشمن کی) جان لینے سے نہیں روک سکتی۔ صہیونی منصوبہ سازوں کو دیکھ لیجیے! انہوں نے فلسطینی مسلمانوں پر وہ ظلم ڈھائے ہیں کہ پہاڑوں کا سینہ بھی انہیں سن کر شق ہو جائے، مگر بہتیری کوشش کے باوجود وہ فلسطینی مجاہدین کے فدائی حملوں کا کوئی حل دریافت نہیں کر سکتے۔ وہ آسمانوں سے امریکی جہازوں میں بیٹھ کر برستے ہیں، زمین سے امریکی ساختہ ٹینکوں اور سمندر سے امریکی نیوی کے جہازوں میں مورچہ باندھ کر فلسطینیوں کو ان کی اس صہیونیت شکن کارروائیوں سے روکنا چاہتے ہیں، مگر فلسطینی مسلمانوں نے بھانپ لیا ہے کہ صہیونیت ان کو زندہ رہنے کا حق دینے پر تیار نہیں تو کیوں نہ وہ اپنی مرضی کی موت کا حق استعمال کریں جو اعلیٰ و ارفع بھی ہو، شاندار و جاندار بھی اور دُشمن کے منصوبوں کو خاک میں ملانے والی بھی۔

گزشتہ دنوں جیسے جیسے اسرائیل نے ان کے گرد گھیرا تنگ کیا ہے انہوں نے بمبار حملوں میں شدت پیدا کی ہے اور اس نرالے فدائیانہ انداز میں اتنی خوبصورتی اور پرکاری سے مہارت پیدا کی ہے کہ صہیونیوں سے اگاڑی بچائی جا رہی ہے نہ پچھاڑی۔ فدائی

مجاہدین نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان ذلت کی زندگی پر لعنت بھیج کر عزت کی موت کا طلب گار ہو جائے تو حالات خود اسے عزت، تحفظ اور مقام دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ بھارت کے مسلمانوں نے بھی اسی راز کو پالیا ہے اور انہوں نے پچھلے دنوں دھمکی دی تھی کہ اگر ہندوؤں نے زیادہ پھیلنے کی کوشش کی تو وہ فدائی حملے شروع کر دیں گے۔

آہ! کیا وقت ہوتا ہوگا جب کوئی خوش نصیب اس دنیا کی آلودگیوں سے جان چھڑا کر اپنے ربّ کے حضور پاک صاف ہو کر پیش ہونے جاتا ہوگا۔ اے ربّ ذوالجلال! مسلمانوں کو عزت کی زندگی نہیں مل رہی، تو ہی انہیں لطف والی موت کا راز سمجھا دے۔

آفرین! اے مجاہدۂ فلسطین

ایک خبر کے مطابق مقبوضہ بیت المقدس کے یہودی علاقے میں فدائی دھماکا کر کے ایک یہودی کو ہلاک اور 100 سے زائد زخمی کرنے والی فلسطینی مجاہدہ 26 سالہ وفا ادریس کا تعلق رام اللہ کے العمری خیمہ بستی سے تھا اور وہ یونیورسٹی گریجویٹ ہونے کے علاوہ ہلال احمر ایمبولینس سروس کی طبی رضا کار اور اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کی والدہ کا کہنا ہے کہ اگر اس کی اور بیٹیاں ہوتیں تو وہ انہیں بھی اللہ کے راستے میں قربان کر دیتی۔ اللہ تعالیٰ فلسطین کی ہر بیٹی کو وہ حوصلہ دے جو اس نے وفا کو دیا۔ وفا ادریس اتوار کو صبح ہی سے غائب تھی اور اس کے ارادوں کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اس کی والدہ راسیہ نے بتایا کہ وفا ایک انتہائی صاف گو شخصیت کی حامل تھی۔ وہ ہلاک اور زخمی ہونے والے فلسطینیوں کو دیکھ کر رات بھر روتی تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی جان اس طرح قربان کرے گی۔ وہ ہمیشہ لوگوں کی مدد کرتی تھی اور فلسطین پر یہودی قبضے کے سخت خلاف تھی۔ بدھ کو جب الاقصیٰ بریگیڈ کی جانب سے وفا ادریس کی شہادت کی خبر باقاعدہ طور پر العمری خیمہ بستی میں پہنچی تو لوگ گھروں سے نکل آئے۔ وفا کو فلسطین کی پہلی ''خودکش نسوانی فدائی شہید'' کا خطاب دیا گیا اور ہزاروں افراد نے اس کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر اسلام کی خانہ نشین بیٹیاں بھی اب میدان عمل میں آنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ عام طور پر دشمنانِ اسلام نے مشہور کر رکھا ہے کہ جہاد چند سر پھرے نوجوانوں اور مفاد پرست لیڈروں کا شغل ہے لیکن اس خبر سے حقیقت حال اچھی طرح سامنے آجاتی ہے کہ جہاد مسلمانوں کا آخری سہارا ہے۔ یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ، اپنے والدین کی اکلوتی اولاد اور کم آمیز و باحیا طالبہ جب صہیونی مظالم دیکھ کر

فدائی حملے پر مجبور ہوگئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں جاری جہاد درحقیقت کفار کے سنگدلانہ مظالم کا ردِّعمل ہے اور یہ قطعاً خام خیالی ہے کہ اس کو بزورِ طاقت دبادیا جائے گا کیونکہ جس چیز کی اُٹھان ہی ظلم کے خلاف ردِّعمل کے طور پر ہو وہ ظلم سے کیونکر دبائی جاسکتی ہے؟

اس فلسطینی فدائیہ کی والدہ کے جذبات کو بھی سلام کرنے کا جی چاہتا ہے۔ جس قوم کی مائیں اپنی اکلوتی اولاد کو راہِ خدا میں قربان کر کے بھی شکر ادا کریں اور ان کے عزم و حوصلے میں کمی نہ آئے، اسکے متعلق اگر کوئی سمجھتا ہے کہ طاقت کے بل بوتے پر اس پر حکومت کرلے گا تو وہ خیالی دنیا میں نہیں، گدھوں کے اصطبل میں رہتا ہے۔ فلسطینی مسلمانوں نے دراصل یہ سمجھ لیا ہے کہ صہیونی اب انہیں ان کی آبائی سرزمین پر جینے کا حق نہیں دینا چاہتا، اس لیے انہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ پھر مرنے کا حق وہ خود استعمال کریں گے تا کہ یہودی ان کی سرزمین کو چھوڑ جائیں یا پھر جہنم میں پہنچنے کے لیے تیار رہیں۔

موت سے ڈرنے والے یہودی فوجیوں میں سے چند ایک نے فلسطینی مسلمانوں کے علاقے میں ڈیوٹی دینے سے انکار کردیا ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے یہودی ساتھیوں کے مظالم سے بے زار ہیں۔ اب خدا جانے وہ فلسطینی فدائیوں کے اچانک اور غیر متوقع حملوں سے خائف ہیں یا اپنے ہم پیشہ ستمگروں کی درندگی نے ان کا دل کھٹا کردیا ہے۔ بہرحال ان کے اس انکار اور صہیونی فوج کے صف اوّل میں پائے جانے والے اختلافات سے پتہ چلتا ہے کہ فلسطین مذاکرات سے نہیں ''متفجرات'' (بارودی دھماکوں) سے ہی آزاد ہوگا۔ فلسطینی فدائی خاتون نے ارضِ مقدس کی جدوجہد آزادی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہوئے لہو سے یہ حقیقت رقم کر کے دنیا کو دکھادی ہے کہ سرزمینِ انبیاء سے یہودیوں کا اخراج اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب فلسطین کی گلیوں میں وہ موت کو اپنا تعاقب کرتے پائیں۔ اس کے علاوہ کوئی صورت ایسی نہیں جو اس مردود قوم کو مسلمانوں کے حقوق اور خطۂ زمین غصب کرنے سے روک سکے۔

اُچپل طریقہ

ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور جذبہ اس کا باپ۔ جب انسان کسی چیز پر مجبور ہو جاتا ہے یا کسی چیز کو حاصل کرنے کی لگن، شوق اور جذبہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے تو ممکن اور ناممکن میں تفریق مٹ جاتی ہے۔ فلسطینی مسلمان ضرورت مند تو تھے ہی، جذبہ جہاد و شوق شہادت بھی ان کو وافر عطا ہوا ہے، لہٰذا جب انہوں نے دیکھا کہ صہیونیوں نے اپنی مکروہ تدبیروں اور دُور رَس خفیہ منصوبوں کے ذریعے عالمی طاقتوں کو اپنا ہمنوا بنا کر ان سے ہر طرح کا اسلحہ حاصل کر لیا ہے اور نہ کسی کو اسرائیل کے ایٹمی اسلحہ سے مسلح ہونے پر تشویش ہے نہ اس کی بے دریغ دہشت گردی پر کوئی لب کشائی کرتا ہے، ساری دنیا اس کے بے جا ظلم و ستم کو یوں دیکھتی ہے جیسے کوئی مزاحیہ کھیل کھیلا جا رہا ہو۔ یہودیوں کو ہر طرح کے ہتھیاروں کے حصول اور استعمال کی کھلی اجازت ہے جبکہ فلسطینیوں کو راستے میں پڑے وہ پتھر بھی نہیں اُٹھانے دیے جاتے جو وہ آخری چارۂ کار کے طور پر یہودی غنڈوں پر برساتے ہیں..... تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب دنیا والوں کی اس جانبداری، بے دردی اور تعصب کے خلاف احتجاج کے لیے انہیں ''اُچپل'' طریقے سے کام لے کر یہودیوں کا کوئی علاج دریافت کرنا ہوگا۔ (طالبان کی اصطلاح میں کام چلانے کے لیے اختیار کیے گئے دستی ٹوٹکوں کو ''اُچپل'' طریقہ کہتے ہیں۔)

چنانچہ کچھ دن پہلے فلسطینی فدائین کے بنائے ہوئے ایک گھریلو ساختہ میزائل کا انکشاف ہوا۔ فلسطینی مسلمان بے بس ہیں، ان کو بارود کی ایک چٹکی یا گولی میں استعمال ہونے والا ایک گرام سیسہ درآمد کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا انہوں نے ضرورت اور جذبے کے ملاپ سے یہ میزائل بنا ڈالا۔

ان کے پڑوس میں موجود امیر ترین مسلمان ریاستوں کی اس بے حسی پر دل خون کا لوتھڑا بن کر پگھلنے لگتا ہے کہ وہ خود دنیا کی ہر قسم کی سہولت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، ان کے

یہاں سامانِ تعیش کی بہتات ہے، بنی نوع انسان نے آج تک اپنے عیش و آرام کے لیے جو کچھ ایجاد کیا ہے وہ بلا تکلف ان تک سب سے پہلے پہنچ جاتا ہے، مگر ان کے پڑوس میں مسلمانوں پر دنیا کا بدترین ظلم ڈھایا جارہا ہے۔ اس پر ان کا دل پسیجتا ہے نہ وہ اپنے بے تحاشا وسائل میں سے ان کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ حصہ نکالتے ہیں۔ ہر روز اخبار میں تصویر آتی ہے کہ ایک فلسطینی نوجوان اپنے شہید ہونے والے کمسن بھائی یا ساتھی کا منہ چوم رہا ہوتا ہے، اس کے چہرے پر حسرت و یاس اور بے بسی و بے کسی کی دردانگیز پرچھائیں ہوتی ہے، مگر افغانستان کے مہاجر کیمپوں کے لیے 5 ہزار جانوروں کا گوشت 2 ہزار میل کے فاصلے پر بھیجنے والے حکمران فلسطینی کیمپوں میں محصور بے بس مسلمانوں کے لیے اپنے پڑوس میں کچھ نہیں بھجواتے۔ کہنے والے اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ افغانستان میں امریکا کا منظورِ نظر حکمران کابل کے تخت پر بے جان لوتھڑا بن کر پڑا ہوا ہے اس لیے عربستان کے ''غیور'' اور مسلمانوں کے ہمدرد حکمرانوں کو بحراوقیانوس پار سے حکم آیا ہے کہ ''افغان بھائیوں'' کی امداد کریں، لیکن ایسی کوئی ترغیب چونکہ فلسطینی مسلمانوں کے بارے میں نہیں ہے لہٰذا وہ قریب ہوتے ہوئے بھی قربانی کے جانوروں کے ضائع ہوجانے والے گوشت کے بھی مستحق نہیں۔

فلسطینی مجاہدین کی اس ایجاد کو صہیونی میڈیا دہشت گردی کی نئی قسم بتلا رہا ہے، مگر ذرائع ابلاغ کے دور بین جیسی آنکھوں اور خورد بین جیسی نظر والے اندھے نمایندوں کو اسرائیل کا وہ مہلک اسلحہ نظر نہیں آتا جو وہ نہتی آبادی پر برساتا ہے۔ فلسطینی مجاہدین تن تنہا ساری دنیا کے مکروفریب سے ٹکرا رہے ہیں، پورے عالمِ اسلام کی طرف سے القدس کے تحفظ کا فرض ادا کررہے ہیں مگر دور دور تک ان کے حق میں بولنے والی آواز ہے نہ رونے والی آنکھ، نہ تڑپ اور کرب سے بھرا دل...... اے اللہ! دجل و فریب سے بھری اس دنیا میں مسلمانوں کو ترقی دے، ورنہ کفر کو اپنی ایسی گرفت میں پکڑ کہ غمزدہ اور کفر گزیدہ مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوجائیں۔ اے فلسطین کے فدائی مجاہدو! تمہارے عزم اور جذبے کو سلام ہو! کاش! ہم تمہارے کچھ کام آسکتے۔ کاش! ہم اپنے لہو سے ان گلگوں نقوش میں کچھ اضافہ کرسکتے جو تم ارضِ مقدس کی بابرکت سرزمین پر ثبت کررہے ہو۔

چند یہودی اصطلاحات

ذیل میں حروفِ تہجی کی ترتیب سے وہ مخصوص الفاظ اور اصطلاحات دی جا رہی ہیں جو یہودی اپنے بیانات اور تحریروں میں استعمال کرتے ہیں۔ ان اصطلاحات کا مفہوم سمجھے بغیر یہودی اور یہودیت کو صحیح طرح سے سمجھنا ممکن نہیں۔

☆☆☆

اشکنازی اور سفاردیم...... اشکنازی پرتگالی یہودیوں یا ان کی اولاد کو کہتے ہیں جبکہ سفاردیم سے مراد مشرقی اور مرکزی یورپ کے یہودی یا ان کی اولاد ہیں۔ یہودیوں کے یہ دونوں گروہ ہم عقیدہ ہونے کے باوجود عبرانی کے تلفظ اور طرز عبادت میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان میں باہمی چپقلش بھی چلتی رہتی ہے۔

ارضِ موعود کو ہجرت...... یہودیوں کے نزدیک کوئی یہودی اس وقت تک سچا ''صہیونی'' قرار نہیں پا سکتا جب تک وہ جہاں بھی ہے وہاں سے ہجرت کر کے اسرائیل میں آباد نہ ہو...... لیکن امریکا میں آباد آسودہ حال یہودی تو اس کے لیے تیار نہ تھے...... لہٰذا بعد میں اس اصول میں ترمیم کر لی گئی اور اسے وسعت دے کر ہر قوم پرست اور اسرائیل کے حامی کو ''سچا یہودی'' مان لیا گیا چاہے وہ دنیا میں کہیں بھی رہتا ہو۔

ارضا...... عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''مادر وطن کی طرف'' ہیں۔

ارضینو...... یہ بھی عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''ہماری سرزمین'' ہیں۔

اناجیل اربعہ کے پیروکار...... یہ وہ مسیحی ہیں جن کا تعلق بنیادی طور پر پروٹسٹنٹ عقائد سے ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نجات کا انحصار ایمان اور عقیدے پر ہے اور یہ کہ مذہب کی تبلیغ کو مذہبی رسومات پر فوقیت حاصل ہے، لیکن ان میں مختلف تہذیبی نظریات رکھنے

والے لوگ شامل ہیں۔ امریکا میں اناجیل اربعہ کے پیروکاروں کی تعداد تین سے پانچ کروڑ تک ہے۔ اناجیل اربعہ کے پیروکار چاروں اناجیل کو مانتے ہیں جن کے مؤلف متی، مرقس، یوحنا اور لوقا تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہ چاروں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔ کسی بھی عقیدے کا عیسائی اگر اناجیل اربعہ کو تسلیم کرلے اور بنیادی عقائد کو اپنالے تو وہ ''اناجیل اربعہ'' کا پیروکار کہلاسکتا ہے۔ قدامت پرست عیسائیوں کا یہ طبقہ اسرائیل کا حامی اور یہود نواز ہے اور امریکا کی یہودی تنظیمیں اس سے قریبی تعلقات قائم کرنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ جیری سوبر نے جو قبل ازیں مشہور صہیونی تنظیم ''ماص'' کا افسر رہ چکا تھا، 1970ء میں اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''اناجیل اربعہ کے پیروکار ہی اس ملک میں یہودیوں کے لیے قوت اور طاقت کا سرچشمہ ہوسکتے ہیں۔'' جیری سوبر نے امریکا کے چالیس سے زیادہ بڑے اخبارات میں اشتہارات کا ایک سلسلہ شائع کرایا جن میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا: ''وقت آگیا ہے کہ اناجیل اربعہ کے حقیقی پیروکار انجیل مقدس کی پیش گوئیوں پر اپنے ایمان کا اظہار کریں اور ''ارض مقدس'' (فلسطین) پر اسرائیل کے حق کی حمایت کریں جو خدا نے انہیں عطا کیا ہے۔''

ایشووٹ...... عبرانی میں ایسے مدرسہ کو کہتے ہیں جہاں یہودیت کی تعلیم دی جاتی ہو۔

بریرا...... عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''متبادل'' کے ہیں۔ بریرا ایک یہودی تنظیم ہے جو 1970ء کی دہائی کے اوائل میں قائم کی گئی تھی۔ اس تنظیم کے قیام میں ان امریکی یہودیوں کا ہاتھ تھا جو اسرائیل کے حامی تو ضرور ہیں مگر وہ اعتدال پسندی کے دائرے میں رہتے ہوئے کام کرتے ہیں۔ وہ اسرائیل کی انتہا پسندانہ کارروائیوں اور عربوں سے مسلسل محاذ آرائی کی پالیسی سے اتفاق نہیں کرتے اور اس بات پر مسلسل زور دیتے رہتے ہیں کہ اسرائیل کو قیامِ امن کے لیے فلسطینیوں سے مذاکرات کرنے چاہییں۔

یدشی...... یہ جرمن زبان کی ایک قدیم صورت ہے جس میں عبرانی کے الفاظ شامل ہیں۔ جرمن اور مشرقی یورپ کے یہود یہ زبان بولتے اور لکھتے پڑھتے ہیں۔

پناہ گزینوں کی آبادکاری...... اس پالیسی کے تحت اسرائیل مقبوضہ مغربی کنارے اور دیگر فلسطینی علاقوں میں بستیاں تعمیر کر کے پناہ گزینوں کو آباد کر رہے ہیں۔

پشکے...... یہودیت کی مدد کے لیے رکھے جانے والے عطیات کے صندوقچے جو نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ صندوقچے عبرانی میں ''پشکے'' کہلاتے ہیں اور یہودی انہیں یہی نام دیتے ہیں۔ یہودیوں کے لیے عطیات فراہم کرنے میں یہودی معاشرے میں لگن اور ہر یہودی کی شرکت ان نیلے رنگ کے صندوقچوں سے ممکن ہوئی جو چھوٹے چھوٹے یہودی بچے ہاتھوں میں لے کر گھر گھر جاتے تھے۔ پھر ایسے صندوقچے ہر گھر، یہودیوں کی ہر دکان اور مختلف مراکز پر نمایاں جگہ پر نظر آنے لگے اور ہر یہودی روزانہ ان میں ایک دو سکے ضرور ڈالتا ہے۔

پاسوور سیدر...... یہ عبرانی لفظ ہے۔ یہ ایک مقدس تہوار ہے جو اسرائیلیوں کے مصر سے بحفاظت خروج کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس روز کھانا پکایا جاتا ہے جس میں خمیر سے بنی ہوئی کوئی چیز شامل نہیں کی جا سکتی۔ اس تہوار کو ''عید الفصح'' بھی کہتے ہیں۔

تالمود...... تالمود یہودیوں کے ہاں دوسری مقدس کتاب ہے۔ پہلی مقدس کتاب تورات (العہد القدیم) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اور جسے یہودی احبار (علمائے سوء) نے کئی صدیوں کے دوران میں تحریف کا نشانہ بنایا۔ تالمود کے متن کا نام ''المشنا'' ہے۔ یہ متن پہلی صدی عیسوی اور آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان فلسطینی یہودی احبار کے ہاتھ پر لکھا گیا۔ اس ''المشنا'' کی دو طویل شرحیں ہیں۔ ہر ایک کا نام ''جمارۃ'' ہے۔ ایک فلسطین میں لکھی گئی جبکہ دوسری بابل میں۔

تباہی کی یادگار...... اسرائیل میں یہ یادگار نازی جرمنی میں یہودیوں کے قتل عام کی یادگار میں تعمیر کی گئی ہے۔

جبل ماریا...... القدس میں وہ پہاڑ جس پر مسجدِ اقصیٰ قائم ہے۔ تورات میں یہ لفظ دو مرتبہ آیا ہے۔ یہود کی بداعمالیوں سے جب ان پر عذاب آیا تو اس جگہ تیسری مرتبہ یہود یہاں تیسری مرتبہ ہیکل سلیمانی بنانا چاہتے ہیں لیکن فلسطینی مجاہدین کی قربانیوں کی بدولت

کبھی اس منصوبے میں کامیاب نہ ہوں گے۔

چاباڈلیوباوچ......آرتھوڈکس یہودیوں کی ''ہیسیڈک'' تحریکوں میں سے ایک ہے۔

چاباڈ (Chabad) تین لفظوں کا مخفف ہے۔ Chabad چوچما (chuchmuh) بناہ (Binah) اوردعات (Da'at)۔ان کے معنی دانش، سمجھ اور علم کے ہیں۔ لیوباوچ ہیسیڈک فرقوں کے خاندان کی موجود واحد شاخ ہے۔ یہ فرقے کسی زمانے میں مجموعی طور پر چاباڈ تحریک شمار کیے جاتے تھے۔ یہ دونوں نام ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ چاباڈ کے رکن کو''چاباڈنک''اور''لیوباوچر'' دونوں ناموں سے پکارا جاتا ہے۔اس تحریک نے اپنا نام''لیوباوچ'' سے حاصل کیا جو کہ روس کا ایک علاقہ ہے جس نے ایک صدی سے زائد عرصہ تک ان تحریکوں کے مرکزی مقام کے طور پر خدمات انجام دیں۔اس تحریک کے حمایتی چاباڈ کی روایات اور عبادات کی پیروی کرتے ہیں جن کی بنیاد یہودیوں کی قدیم روایات پر رکھی گئی ہے۔''ہیسیڈم'' ہونے کی حیثیت سے یہ لوگ اسرائیل بن علیزر کے ''چیسیڈس'' کی اطاعت کرتے ہیں۔ آج کل یہ تحریک دنیا بھر میں ہزاروں سینٹرز، عبادت گاہیں، اسکول وغیرہ چلارہی ہیں اور یہودیوں کو تعلیمی سہولیات مہیا کرتی ہے۔انڈیا کے شہر ممبئی کے حملوں (دسمبر 2008ء) میں چاباڈ اس وقت منظر عام پر آئی جب اس مرکز کے ربائی، اس کی بیوی اور دیگر یہودیوں کو قتل کردیا گیا۔اس واقعے کے فوری بعد چاباڈ کو ساری دنیا سے تعزیتی پیغام موصول ہوئے۔ پیغام بھیجنے والوں میں امریکا کے نومنتخب صدر بارک اوباما بھی شامل تھے۔

حینین......عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''میں یہاں ہوں'' ہیں۔ایک لاکھ ڈالر یا اس سے زائد رقم کا عطیہ دینے والوں کی تعظیم وتکریم کے لیے جو کمیٹی قائم ہے اسے ''حینین کمیٹی'' کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے ان سرپرستوں سے زیادہ رقوم اینٹھنے کے لیے بڑے اونچے درجے کے پروگرام ترتیب دیتی ہے۔ 1981ء میں اس کمیٹی نے ''مشن وزیراعظم'' کے نام سے پروگرام ترتیب دیا جس کے تحت امریکی یہودیوں کا ایک وفد اسرائیل لے جایا گیا اور ان کی ملاقات اسرائیل کے وزیراعظم سے کرائی گئی۔

حداشہ...... یہ عبرانی کا لفظ ہے جسے یہودی اپنی مذہبی اور ''آسمانی'' زبان قرار دیتے ہیں۔ حداشہ انجیل کی زبان میں ''مارٹل'' کا مترادف ہے جو انجیل مقدس میں مذکور ملکہ ''ایستھر'' کا نام تھا۔ مارٹل کے لغوی معنی ''حنا'' ہیں۔ حداشہ ایک امریکی یہودی تنظیم کا نام بھی ہے۔ جو صہیونی قوانین کے لیے قائم کی گئی ہے۔ اس تنظیم کی وسعت اور کارکردگی کا اندازہ ان پوسٹروں سے لگایا جاسکتا ہے جو نیویارک کی بسوں اور زیرزمین راستوں میں چسپاں ہیں۔ ان پر لکھا ہے: ''انسان کی بعض عظیم ترین کامیابیاں خواتین کی مرہون منت ہیں۔'' حداشہ میں شامل ہو جایئے۔

حقیقی امن...... امریکی یہود کے نزدیک ''حقیقی امن'' یہ ہے کہ اسرائیل نے جن عرب علاقوں پر جارحانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ ان پر یہ قبضہ تسلیم کر لیا جائے اور یہ ضمانت دی جائے کہ عرب اسرائیل پر حملہ نہیں کریں گے...... مگر اسرائیل کسی خطرے سے پیشگی نمٹنے کے لیے حملہ کر سکے گا۔

حلاخہ...... یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''قوانین'' ہیں۔ یہودی الٰہیات میں ''حلاخہ'' سے مراد یہود کے روایتی قوانین کا مجموعہ ہے جو ''تورات'' پر مستزاد ہیں اور اس کی تشریح و تعبیر کرتے ہیں۔

خطِ سبز...... اس خط سے مراد وہ ''سرحد'' ہے جو اسرائیل کی ''اصل'' سرحد ہے اور اس کے باہر وہ علاقے ہیں جن پر اسرائیل نے 67ء کی جنگ میں فوجی قبضہ کیا تھا۔ اب یہ ''مقبوضہ علاقے'' کہلاتے ہیں۔

دُہرا رویّہ...... دہرے رویّے سے یہودیوں کی مراد ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ ''اسرائیل اور عربوں میں امتیاز کیے بغیر اصولی رویہ'' مثلاً: یہ منصفانہ اُصول کہ یہود کی طرح فلسطینیوں کو بھی فلسطین میں رہنے کا حق ہے۔ یا یہ کہ اگر دنیا بھر سے یہودی آکر اسرائیل میں بس سکتے ہیں تو پڑوسی ملکوں میں فلسطینی مہاجر کیمپوں میں مقیم فلسطینی بھی اپنے وطن واپس آکر بسنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہودی اس انصاف پرمبنی رویّے کو اپنے زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعے

''دہراروبہ'' قرار دیتے ہیں اوراس کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔

دارالحرب...... یہودیوں کے نزدیک اس اصطلاح کا مطلب اسرائیل کے علاوہ پورے سطحِ ارض کا وہ حصہ ہے جو غیر یہودی ریاست ہے۔ 1961ء میں اسرائیل کے پہلے وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے پچیسویں صہیونی کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا: ''اس دن سے جب اسرائیل کی ریاست وجود میں آئی تھی اسرائیل کے دروازے ہر اس یہودی کے لیے کھول دیے گئے تھے جو اس ارض وطن میں آنا چاہتا ہو لیکن اس روز سے ہی ہر دیندار یہودی تورات کے فرمان اور یہودیت کے اُصولوں کی روزانہ خلاف ورزی کررہا ہے۔ وہ اسرائیل کو ہجرت نہیں کررہا اور ''دارالحرب'' میں مقیم ہے۔''

ڈایااسپورہ...... ان یہودیوں کو کہا جاتا ہے جو اسرائیل کے علاوہ مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

ربائی...... رِبائی یا رِبّی یہودی مذہبی پیشوا کو کہتے ہیں۔

سینی گاگ...... یہودی عبادت گاہ۔

صہیون...... یہ عبرانی لفظ ہے اور اس کے معنیٰ ''قلعہ'' کے ہیں۔ اس کا صحیح تلفظ ''صہیون'' ہے۔ بعض لوگ اسے ''صیہون'' پڑھتے ہیں یعنی ''ی'' کو ''ہ'' سے پہلے۔ بعض اُردو لغات (مثلاً: فیروز اللغات میں) بھی ایسا ہی لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ صہیون فلسطین میں ان اونچے ٹیلوں کا نام ہے جن پر قدیم یروشلم شہر قائم تھا۔ یہاں یبوسیوں کے دور میں قلعہ تھا جو بعد میں عبرانیوں کے ہاتھ لگا اور سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کا دارالحکومت بنا۔ اس کو ''حضرت داؤد علیہ السلام'' کا پہاڑ بھی کہتے ہیں۔ اس پر جب ''تابوت سکینہ'' لاکر رکھا گیا تب سے اسے مقدس قرار دے دیا گیا۔ اس تابوت میں بنی اسرائیل کے مقدس تبرکات تھے۔ تورات میں یہ لفظ تقریباً 200 مرتبہ آیا ہے اور اس سے قدیم یروشلم شہر مراد ہے۔ بعد میں اصطلاحی طور پر اسے جبل مریّہ (جبل ماریا) کے لیے بھی بولا جانے لگا۔ جبل ماریا وہ پہاڑ ہے جس پر ہیکل سلیمانی بنایا گیا۔ پھر یہود کی شامت اعمال سے اسے دو مرتبہ ڈھایا گیا

اور اب وہاں مسجد اقصیٰ قائم ہے۔نسل پرست متشدد یہودیوں کی عالمگیر تحریک دطن ''صہیونیت''(zionism) اسی سے منسوب ہے۔

صہیونیت...... صہیونیت دو نکات پر مشتمل نظریے کا نام ہے: (1) دنیا میں یہودی جہاں کہیں بھی ہوں، وہ ایک قوم ہیں۔ان کی ثقافت مشترک ہے اور ان کی سیاسی اور قومی امنگیں ایک ہیں۔(2) چونکہ ان کی منزل ایک (اسرائیلی ریاست کا قیام) ہے لہٰذا ہر یہودی کا مقصد حیات اور فرض ہے کہ وہ اسرائیل کو ہجرت کرے۔ پہلی صہیونی کانگریس جو 1897ء میں سوئزر لینڈ کے مقام ''باسل'' میں منعقد ہوئی تھی، اس میں صہیونیت کے جو مقاصد اور ان مقاصد کے حصول کے لیے جو لائحہ عمل طے کیا گیا تھا اس کے مطابق ''صہیونیت کا اولین مقصد یہودیوں کے لیے ایک قانونی طور پر قائم شدہ مملکت کا حصول ہے جسے دنیا بھر میں تسلیم کیا جاتا ہو۔'' اور اس مقصد کے حصول کے لیے چار نکاتی پروگرام تجویز کیا گیا:

1-فلسطین میں یہودی کسانوں، مزدوروں اور ہنرمندوں کی آبادکاری کو فروغ دیا جائے۔

2-دنیا بھر میں جہاں جہاں یہودی آباد ہیں، ان ممالک کے قوانین کے مطابق ان یہودیوں کی تنظیمیں قائم کی جائیں اور انہیں قانونی انداز میں منظم و مربوط کیا جائے۔

3-یہودیوں کے دلوں میں یہودیت کے لیے جذبات کو فروغ واستحکام بخشا جائے اور ان میں قومی تشخص کا شعور بیدار کیا جائے۔

4-ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے ذریعے متعلقہ حکومتوں کی رضامندی سے صہیونیت کے مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔

عصری صہیونیت یا جدید صہیونیت...... 1967ء کی جنگ سے قبل اسرائیلی یا اسرائیل میں آباد یہودیوں کے لیے ''ہجرت'' کے تصور کے بغیر ''یہودیت'' کی کوئی بھی تفسیر بے معنی تھی۔لیکن جنگ کے بعد جب پوری دنیا میں عموماً اور امریکا میں خصوصاً اسرائیل کی

حمایت میں ایک جذباتی لہر اُٹھی تو یہ محسوس کیا گیا کہ ''یہودیت'' کی ایک وسیع تر اور زیادہ لچک دار ''تعریف'' ناگزیر ہوگئی ہے۔ چنانچہ یہی وہ تعریف تھی جس میں ''ہجرت'' کو ناگزیر قرار نہیں دیا گیا بلکہ ''قوم پرستی'' کو بھی ''سچے یہودی'' کی تعریف میں شامل کر دیا گیا۔ چنانچہ اسرائیل اور عالمی صہیونی تحریک نے بھی اس ''نئی'' تعریف کو تسلیم کرلیا کہ یہ ان کی ضروریات کے مطابق تھی۔ 1968ء میں ستائیسویں صہیونی کانگریس میں ''عصری یہودیت'' کے نئے مقصد متعین کیے گئے جو بعد میں ''یروشلم پروگرام'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ مزید دیکھیے: صہیونیت اور یروشلم پروگرام۔

ظہورِ ثانی...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور ثانی کا عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ جب دوبارہ دنیا پر آئیں گے تو پوری دنیا پر ان کی حکومت قائم ہوگی جو یومِ قیامت سے ایک ہزار سال قبل شروع ہوگی اور روز جزا تک قائم رہے گی لیکن مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ اسلام کو نافذ کریں گے اور دجال اور یہودیوں سے جہاد، حتیٰ کہ اسلام پوری دنیا پر غالب آجائے گا۔ وہ چالیس سال اس جہانِ فانی میں قیام کریں گے۔ وصال کے وقت مدینہ منورہ میں ہوں گے اور گنبد خضرا میں مدفون ہوں گے جہاں ان کے لیے چوتھی قبر کے لیے جگہ خالی رکھی گئی ہے۔

غرقد...... غرقد کا درخت۔ اسے انگلش میں Box Thorn کہتے ہیں۔ اس کا سائنسی نام Lyscium Shawii ''لائی سیزیم شاوی'' ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ یہودیوں کا درخت ہے اور وہ واحد درخت ہے جو ان کو پناہ دے گا۔ اسرائیلی حکومت اور یہودی تنظیمیں پورے اسرائیل میں ہزاروں کی تعداد میں یہ درخت لگا رہی ہے۔ جبکہ جس حدیث شریف میں اسے یہودیوں کا درخت کہا گیا ہے اسی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہود نے بداعمالیاں نہ چھوڑیں تو بالآخر ان کی بربادی یقینی ہے اور کوئی چیز ان کے کام نہ آئے گی۔

کوشر...... عام طور پر اس سے یہود کا ذبیحہ مراد لیا جاتا ہے جسے وہ حلال گوشت کہتے

ہیں لیکن درحقیقت کوشر غذائیں وہ غذائیں ہیں جو یہودی مذہب کی شرائط کو پورا کرتی ہیں۔ یہ شرائط ''کوشرویت'' کی بنیادی شکل تشکیل دیتے ہیں۔ کسی غذا کے ''غیر کوشر'' ہونے کی وجوہات میں درج ذیل امور شامل ہیں:

1- ''غیر کوشر'' جانوروں سے حاصل کردہ اجزا کی موجودی۔

2- یا جانور تو کوشر ہو لیکن صحیح طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو۔

3- گوشت اور دودھ، شراب یا انگور کا جوس (یا ان سے حاصل کردہ اور اجزا) کا آمیزہ جو غیر یہودیوں کا تیار کردہ ہو۔

4- اسرائیل کی وہ پیداوار جس کا عشر نہ دیا گیا ہو۔

5- حتیٰ کہ پکانے کے ان برتنوں یا سامان کا استعمال جو ماضی میں ''غیر کوشر'' غذا کے لیے استعمال ہوتا رہا ہو۔

کوشر غذائیں بنیادی طور پر بنیاد پرست آرتھوڈکس یہودی کھاتے ہیں لیکن دیگر آزاد خیال یہودی اس کا کچھ خاص اہتمام نہیں کرتے۔

کیرن ہیسود...... ہیسود عبرانی میں فلسطین کو کہتے ہیں اور ''کیرن'' انگریزی لفظ The کا مترادف ہے۔ ''کیرن ہیسوذ'' ایک امریکی یہودی تنظیم ہے جو امریکا کے سوا پوری دنیا کے 65 ممالک میں اسرائیل کی لابی کے طور پر کام کر رہی ہے جو یہودی میڈیا کا مخصوص فن ہے۔

مسادہ...... یہ یہودیوں کے ایک قدیم قلعے کا نام تھا جس پر رومیوں نے حملہ کر دیا تھا۔ یہودی مغلوب ہو گئے لیکن انہوں نے رومیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے اجتماعی خودکشی کو ترجیح دی۔ یہ قلعہ اب بھی قائم ہے۔ آج کل یہ لفظ نوجوانوں کے لیے قائم کی گئی ایک امریکی صہیونی تنظیم کا نام ہے۔ اس کا اہم کام نوجوانوں کے لیے اسرائیل کے دوروں کا اہتمام ہے۔ یہ دورے چالیس دن کے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد دیگر ممالک میں قیام پذیر یہودی نوجوانوں کے دل میں یہ بات راسخ کرنا ہے کہ: ''یہودیوں کا آخری مقصد اسرائیل کو ہجرت کرنا ہے۔'' ان دوروں کی آخری مصروفیت قلعہ ''مسادہ'' کی زیارت ہوتی ہے۔

میکارتھی ازم...... یہ اصطلاح امریکا کے ایک سینیٹر جوزف میکارتھی (1909ء تا

1957ء) کے حوالے سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اس سے مراد کسی ثبوت کے بغیر مخالفوں پر اشتراکیت نوازی، خیانت یا حکومت سے غداری کے الزامات عائد کرنا ہے۔ ان الزامات کی بنیاد عموماً افواہوں پر ہوتی ہے۔ وسیع تر تناظر میں اس اصطلاح سے مراد ''الزام تراشی برائے الزام تراشی'' ہے۔

نہال...... 1960ء کے عشرے سے ایک امریکی یہودی تنظیم ''قصف'' اسرائیلی فوج کے قریبی تعاون سے سرحدوں کے قریبی دیہات میں ''نہال'' منصوبے پر عمل کر رہی ہے۔ جس کا مقصد سرحدی علاقوں میں سابق فوجیوں کی آباد کاری ہے۔ سابق فوجیوں کی یہ آبادیاں سرحدی نگران چوکیوں کا کام بھی انجام دیں گی۔ ان آبادیوں میں صرف ان یہودیوں کو ہی آباد کیا جاتا ہے جن کی سفارش اسرائیلی فوج کرتی ہے۔ ''قصف'' نے اسرائیلی فوج کے ایما پر ایک سو سے زائد سرحدی چوکیاں بھی قائم کی ہیں جہاں فوجی دستے مقیم ہیں جو 24 گھنٹے سرحد کی نگرانی کرتے ہیں۔ ان چوکیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے اسرائیلی دفاع کو تقویت ملی ہے۔

ہرمجدون (Armageddon)...... یہ مقام شمالی اسرائیل میں ہے اور اسے ''آرمیگاڈون'' کہا جاتا ہے۔ یہ عبرانی زبان کے دو مقطعوں (Syllables) سے بنا ہے۔ ''ہر'' بمعنی پہاڑ اور ''مجیدو'' فلسطین کی ایک وادی کا نام ہے۔ اس کا مطلب ہوا: ''مجیدو کا پہاڑ'' یہاں تیسری عالمی جنگ ہوگی جو انسانی تاریخ کی سخت اور ہولناک ترین جنگ ہوگی۔ اس میں ایک طرف امریکا، برطانیہ، اسرائیل اور ان کے عالمی اتحادی ہوں گے۔ ان کا سربراہِ اعظم دجال ہوگا۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ و حضرت مہدی علیہما السلام اور ان کے مجاہدین ہوں گے جن میں اکثریت عرب و افغان مجاہدین کی اور اقلیت پاکستانی ہوگی۔

ہسبارا...... عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''اطلاع'' ہیں۔ نومبر 1983ء میں امریکی یہودیوں کی تنظیم متوی کے نیو انگلینڈ کے علاقائی دفتر سے ''کیمپس یہودی قائدین'' نامی تنظیم کو ایک مراسلہ بھیجا گیا جس میں پیش کی گئی تھی کہ ''متوی'' تعلیمی اداروں میں ''سامیت مخالف'' اور اسرائیل مخالف پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنے اور

یہودیوں نیز اسرائیل کے تصور کو مثبت انداز میں بہتر بنانے کے لیے مدد اور تعاون کے لیے تیار ہے۔ اس مقصد کے لیے متوی کے دفتر میں ایک رابطہ سیل قائم کیا گیا جس کا نام ''ہسبارانیٹ ورک'' رکھا گیا۔

ہنوکا...... ہنوکا (یا چنوکا) عبرانی الفاظ ہیں۔ یہ بھی اسرائیل کا ایک مقدس مذہبی تہوار ہے۔ یہ چراغاں کا تہوار ہے جو مسلسل آٹھ روز جاری رہتا۔ یہ تہوار یروشلم کی عبادت گاہ کی شامی بادشاہ اینٹوکس کے ہاتھوں بے حرمتی کے بعد مقدس مقام کی حفاظت کے عہد کی تجدید کے طور پر منایا جاتا ہے۔

ہولوکاسٹ...... ''ہولوکاسٹ'' یونانی اصطلاح ''ہولوکاسٹن'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: دیوتا کے قدموں میں بھینٹ چڑھانا۔ کہا جاتا ہے کہ جرمنی میں ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کے بعد اور دوسری جنگ عظیم کے دوران یعنی 1933ء سے 1945ء کے درمیانی عرصے میں 60 لاکھ یہودی، نازیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے۔ یہودیوں کی بڑے پیمانے پر نسل کشی اور ان کی گیس چیمبرز میں ہلاکتوں کے حوالے سے کیے جانے والے اس پروپیگنڈے کا مقصد عالمی برادری کو فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کے لیے رام کرنا تھا۔ چنانچہ بعدازاں دنیا کے طاقتور ممالک نے جن میں سوویت یونین، فرانس، برطانیہ اور امریکا شامل تھے، یہ اعلان کیا کہ: ''مظلوم یہودی جنہوں نے جنگ عظیم کے دوران زبردست ظلم وستم کا سامنا کیا، انہیں فلسطین میں آزاد ریاست کے قیام کا حق حاصل ہے۔''

ہیکل سلیمانی...... وہ عبادت گاہ جو سیدنا حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدیم یروشلم شہر میں...... جسے اب ''القدس'' کہا جاتا ہے...... قائم کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد جب یہود نے یہاں شرک، جادو، زنا اور سود خوری کا بازار گرم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کے طور پر عراقی بادشاہ بخت نصر کو مسلط کیا۔ اس نے حملہ کر کے سارا شہر روند ڈالا اور ہیکل کو ڈھا کر زمین سے ملا دیا۔ چند صدیوں بعد یہود نے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کیا۔ دوسری مرتبہ ہیکل تعمیر ہوا۔ یہود نے پھر وہی حرکتیں شروع کر دیں۔ اس مرتبہ ان پر رومی بادشاہ طیطوس (ٹائی ٹس: Titus) مسلط ہوا۔ اس نے یروشلم پر حملہ کر کے ہیکل سمیت سارا

شہر برباد کرڈالا۔ یہودیوں کو یہاں سے جلاوطن کردیا گیا۔ اس جگہ کی تولیت بنو اسحاق (یہود) سے چھین کر بنو اسماعیل (اُمت مسلمہ) کو دے دی گئی جنھوں نے یہاں عظیم الشان مسجد اقصیٰ قائم کی۔ اب یہود تیسری مرتبہ توبہ کے بجائے زبردستی یہاں پھر ہیکل بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس مرتبہ جلاوطنی کے بجائے انہیں نسل یہود کے خاتمے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

یروشلم پروگرام...... 1968ء میں ستائیسویں صہیونی کانگریس میں ''عصری یہودیت'' کے نئے مقصد متعین کیے گئے جو بعد میں ''یروشلم پروگرام'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ پانچ نکات پر مشتمل ''یروشلم پروگرام'' یہ ہے:

1- یہودی زندگی میں یہودیوں کا اتحاد اور اسرائیل کی مرکزیت ابدی عنصر ہے۔

2- یہودیوں کو تمام ممالک سے ہجرت کر کے یہودیوں کے تاریخی وطن اسرائیل میں آباد ہونا چاہیے۔

3- مملکت اسرائیل کو متحد، مضبوط اور مستحکم بنایا جانا چاہیے جو انصاف اور امن کے ''پیغمبرانہ تصور'' کے مطابق قائم کیا گیا ہے۔ [حالانکہ اسرائیل سے زیادہ ظلم اور بدامنی دنیا میں کہیں نہیں]

4- یہودی مذہب کی تعلیم، عبرانی زبان کی ترویج، یہودیت کی مذہبی اور ثقافتی روایات کی پابندی کے ذریعے یہودی قوم کے تشخص کا تحفظ کیا جانا ضروری ہے۔

5- یہودی جہاں کہیں بھی، جس ملک میں بھی آباد ہیں وہاں ان کے حقوق کا ہر ممکن تحفظ کیا جائے۔

''یروشلم پروگرام'' دراصل اس نظریاتی خاکے کو اُجاگر کرتا ہے جس کے اندر رہتے ہوئے ''یہودی نظام'' نے امریکا میں بسنے والے یہودیوں کے اسرائیل کے حمایت واعانت کے تصورات کے ساتھ بقائے باہمی کو تسلیم کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نظریاتی خاکے میں رنگ بھرنے کی جتنی کوشش کرتے ہیں، وہ فلسطینی مسلمانوں کی بے مثال قربانیوں کے سبب اتنا ہی بے رنگ ہوتا جاتا ہے۔

یشو...... یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور یہود کے ایک طبقہ کو ظاہر کرتا ہے۔ جنگ عظیم

اوّل کے خاتمے تک امریکی یہود میں صہیونی اور غیر صہیونی کی تقسیم اس قدر بڑھ گئی کہ عطیات جمع کرنے اور تقسیم کرنے کی راہ میں یہ سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی۔ کٹر صہیونی غیر صہیونی یہود کے خلاف صف آرا ہو گئے جنہیں وہ ''سماجی خدمات کے ٹھیکیدار'' کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ ''غیر صہیونی'' یہودی بڑے مالدار اور یہودی معاشرے کے ممتاز افراد تصور ہوتے تھے۔ ''صہیونی'' طبقے کو یہ شکایت تھی کہ فلسطینی یہودیوں کو عطیات میں سے وافر حصہ نہیں دیا جا رہا جنہیں ''یشو'' (The Yishuv) کہا جاتا تھا۔

یومِ کپور......اسے ''یومِ مغفرت'' یا ''عید غفران'' بھی کہتے ہیں۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ اس کے معنی ''کفارے کا دن'' یا ''گناہوں کے غسل کا دن'' ہے۔ کپور کے معنی غسل اور کفارے کے ہیں۔ یہودی تقویم کے پہلے مہینے ''تشریہ'' کا دسواں دن ہے۔ یومِ کپور یا یومِ غفران یہود کے مقدس ترین دنوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسے سال کا سب سے مقدس دن سمجھا جاتا ہے اور اس پر ''سبت الاسبات'' (ہفتوں کا ہفتہ) کا اطلاق کیا جاتا ہے جس میں یہودی موروثی قصوں کے مطابق، تمام گناہوں سے خود کو پاک کر لیتے ہیں۔ اس روزے کا آغاز غروب آفتاب سے ہوتا ہے اور اگلے دن غروب آفتاب تک جاری رہتا ہے۔ یہاں پر ایک اور بات ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہودی دن کا آغاز بھی اسلامی دن کی طرح غروب آفتاب سے ہوتا ہے۔ (غروب آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک) لیکن مسلمانوں کا روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے۔ جبکہ یہودیوں کے کچھ روزے مسلمانوں کی طرح ہوتے ہیں اور کچھ غروب آفتاب سے غروب آفتاب تک ہوتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ روزے کم اور فاقے زیادہ لگتے ہیں۔

یوم غفران یہودیوں کے نزدیک دو وجہ سے مقدس ہے:

(1) یہ وہ دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام عشرہ (Ten Commandments) کا دوسرا حصہ عطا کیا گیا تھا جب انہوں نے خدا کے حکم کے مطابق اپنا دوسرا چلّہ مکمل کیا تھا۔

(2) اس دن بنی اسرائیل کو سونے کے بچھڑے کی پوجا کی پاداش میں دی گئی سزا سے

معاف کر دیا گیا تھا اسی لیے اس دن کو یوم مغفرت بھی کہا جاتا ہے۔

اسی وجہ سے کاہن اعظم ماضی میں وہ اپنی سفید چادر کو خوشی کے اظہار کے لیے پلٹ دیتا تھا۔ اس دن دو مینڈھے ذبح کرتا تھا۔ کاہن پہلے مینڈھے کو ہیکل کے مذبح میں ذبح کرتا اور اس کے خون کو سب سے مقدس جگہ پر بہاتا۔ دوسرے مینڈھے کو چٹان کے اوپر عزازیل (روح شریرہ) کو خوش کرنے کے لیے ڈال دیا جاتا تاکہ وہ بنی اسرائیل کے گناہوں کو اُٹھائے۔ اسی عید کے دن کاہن اعظم سب سے مقدس مقام پر جا کر لوگوں کو دم کرتا اور وہ کلمہ ''یہوہ'' سے دم کرتا جس کا نطق ویسے تو حرام ہوتا لیکن اس دن کی مناسبت سے جائز ہو جاتا۔ ''یوم کپور'' یہودی مذہب مکمل چھٹی کا دن ہوتا ہے اور اس میں تمام وہ چیزیں ناجائز ہوتی ہیں جو دوسرے عیدوں اور یوم سبت کو ناجائز ہوتے ہیں۔ جیسے سیر و تفریح، آگ جلانا، قلم سے لکھنا، گاڑیوں میں سفر کرنا وغیرہ...... لیکن کچھ خاص کام بھی اس میں ممنوع ہوتے ہیں جیسے: کھانا پینا، غسل کرنا، جوتے پہن کر چلنا، جنسی خواہشات اور دوسرے تفریح کے کام۔ اس دن بجلی کے استعمال سے اجتناب کیا جاتا ہے اور موم بتیاں استعمال کی جاتی ہیں۔ اس دن اسرائیل میں سڑکیں ویران ہوتی ہیں اور ٹی وی اور ریڈیو نشریات بھی معطل رہتی ہیں۔ اسی طرح یوم سبت اور دوسرے عیدوں کے دن محنت کا کام کرنا منع ہوتا ہے۔ یہ فرصت عبادت و استغفار کے لیے ہوتی ہے۔ یوم کپور کے دن کو وہ یہودی بھی مناتے ہیں جو مذہب پسند نہیں ہیں اگرچہ وہ لوگ ان دنوں کے ممنوعات کا احترام نہیں کرتے۔ یومِ کپور کے دن روزہ نہ رکھنا ایک بڑی دلیل ہے کہ بے دین یہودیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا پھر یہ دلیل ہے دین کو سراسر چھوڑ دینے پر۔ حالیہ سالوں میں یومِ کپور عیسوی اعتبار سے درج ذیل تاریخوں میں ہفتے کے دن واقع ہوا ہے: 13/ اکتوبر 2005ء (9/ رمضان 1426ھ)، 2/ اکتوبر 2006ء (9 رمضان 1427ھ)، 22/ ستمبر 2007ء (10 رمضان 1428ھ)، 9/ اکتوبر 2008ء (9 شوال 1429ھ)، 28 ستمبر 2009ء (9 شوال 1430ھ)، 18/ ستمبر 2010ء (9 شوال 1431ھ)۔

عاشورہ اور یومِ کپور میں مناسبت: احادیث کے ذخیرہ میں ایک روایت ہے جس سے پتا

چلتا ہے کہ مسلمانوں کے یوم عاشورا یہود کے یوم کپور کے درمیان مناسبت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ ہمارے لیے بہترین دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی جس پر حضرت موسیٰ نے روزہ رکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ہم حضرت موسیٰ کے تم سے زیادہ حق دار ہیں۔'' پھر آپ نے اس دن کا خود بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

چونکہ اسلامی کلینڈر میں اور شمسی کلینڈر میں فرق ہے اسی لیے ہر تیس سال کے بعد یوم کپور اور 10 محرم ایک ہی دن پڑتے ہیں۔ ماضی میں یہ ان دنوں میں ایک ساتھ پڑا تھا۔

اسلامی تاریخ	عیسوی تاریخ	عبرانی تاریخ
10 محرم 1405	16 اکتوبر 1984	15 تشیریہ 5745
10 محرم 1406	25 ستمبر 1985	15 تشیریہ 5746

اگر حساب لگایا جائے تو دوبارہ 15 محرم اور یوم کپور ان دنوں میں آئندہ ایک ہی دن میں پڑیں گے۔

اسلامی تاریخ	عیسوی تاریخ	عبرانی تاریخ
15 محرم 1437	12 اکتوبر 2016	15 تشیریہ 5777
15 محرم 1438	30 ستمبر 2017	15 تشیریہ 5778
15 محرم 1439	19 ستمبر 2018	15 تشیریہ 5779

یہودی کثرت الوجود...... اس کا مطلب یہودی معاشرے میں ایسی کیفیت پیدا کرنا ہے کہ مختلف لسانی اور ثقافتی مفادات کے باوجود تمام یہودی یک جان ہو کر رہیں تا کہ اسرائیل مضبوط و مستحکم ہو سکے لیکن یہ مطلب اس لیے حاصل نہیں ہو پاتا کہ اختلاف و انتشار یہود کی فطرت میں رچا بسا ہوا ہے۔

کیسے راس ہے؟

اہلِ حرم کے حال پہ وہ محوِ یاس ہے
مدت ہوئی کہ مسجدِ اقصیٰ اُداس ہے
کس درجہ درد ناک حقیقت ہے دوستو
اسلام کا اثاثہ یہودی کے پاس ہے
اِک ظلم و جور و جبر و تشدد پسند ہے
انصاف کی اُمید، بعید از قیاس ہے
اس بے بسی پہ کیوں نہ تڑپ جائے ہائے ہائے
وہ شخص جس میں گلشنِ ایماں کی باس ہے
اہلِ جفا سے قبلۂ اول ہو واگزار
اہلِ وفا سے میری یہی التماس ہے
اطفال پھول جیسے تہ تیغ ہیں اثر
غفلت کی نیند سونا تجھے کیسے راس ہے؟

آثر جونپوری

نذرانہ لہو کا

غفلت سے نکل، دین کی دعوت کے لیے اُٹھ
اب گنبدِ صحرٰی کی حفاظت کے لیے اُٹھ

ظالم کے شکنجے سے چھڑا اہلِ وفا کو
مظلومِ زمانہ کی حمایت کے لیے اُٹھ

جو جسمِ عرب کے لیے ناسور بنا ہے
اُس خطۂ موذی کی جراحت کے لیے اُٹھ

مرکوز تری سمت ہیں اُمت کی نگاہیں
ایوبی کے فرزند قیادت کے لیے اُٹھ

آقا کی غلامی کا اگر پاس ہے تجھ کو
آقائے مدینہ کی نیابت کے لیے اُٹھ

دے ارضِ فلسطین کو نذرانہ لہو کا
صہیونی ریاست کی ملامت کے لیے اُٹھ

مقصود بنا اپنا سدا رب کی رضا کو
دولت کے لیے بیٹھ، نہ عزت کے لیے اُٹھ

القدس سے آتی ہے صدا مردِ مسلماں
اُٹھ! مسجدِ اقصیٰ کی حفاظت کے لیے اُٹھ

مومن ہے تو کر جان فدا راہِ خدا میں
مسلم ہے تو مینائے شہادت کے لیے اُٹھ

اثر جونپوری

اے ارضِ فلسطین

کافر کا وجود ارضِ مقدس کی ہے توہین
مدت سے تری پیٹھ پہ ہے ظلم کی تمرین
جب تک کہ نہ ہو زیرِ زمیں ظلم کی تدفین
ہوسکتی نہیں ہے دلِ مجروح کو تسکین
اے ارضِ فلسطین

تو ارضِ مقدس ہے کرامات کا مخزن
اعلیٰ ہے تری شان تو نبیوں کا ہے مسکن
تجھ سے ہی تروتازہ ہے ایمان کا گلشن
ہم لوگ کریں گے تری اب خون سے تزئین
اے ارضِ فسطین

مسلم کو مٹانے کا تقاضا لیے دل میں
جیتے ہیں فقط بُغض کا سودا لیے دل میں
صہیونی ریاست کی تمنا لیے دل میں
دنیا سے چلے جائیں گے بدمذہب و بددین
اے ارضِ فلسطین

گو امن کا دنیا میں تو بنتا ہے پرندہ
حالانکہ تری پیٹھ پہ ہے دستِ درندہ
تو اس کی فقط چشمِ عنایت سے زندہ

دنیا کو جو کرتا ہے فقط صبر کی تلقین
اے ارضِ فلسطین

مانا کہ تو مجبور ہے مقہور ہے فی الحال
چھن جاتے ہیں فرزند ترے سیکڑوں ہر سال
پر لائقِ صد رشک ہیں واللہ ترے لال
ہیں تیرے فدائی بھی عجب قابلِ تحسین
اے ارضِ فلسطین

پھونکوں سے دیا حق کا تو مدہم نہیں ہوتا
اس ظلم سے یہ ذوقِ جنوں کم نہیں ہوتا
ہاں پنجۂ کرگس میں کوئی دم نہیں ہوتا
آزاد کرائیں گے تجھے اب مرے شاہین
اے ارضِ فسطین

ہم وقت کی آواز کا ادراک کریں گے
گو دست و گریبان کو بھی چاک کریں گے
صہیونی غلاظت سے زمیں پاک کریں گے
جذبہ یہ حقیقت بنے کہہ دو ذرا آمین!
اے ارضِ فلسطین

حاصل تمنائی

ارضِ مقدس پہ بار

وہ گلشن زمین پہ مانندِ خار ہے
اس کا وجود ارضِ مقدس پہ بار ہے
انصاف کے تقاضے وہ پورے کرے تو کیوں؟
سر پر جو اس کے نشۂ طاقت سوار ہے
دراصل وہ ہے قہرِ سماوی کا منتظر
اس کو خدائی فیصلے کا انتظار ہے
پھر زیرِ پائے جبر ہیں مظلوم کے حقوق
پھر پیرہن جو عدل کا تھا، تار تار ہے
چیلے کو اپنی جان کا خطرہ ہو کس لیے
اس کی ادا ادا پہ گرو خود نثار ہے
آخر وہ کیسے روک دے تعمیر باڑھ کی
مدت سے جس کا ظلم و ستم ہی شعار ہے
ایٹم کی روک تھام میں آقا ہوئے نحیف
لیکن غلام کا تو یہی کاروبار ہے
باغِ حرم کے رشکِ گلستان کے قریب
مکروہ شکل والا وہ زہریلا مار ہے
صدیوں سے ہے سرشت میں اس کی منافقت

صدیوں سے وہ ذلیل ہے رسوا ہے خوار ہے
مظلوم ہے وہ قبلۂ اوّل کچھ اس قدر
جیسے کسی غریب کا اُجڑا دیار ہے
دیکھے تو کوئی گنبدِ صخرہ کو غور سے
دل خود پکار اُٹھے گا وہ اشکبار ہے
ناپاک کے وجود سے ہو پاک میری گود
القدس کی یہی تو مسلسل پکار ہے
دَر دور کچھ نہیں ہے شہنشاہِ دہر کا
حائل جو درمیان میں ہے کوئے دَار ہے
کافر کا کوئی یار و مددگار بھی نہیں
اور ساتھ مؤمنین کے پروردگار ہے
حاصلؔ تمنائی

مؤمن ہے تو پھر مسجدِ اقصیٰ کی خبر لے

ایمان کا تو نام بصد چشم و بصر لے
لیکن کبھی مؤمن سا کوئی کام بھی کر لے

ہو اب بھی حوالے ترے القدس کی کنجی
گر ہیبتِ فاروق بٹھا، فقرِ عمر لے

اے چشمِ وفا بیتِ مقدس کی طرف دیکھ
ایوبی خوش بخت کا بھی ذوقِ نظر لے

دنیا میں نہ ہو کفر کی شوکت کا کہیں نام
تو صاحبِ ایمان اگر تیغ و تبر لے

دیتا ہے صدا تجھ کو سدا قبلۂ اوّل
تو اس کی صداؤں پہ ذرا کان تو دھر لے

ڈرتے ہیں بہت موت سے صیہونی بزدل
پھر دیکھ مزہ، ساتھ ذرا زادِ سفر لے

قطرہ جو گرا خوں کا، اُدھر ہوگئی بخشش
بس جان دے اور نقد ہی جنت کا ثمر لے

ہر آن بلاتا ہے تجھے گنبدِ صخرہ
اُٹھ باندھ کمر، مردِ مجاہد کا جگر لے

مسلم ہے تو اسلام پہ جاں اپنی فدا کر
مؤمن ہے تو پھر مسجدِ اقصیٰ کی خبر لے

تو بھی تو کبھی زخمِ برادر پہ تڑپ اُٹھ
تو بھی تو کبھی دردِ مسلماں کا اثر لے

حاصلؔ کہ تمنائی شہادت کا ہے یوں بھی
کیوں نامِ خدا آج نہ بے خوف و خطر لے؟

حاصلؔ تمنائی

کتابیات

یہودیت، یہودی تنظیموں، عالمی یہودی سازشوں اور ان کے مقابلے کے طریقِ کار سے واقفیت کے لیے چند مفید کتب:

اردو کتب:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام	ناشر
1	اسرائیل کی دیدہ ودانستہ فریب کاریاں	پال فنڈلے (مترجم: سعید رومی)	صفہ پبلشرز، 19-اے، ایبٹ روڈ، لاہور
2	القدس، پسِ منظر اور صہیونی عزائم	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ادارۂ معارف اسلامی کراچی
3	اُمت مسلمہ کی عمر	امین محمد جمال الدین (مترجم: خورشید عالم)	مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور
4	امریکا میں یہودی تنظیمیں	لی اوبرائن (مترجم: نذیر حق)	ادارۂ معارف اسلامی، منصورہ لاہور
5	تالمود بےنقاب ہوتی ہے	آئی، بی پرینٹس (مترجم: رضی الدین سید	نیشنل اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ
6	تسخیرِ عالم کا یہودی منصوبہ (پروٹوکولز)	یہودی منصوبہ ساز (مترجم: ابوالحسن، مصباح الاسلام فاروقی)	
7	دجال، نئے عالمی نظام کا سربراہ اعظم	رضی الدین سید	
8	دجال	اسرار عالم	دارالعلم، نئی دہلی

9	عالمِ اسلام کی صورتِ حال	اسرار عالم	ادارۂ معارف اسلامی، کراچی
10	عالمِ اسلام کی سیاسی صورتِ حال	اسرار عالم	دار العلم، نئی دہلی
11	عالمِ اسلام کی اقتصادی صورتِ حال	اسرار عالم	دار العلم، نئی دہلی
12	فری میسنز کی اپنی مذہب رسوم	مترجم: عبدالرشید ارشد	تھنکرز فورم، الریاض، السعودیہ
13	فلسطین: سچے اور جھوٹے وعدے کی کشمکش	شیخ سفر عبدالرحمٰن الحوالی	انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ، گلشن اقبال، کراچی
14	قومیں جو دھوکا دیتی ہیں	رون ڈیوڈ (مترجم: رضی الدین سید)	انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ، گلشن اقبال، کراچی
15	ما کان وما یکون	اسرار عالم	دار العلم، نئی دہلی
16	معرکۂ دجال اکبر	اسرار عالم	دار العلم، نئی دہلی
17	ہرمجدون، ایک ہولناک بین الاقوامی جنگ	محمد جمال الدین (مترجم: خورشید عالم)	صفہ پبلشرز، لاہور
18	ہمفرے کے اعترافات	برطانوی جاسوس مسٹر ہمفرے کی یادداشتوں کا مجموعہ	صفہ پبلشرز، لاہور
19	یوم الغضب	ڈاکٹر سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی (مترجم: رضی الدین سید)	انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ، گلشن اقبال، کراچی
20	یہودیت قرآن کی روشنی میں	سید ابوالاعلیٰ مودودی	ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
21	یہودیت	یوسف ظفر	احمد پبلیکیشنز، لاہور

عربی کتب:

1	الإرهاب و العنف فی الفکر الصهیونی	إسماعيل أحمد ياغي	مكتبة العبيكان، الرياض
2	الحسام الممدود فی الرد علی الیهود	عبدالحق الإسلامی المغربی	دارالبشائر الإسلامية، بیروت
3	النفوذ الیهودی	فؤاد بن سید عبدالرحمن الرفاعي	المجلس الوطنی للثقافات لفنون والآداب، الکویت
4	الیهود فی البلدان الإسلامیة	مترجم: جمال الرفاعی	//
5	خفایا التوراة	کمال سلیمان الصلیبی	دارالساقی، بیروت
6	معرکتنا مع الیهود	سید قطب	دارالشروق، القاهرة

انگریزی کتب:

1	The Complete Working of Craft Freemasonry	Unknown	Private Printed For A. Lewis, London
2	Freemasonry, A Journey through Ritual And Symbol	W. Kirk MacNulty	Thames And Hudson, London
3	The International Jew (The World's Foremost Problem)	Henry Ford	Umma Publishing
4	The Religion Of Abraham and The State OF Israel	Imran N. Hussain	Masjid Dar-ul-Quran New York
5	The Six Million Reconsidered	By the committee for truth in History	Historical Review Press. UK
6	PAWNS In the Gume		William Guy Carr

مصنف کی دیگر کتب

تحقیقات و تالیفات	کالم اور مضامین	زیر طبع
شرح عقود رسم المفتی	بولتے نقشے	فہم الحدیث (تلخیص و تسہیل) معارف الحدیث
آداب فتویٰ نویسی	حرمین کی پکار	آپ ہدایہ کیسے پڑھیں؟
تسہیل السراجی	اقصیٰ کے آنسو	کتاب الجغرافیہ
الاملاء والترقیم	ہسپانیہ سے امریکا تک	جغرافیہ قرآنی
تحریر کیسے سیکھیں؟	عالمی یہودی تنظیمیں	چاند کے تعاقب میں
رہنمائے خطابت	عظمتوں کی کہانی	عالمی دجالی ریاست
اسلام اور تربیت اولاد (تلخیص و تسہیل)	امت مسلمہ کے نام	اسرائیل کی کہانی
خواتین کا دینی معلم	سرچنگ پوائنٹ	
دجال: کون، کب، کہاں؟	بسنت کیا ہے؟	
فارسی کا آسان قاعدہ	عالم اسلام پر امریکی یلغار کیوں؟ (ترجمہ و تعارف)	
گناہ معاف کرانے والی نیکیاں		

السعید
0313-9264214
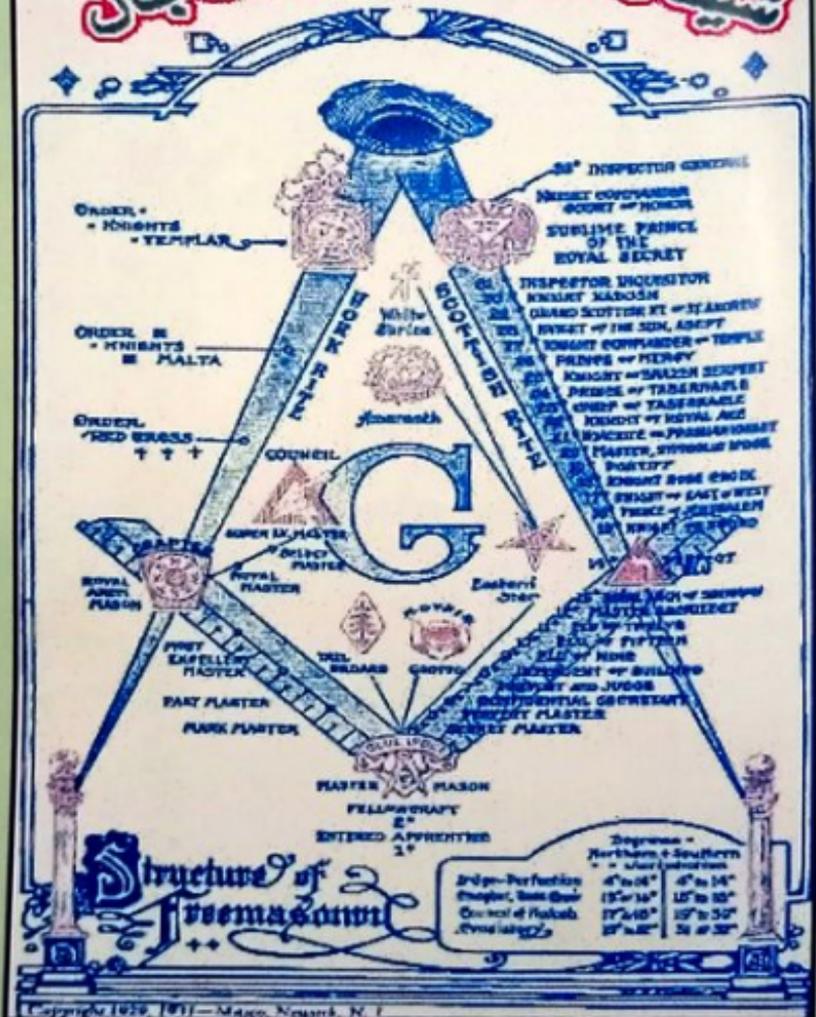
فری میسنری کا تنظیمی ڈھانچہ۔ یہ بات واضح رہے کہ شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے تشکیل دیے گئے اس خفیہ سسٹم کا رعب محض ان لوگوں پر چلتا ہے جو ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات سے محروم ہوں۔ ان اوصاف سے متصف قوم کے سامنے یہ سارے خفیہ کھیل مکڑی کے جال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔
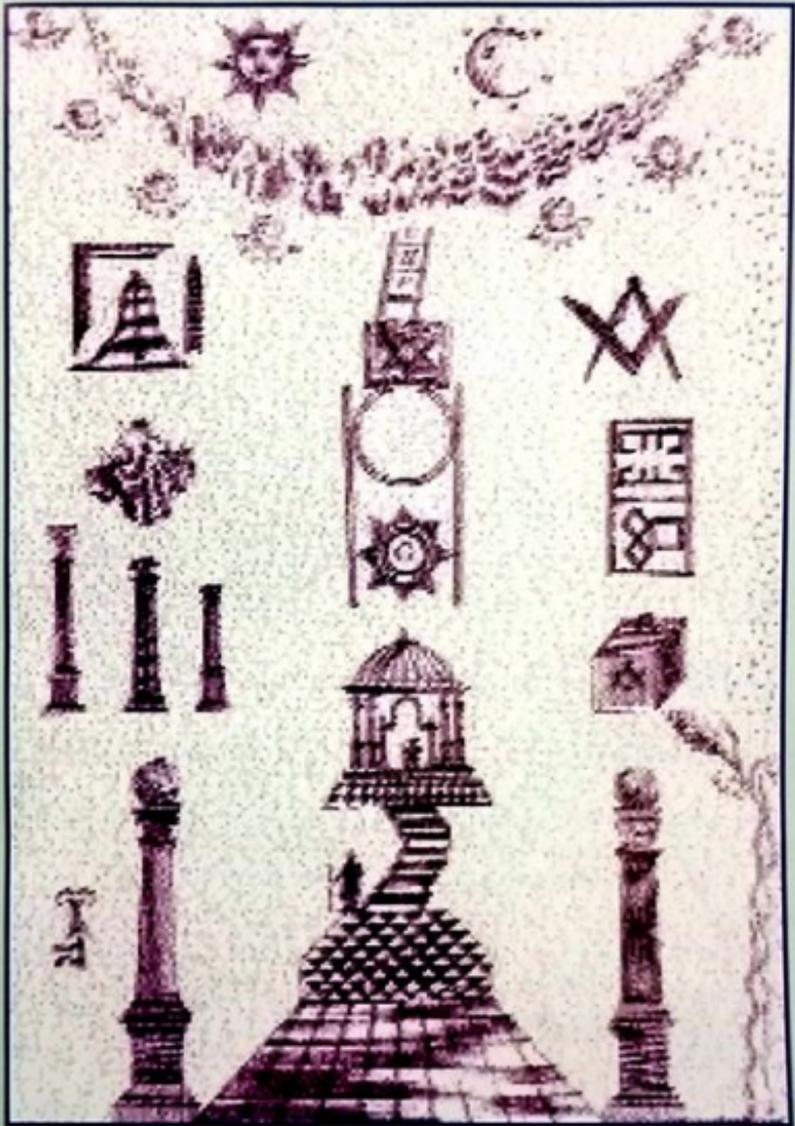
فری میسن کے پُراسرار اور مبہم نشانات جن میں سے کچھ کی تفصیل کتاب میں دی گئی ہے۔
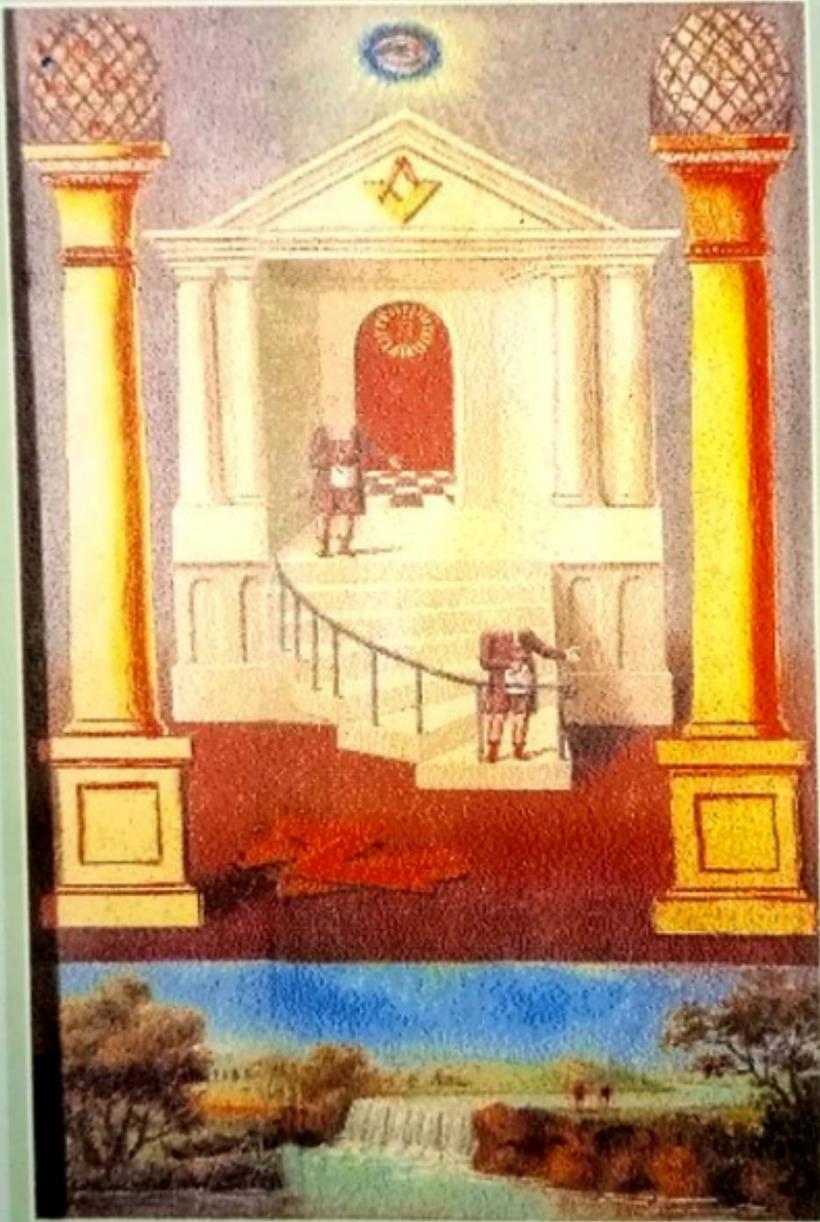
فری میسن لاج کی تصویر۔ سات سیڑھیوں کے بعد مرکزی دروازہ نظر آ رہا ہے جس کے اوپر فری میسن کی مخصوص علامتیں گنیا اور پرکار اور اندر فرش پر شطرنج کی بساط کی طرح کا فرش دکھائی دے رہا ہے۔
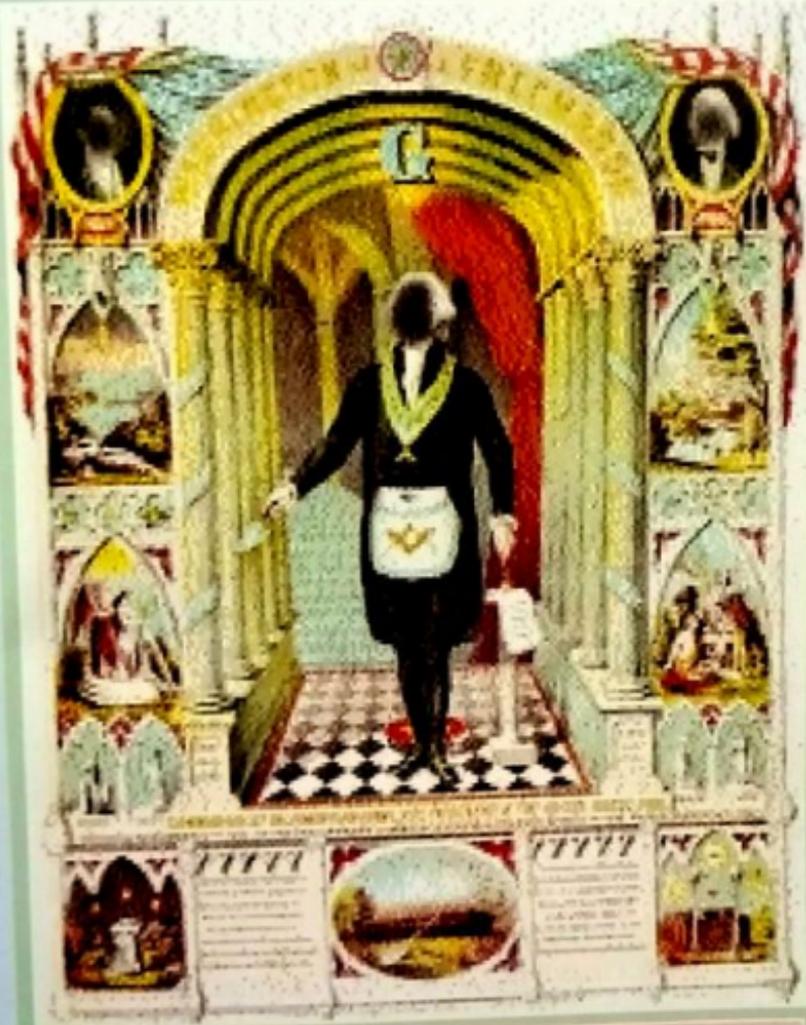
فری میسن لاجوں میں نئے رنگروٹ بھرتی کیے جانے کے موقع پر ادا کی جانے والی رسومات کی ایک جھلک۔ ان رسومات کی تفصیل کتاب میں دی جا چکی ہے۔

فری میسن ہال کا کمرہ اجلاس، ساتھ میں ملحقہ چیمبر بھی نظر آ رہا ہے۔ جیومیٹری کی مختلف اشکال کے ذریعے فری میسن کے مخصوص فلسفے کو ظاہر کیا گیا ہے۔

There is no question that contemporary Islam is in a volatile state, engaged in an internal and external struggle over its values, its identity, and its place in the world. Rival versions are contending for spiritual and political dominance. This conflict has serious costs and economic, social, political, and security implications for the rest of the world. Consequently, the West is making an increased effort to come to terms with, to understand, and to influence the outcome of this struggle. Clearly, the United States, the modern industrialized world, and indeed the international community as a whole would prefer an Islamic world that is compatible with the rest of the system: democratic, economically viable, politically stable, socially progressive, and follows the rules and norms of international conduct. They also want to prevent a "clash of civilizations"

CrisisWatch

فری میسن کی ایک ذیلی تنظیم کا لوگو

in fact, may strengthen it.

Whichever approach or mix of approaches is chosen, we recommend that it be done with careful deliberation, in knowledge of the symbolic weight of certain issues; the meaning likely to be assigned to the alignment of U.S. policymakers with particular positions on these issues; the consequences of these alignments for other Islamic actors, including the risk of endangering or discrediting the very groups and people we are seeking to help; and the opportunity costs and possible unintended consequences of affiliations and postures that may seem appropriate in the short term

فری میسن کی ایک ذیلی تنظیم کی تیار کردہ رپورٹ جس میں مسلم معاشروں میں یہودی منصوبوں کی تنفیذ کا طریق کار بتایا گیا ہے۔

تعمیر نو کے عمل سے کالعدم جہادی گروپوں کو باہر کیا جائے، کرائسس گروپ

[illegible]

کراچی (نیوز ڈیسک) شمالی علاقہ جات [illegible] کے لئے [illegible] پاکستانی فوجی حکومت کیلئے [illegible] خطرات [illegible] زلزلے کے بعد تعمیر نو کی کوششوں

میں سویلین اداروں کی شراکت کو محدود کیا اور کالعدم جہادی گروپوں کو [illegible] کی اجازت دی۔ انٹرنیشنل کرائسس گروپ کی ایک رپورٹ زلزلے کا سیاسی اثر کے مطابق صدر پرویز کی حکومت نے سویلین اداروں کو زلزلہ زدہ علاقوں سے دور رکھا جاتا ہے اور اسلامی تنظیموں بلکہ کالعدم تنظیموں کی امدادی سرگرمیوں کی حمایت کر رہی ہے جو [illegible] کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔ کرائسس گروپ ایشیا پروگرام کے ڈائریکٹر رابرٹ ٹمپلر نے کہا کہ صدر پرویز [illegible] ڈالا جائے تاکہ وہ کالعدم جہادی گروپوں سے اپنے تعلقات ختم کر دیں اور انھیں زلزلے کے امدادی کاموں اور تعمیر نو کے عمل سے باہر کر دیں اور اعتدال پسند پاکستانیوں کی آواز کو طاقتور بنائیں۔

جہاد اور مجاہدین کے خلاف ہرزہ سرائی فری میسنری کی ذیلی تنظیموں کا مرکزی ہدف ہے۔ کتاب میں "انٹرنیشنل کرائسز گروپ کے کارنامے" کے نام سے موجود مضمون کی لفظ بہ لفظ تصدیق یہ خبر کر رہی ہے۔

صدر بش اپنے ملک امریکا کی تمام تر توانائیاں اسرائیل کے تحفظ و ترقی کے لیے جھونک دینے کے بعد اس کے لیے بقلم خود دعا گو ہیں۔

فری میسن کی خفیہ علامات پر مشتمل ایک طغرہ۔ ان علامات میں سے اکثر کو بلاوجہ کا رعب جمانے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

فری میسن تنظیم کا مخصوص نشان: پرکار اور گُنیا۔ حرف "G" سے یہود کی مراد کائنات کا "گرینڈ آرکیٹیکٹ" یعنی دجال اعظم ہوتا ہے۔

اسرائیل کا رش کے دورے سے قبل مزید یہودی بستیاں تعمیر کرنے کا منصوبہ

اسرائیل نے بیت المقدس میں 2 مساجد شہید کر دیں

اسرائیل عالمی دجالی ریاست کا پایۂ تخت ہے۔ اس کے قیام کے بعد اس کے استحکام کے لیے فلسطین کی مساجد کو شہید اور فلسطینی مسلمانوں کے گھر منہدم کر کے وہاں یہودی بستیاں بسائی جا رہی ہیں۔

زمین حیران ہے ساکت آسماں ہے فضاؤں سے بھی تاریکی عیاں ہے
تأسف کا تحیّر کا سماں ہے سراپا مسجدِ اقصیٰ فغاں ہے
صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟

لندن میں واقع فری میسن کا گرینڈ لاج جو دیگر تمام لاجوں کو کنٹرول کرتا ہے۔
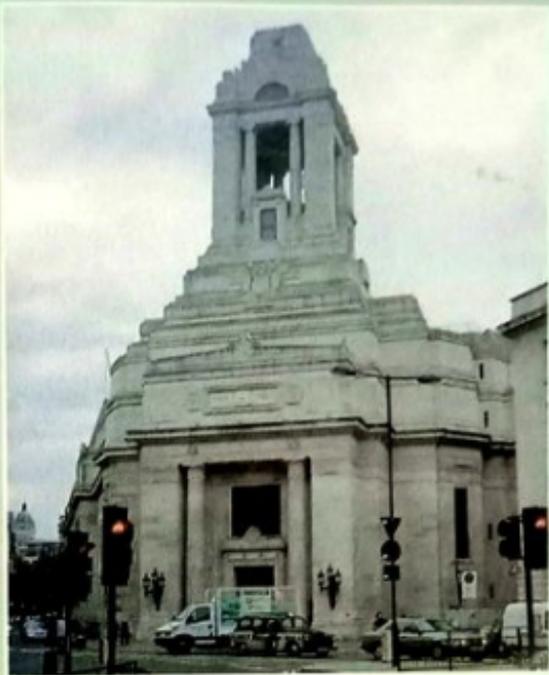
ایک فری میسن لاج کی پُراسرار عمارت۔اس طرح کی عمارتوں کا خفیہ جال دجال کے پیروکاروں نے پوری دنیا میں پھیلا رکھا ہے۔

پشاور: مسجد درویش اور جامعہ امداد العلوم جہاں پہلے فری میسن ٹمپل اور لاج تھا مگر چند اللہ والوں کی فکر اور کوشش سے مسجد اور مدرسہ بن گیا اور آج یہاں پاکستان دشمن خفیہ سرگرمیوں کی بجائے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

رنچھوڑ لائن کراچی میں سابق اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کی سابقہ رہائش گاہ۔ نیتن یاہو قیام اسرائیل کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ اسرائیل چلے گئے تھے۔

اس نقشے میں پوپ کے انتخاب کا مربوط اور منظم نظام دکھایا گیا ہے۔ عالمی مذہبی پیشوا کے انتخاب کے اس خفیہ نظام کے ہوتے ہوئے مغرب خود کو آزاد خیال سمجھتا ہے جبکہ مسلمان کسی مرکزی، دینی یا سیاسی قیادت سے یکسر محروم ہیں پھر بھی انہیں بنیاد پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ لیکن مغرب کے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ ان کے اس مربوط صلیبی نظام میں یہودی آلہ کار داخل ہو چکے ہیں اور وہ ویٹی کن سٹی میں بھی اپنی مرضی کے فیصلے کروا لیتے ہیں۔

دنیا کی آبادی کم کرنے کا خوفناک یہودی منصوبہ

وسائل پر تسلط کی جنگ، مظلوم قوموں کے ردعمل سے بچنے کے لیے نسل کشی کی صہیونی مہم
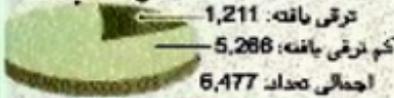
15 سال سے کم عمر
1,878 ملین
65 سال اور اس سے زیادہ
453 ملین

رہنے والوں کی عمریں (ملین میں)

علاقے میں مجموعی طور پر	15 سال	65 سال
یورپ: 730	117	
شمالی امریکا: 329	69	
ایشیا: 3,921	1137	235
لاطینی امریکا: 559	34	168
افریقہ: 906	380	27
بحر اوقیانوس: 33	8	3

نوجوانوں کے بارے میں اعداد و شمار

خاندانی منصوبہ بندی: اس سے تیسری دنیا کی آبادی کم کرنے اس پر قبضہ جمانے میں سہولت ہوگی۔

غربت: دنیا کے ایک چوتھائی نوجوان جن کی تعداد 238 ملین ہے ظلم و ستم کے ردعمل میں کنگرے ہو سکتے ہیں

شادی: 82 ملین عورتیں جن کی عمر 10 سے 17 سال کے درمیان ہوتی ہیں 18 سال سے پہلے شادی کر لیتی ہیں

ناخواندگی: تیسری دنیا کے 57 ملین نوجوان لڑکے اور 96 ملین عورتیں ناخواندہ ہیں

افزائش نسل: دنیا کی آدھی آبادی 25 سال سے کم عمر ہے۔ تقریباً 3 ملین افراد عنقریب افزائش نسل کے قابل ہو جائیں گے

دنیا کے وسائل چند طاقتوں نے قبضہ میں لے رکھے ہیں اور وہ پسماندہ اقوام کی نئی نسل کو وسائل نہ ہونے کا جھانسہ دے کر پیدا ہونے سے پہلے ذبح کر رہے ہیں۔ اس خوفناک مہم کو بڑے خوبصورت الفاظ میں کیموفلاج کیا جاتا ہے اور یہ ساری مہم فری میسن تنظیم میں قلیل استعداد یہودیوں کو کثیر التعداد مخالفین سے بچانے کے لیے چلا رہی ہے۔

ذوق وشوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنہ ہے بزمِ کائنات، تازہ ہیں میرے واردات!
کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات!
ذکرِ عرب کے سوز میں، فکرِ عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات!
قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات!
صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق!
معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق!

مسائل کے گرداب میں اُلجھی اُمت مسلمہ کے خلاف یہود کی خفیہ پیش قدمی دبے پاؤں جاری ہے۔ حال ہی میں مسجد اقصیٰ کے بوسیدہ ترین حصے میں مغربی دیوار کے ساتھ کھدائی کا کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس سے اس مقدس تاریخی عمارت کو شدید خطرات لاحق ہو جائیں گے بلکہ خدانخواستہ اس کے بڑے حصے کے انہدام کا خطرہ پیدا ہو جائے گا جو یہود کا اصل مقصد اور فری میسن کا مرکزی ہدف ہے۔ افسوس ہے کہ پوری دنیا کے نصف صد سے زائد حکمرانوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو اس ظلم عظیم کے خلاف کسی پلیٹ فارم سے آواز اُٹھائے۔ فلسطینی مسلمان انتہائی نامساعد حالات میں تن تنہا ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔

ایک اسرائیلی بلڈوزر فلسطینی گھروں کے بے دردی سے مسمار کر رہا ہے۔ مغرب کا الزام ہے کہ مسلمانوں کو (نعوذ باللہ) قرآن کریم نے دہشت گردی سکھائی۔ کیا وہ یہ بتانے کی زحمت کرے گا کہ تصویر میں نظر آنے والی دہشت گردی اس نے کہاں سے سیکھی؟

فلسطینی بچے اپنے گھروں کو مسمار ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ یہ بچے بڑے ہو کر اگر اس کا انتقام لیں تو کوئی بتائے کہ اس میں ان کا کیا قصور ہے؟

عرب نوجوان ٹینک کا جواب پتھر اور سمارٹ بموں کا جواب دیسی ساختہ راکٹوں سے دیتے ہوئے۔ اپنوں کی بے حسی اور غیروں کی درندگی کے باوجود یہ عزم و ہمت قابل دید بھی ہے اور لائق داد بھی۔

ایک طرف دشمنانِ ملت، اسلامی ممالک کو ٹکڑوں میں بانٹ کر ان کی رہی سہی طاقت ہی ختم کرنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف اہلِ اسلام کی بیداری، ہوش مندی اور اتفاق و اتحاد نہ ہونے کے برابر ہے۔ عالمِ اسلام کے رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ دشمنوں کے عزائم سمجھ کر کوئی ایسا لائحہ عمل طے کریں جو ان ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا دے۔

عرب ممالک کے خلاف اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم

یہودی بستیاں دراصل گریٹر اسرائیل کی طرف جانے والی سیڑھیاں ہیں

ترکی
موصل
ایران
شام
حمص
بغداد
عراق
کربلا
دمشق
بحر متوسط
کویت
اردن
قاہرہ
طور سینا
تبوک
450
مدائن صالح
خیبر
ریاض
مدینہ منورہ
سعودی عرب
بحر احمر
مکہ مکرمہ
دریائے نیل
سوڈان
اریٹیریا
صنعاء
حضرموت
حدیدہ
مخا
خلیج عدن
حبشہ

ارض مقدس کی وراثت کی شرائط

ہی رہیگا بشرطیکہ تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو جو میں تجھ کو آج کے دن دیتا ہوں سننے اور احتیاط سے اُن پر عمل کرے۔ ۱۴ اور جن باتوں کا میں آج کے دن تجھ کو حکم دیتا ہوں اُن میں سے کسی سے دہنے یا بائیں ہاتھ مڑ کر اَور معبودوں کی پیروی اور عبادت نہ کرے۔

۱۵ لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سنکر اُسکے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہونگی اور تجھ کو لگینگی۔ ۱۶ شہر میں بھی تو لعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی لعنتی ہوگا۔ ۱۷ تیرا ٹوکرا اور تیری کٹھوتی دونوں لعنتی ٹھہرینگے۔ ۱۸ تیری اولاد اور تیری زمین کی پیداوار اور تیرے گائے بیل کی بڑھتی اور تیری بھیڑبکریوں کے بچے لعنتی ہونگے۔ ۱۹ تو اندر آتے لعنتی ٹھہریگا اور باہر جاتے بھی لعنتی ٹھہریگا۔ ۲۰ خداوند اُن سب کاموں میں جنکو تو ہاتھ لگائے لعنت اور اضطراب اور پھٹکار کو تجھ پر نازل کریگا جب تک کہ تو ہلاک ہو کر جلد نیست و نابود نہ ہو جائے۔ یہ تیری اُن بداعمالیوں کے سبب سے ہوگا جنکو کرنے کی وجہ سے تو مجھ کو چھوڑ دیگا۔ ۲۱ خداوند ایسا کریگا کہ وبا تجھ سے لپٹی رہیگی جب تک کہ وہ تجھ کو اُس ملک سے جس پر قبضہ کرنے کو تو وہاں جا رہا ہے فنا نہ کر دے۔ ۲۲ خداوند تجھ کو تپ دق اور بخار اور سوزش اور شدید حرارت اور تلوار اور باد سموم اور گیروئی سے ماریگا اور یہ تیرے پیچھے پڑے رہینگے جب تک کہ تو فنا نہ ہو جائے۔ ۲۳ اور آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائیگی۔ ۲۴ خداوند مینہ کے بدلے تیری زمین پر خاک اور دھول برسائیگا۔ یہ آسمان سے تجھ ہی پر پڑتی ہی رہیگی جب تک کہ تو ہلاک نہ ہو جائے۔ ۲۵ خداوند تجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائیگا۔ تو اُنکے مقابلہ کے لئے تو ایک ہی راستہ سے جائیگا پر اُنکے سامنے سے سات سات راستوں سے ہو کر بھاگیگا اور دنیا کی تمام سلطنتوں میں تو مارا مارا پھریگا۔ ۲۶ اور تیری لاش ہوا کے پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک ہوگی اور کوئی اُنکو ہنکا کر بھگانے کو بھی نہ ہوگا۔ ۲۷ خداوند تجھ کو مصر کے پھوڑوں اور بواسیر اور کھجلی اور خارش میں ایسا مبتلا کریگا کہ تو کبھی اچھا بھی نہیں ہونے کا۔ ۲۸ خداوند تجھ کو جنون اور نابینائی اور دل کی گھبراہٹ میں بھی مبتلا کریگا۔ ۲۹ اور جیسے اندھا اندھیرے میں ٹٹولتا ہے ویسے ہی تو دوپہر دن کو ٹٹولتا پھریگا اور تو اپنے سب دھندوں میں ناکام رہیگا اور تجھ پر ہمیشہ ظلم ہی ہوگا اور تو لٹتا ہی رہیگا اور کوئی نہ ہوگا جو تجھ کو بچائے۔ ۳۰ عورت سے منگنی تو تو کریگا لیکن دوسرا اُس سے مباشرت کریگا۔ تو گھر بنائیگا پر اُس میں بسنے نہ پائیگا۔ تو تاکستان لگائیگا پر اُسکا پھل استعمال نہ کریگا۔ ۳۱ تیرا بیل تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائیگا پر تو اُسکا گوشت کھانے نہ پائیگا۔ تیرا گدھا تجھ سے جبراً چھین لیا جائیگا اور تجھ کو پھر نہ ملیگا۔ تیری بھیڑیں تیرے دشمنوں کے ہاتھ لگینگی اور کوئی نہ ہوگا جو تجھ کو بچائے۔ ۳۲ تیرے بیٹے اور بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائینگی اور تیری آنکھیں دیکھینگی اور سارے دن اُنکے لئے ترستے ترستے رہ جائینگی اور تیرا کچھ بس نہیں چلیگا۔ ۳۳ تیری زمین کی پیداوار اور تیری ساری کمائی کو ایک ایسی قوم کھائیگی جس سے تو واقف نہیں اور تو ہمیشہ مظلوم اور دبا ہی رہیگا۔ ۳۴ یہاں تک کہ اِن باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر دیوانہ ہو جائیگا۔ ۳۵ خداوند تیرے گھٹنوں اور ٹانگوں میں ایسے بُرے پھوڑے پیدا کریگا کہ اُن سے تو پاؤں کے تلوے سے لیکر سر کی چاندی تک شفا نہ پا سکیگا۔ ۳۶ خداوند تجھ کو اور تیرے بادشاہ کو جسے تو اپنے اوپر مقرر کریگا ایک ایسی قوم کے بیچ لے جائیگا جسے تو اور تیرے باپ دادا جانتے بھی نہیں اور وہاں تو اَور معبودوں کی جو محض لکڑی اور پتھر ہیں عبادت کریگا۔ ۳۷ اور اُن سب قوموں میں جنمیں خداوند تجھ کو پہنچائیگا تو باعث حیرت اور ضرب المثل اور انگشت نما بنیگا۔ ۳۸ تو کھیت میں بہت سا بیج لے جائیگا لیکن تھوڑا سا جمع کریگا کیونکہ ٹڈی اُسے چاٹ لیگی۔ ۳۹ تو تاکستان لگائیگا اور اُن پر محنت کریگا لیکن نہ تو مے پینے اور نہ انگور جمع کرنے پائیگا کیونکہ اُنکو کیڑے کھا جائینگے۔ ۴۰ تیری سب حدود میں زیتون کے درخت لگے ہونگے پر تو اُنکا تیل نہیں لگانے پائیگا کیونکہ تیرے زیتون کے دانے

تورات کی ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین شام یہودیوں کو ایک معاہدے کے تحت مشروط طور پر دی گئی تھی اور چونکہ انہوں نے بار بار کی تنبیہ کے بعد ان شرائط کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اس لیے اب وہ اس کی وراثت سے محروم کر دیے گئے ہیں۔

دو جڑواں حوالے

ارضِ فلسطین پر یہودیوں کا حق باقی نہیں رہا

۵۸ اگر تُو اِس شریعت کی اُن سب باتوں پر جو اِس کتاب میں لکھی ہیں احتیاط رکھ کر اِس طرح عمل نہ کرے کہ تجھ کو خداوند اپنے خدا کے جلالی اور مُہیب نام کا خوف ہو۔ ۵۹ تو خداوند تجھ پر عجیب آفتیں نازل کریگا اور تیری اولاد کی آفتوں کو بڑھا کر بڑی اور دیرپا آفتیں اور سخت اور دیرپا بیماریاں کر دیگا۔ ۶۰ اور مصر کے سب روگ جن سے تُو ڈرتا تھا تجھ کو لگا دیگا اور وہ تجھ کو لگے رہینگے۔ ۶۱ اور اُن سب بیماریوں اور آفتوں کو بھی جو اِس شریعت کی کتاب میں مذکور نہیں ہیں خداوند تجھ کو لگا دیگا جب تک تیرا ناس نہ ہو جائے۔ ۶۲ اور چونکہ تُو خداوند اپنے خدا کی بات نہیں سُنیگا اِسلئے کہاں تو تم کثرت میں آسمان کے تاروں کی مانند ہو اور کہاں شمار میں تھوڑے ہی سے رہ جاؤ گے۔ ۶۳ تب یہ ہوگا کہ جیسے تمہارے ساتھ بھلائی کرنے اور تم کو بڑھانے سے خداوند خوشنود ہوا ایسے ہی تم کو فنا کرانے اور ہلاک کر ڈالنے سے خداوند خوشنود ہوگا اور تم اُس ملک سے اکھاڑ دئے جاؤ گے جہاں تُو اُس پر قبضہ کرنے کو جا رہا ہے۔ ۶۴ اور خداوند تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کریگا۔ وہاں تُو لکڑی اور پتھر کے اور معبودوں کی جنکو تُو یا تیرے باپ دادا جانتے بھی نہیں پرستش کریگا۔ ۶۵ اُن قوموں کے بیچ تجھ کو چین نصیب نہ ہوگا اور نہ تیرے پاؤں کے تلوے کو آرام ملیگا بلکہ خداوند تجھ کو وہاں دل لرزان اور آنکھوں کی دھندلاہٹ اور جی کی کُڑھن دیگا۔ ۶۶ اور تیری جان دُبدھے میں لٹکی رہیگی اور تُو رات دن ڈرتا رہیگا اور تیری زندگی کا کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ ۶۷ اور تُو اپنے دل کے خوف کے اور اُن نظاروں کے سبب سے جنکو تُو اپنی آنکھوں سے دیکھیگا صبح کو کہیگا کہ کاش کہ شام ہوتی اور شام کو کہیگا اے کاش کہ صبح ہوتی۔

(تورات: استثناء باب 28 آیت 58 تا 67)

ہیکل سلیمانی سے یہودی ہمیشہ کے لئے محروم

باب ۹

اور ایسا ہوا کہ جب سلیمان خداوند کا گھر اور شاہی محل بنا چکا اور جو کچھ سلیمان کرنا چاہتا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ ۲ تو خداوند سلیمان کو دوسری بار دکھائی دیا جیسے وہ جبعون میں دکھائی دیا تھا۔ ۳ اور خداوند نے اُس سے کہا میں نے تیری دعا اور مناجات جو تُو نے میرے حضور کی ہے سُن لی اور اِس گھر میں جسے تُو نے بنایا ہے اپنا نام ہمیشہ تک رکھنے کے لئے میں نے اُسے مقدس کیا اور میری آنکھیں اور میرا دل سدا وہاں لگے رہینگے۔ ۴ اب رہا تُو۔ سو اگر تُو جیسے تیرا باپ داؤد چلا ویسے ہی میرے حضور خلوصِ دل اور راستی سے چلکر اُس سب کے مطابق جو میں نے تجھے فرمایا عمل کرے اور میرے آئین اور احکام کو مانے۔ ۵ تو میں تیری سلطنت کا تخت اسرائیل کے اوپر ہمیشہ قائم رکھونگا جیسا میں نے تیرے باپ داؤد سے وعدہ کیا اور کہا کہ تیری نسل میں اسرائیل کے تخت پر بیٹھنے کے لئے آدمی کی کمی نہ ہوگی۔ ۶ لیکن تم ہو یا تمہاری اولاد اگر تم میری پیروی سے برگشتہ ہو جاؤ اور میرے احکام اور آئین کو جو میں نے تمہارے آگے رکھے ہیں نہ مانو بلکہ جا کر اور معبودوں کی عبادت کرنے اور اُنکو سجدہ کرنے لگو ۷ تو میں اسرائیل کو اُس ملک سے جو میں نے اُنکو دیا ہے کاٹ ڈالونگا اور اِس گھر کو جسے میں نے اپنے نام کے لئے مقدس کیا ہے اپنی نظر سے دور کردونگا اور اسرائیل سب قوموں میں ضرب المثل اور انگشت نما ہوگا۔ ۸ اور اگرچہ یہ گھر ایسا ممتاز ہے تو بھی ہر ایک جو اِسکے پاس سے گذریگا حیران ہوگا اور سسکاریگا اور وہ کہینگے کہ خداوند نے اِس ملک اور اِس گھر سے ایسا کیوں کیا؟ ۹ تب وہ جواب دینگے اِسلئے کہ اُنہوں نے خداوند اپنے خدا کو جو اُنکے باپ دادا کو ملک مصر سے نکال لایا ترک کیا اور غیر معبودوں کو تھام کر اُنکو سجدہ کرنے اور اُنکی پرستش کرنے لگے۔ اِسی لئے خداوند نے اُن پر یہ ساری مصیبت نازل کی۔

(تورات: سلاطین باب 9 آیت 1 تا 9)

آج کل اس بحث کا بڑا غلغلہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کی تولیت اور ارضِ فلسطین کی وراثت یہودیوں کو ملنی چاہیے۔ تورات کے یہ دو حوالے وضاحت سے بتا رہے ہیں کہ یہودیوں کے جرائم کے سبب یہ دونوں چیزیں ان سے ہمیشہ کے لیے چھن چکیں۔ جوانہیں دلوانا چاہے گا وہ بھی دھتکارا جائے گا۔

بداعمالی اور میراث سے محرومی

خداوند نے اُنکو رد کر دیا ہے۔

باب ۷

۱ یہ وہ کلام ہے جو خداوند کی طرف سے یرمیاہ پر نازل ہوا اور اُس نے فرمایا۔ ۲ تو خداوند کے گھر کے پھاٹک پر کھڑا ہو اور وہاں اِس کلام کا اِشتہار دے اور کہہ اَے یہوداہ کے سب لوگو جو خداوند کی عبادت کے لئے اِن پھاٹکوں سے داخل ہوتے ہو خداوند کا کلام سُنو۔ ۳ ربُّ الافواج اِسرائیل کا خدا یُوں فرماتا ہے کہ اپنی روشیں اور اپنے اعمال درست کرو تو میں تم کو اِس مکان میں بساؤں گا۔ ۴ جھوٹی باتوں پر بھروسا کرو اور یُوں نہ کہتے جاؤ کہ یہ ہے خداوند کی ہیکل۔ خداوند کی ہیکل۔ خداوند کی ہیکل۔ ۵ کیونکہ اگر تم اپنی روشیں اور اپنے اعمال سراسر درست کرو۔ اگر ہر آدمی اور اُسکے ہمسایہ میں پورا اِنصاف کرو۔ ۶ اگر پردیسی اور یتیم اور بیوہ پر ظلم نہ کرو اور اِس مکان میں بیگناہ کا خون نہ بہاؤ اور غیر معبودوں کی پیروی جس میں تمہارا نقصان ہے نہ کرو۔ ۷ تو میں تم کو اِس مکان میں اور اِس ملک میں بساؤں گا جو میں نے تمہارے باپ دادا کو قدیم سے ہمیشہ کے لئے دیا۔ ۸ دیکھو تم جھوٹی باتوں پر جو بے فائدہ ہیں بھروسا کرتے ہو۔ ۹ کیا تم چوری کرو گے۔ خون کرو گے۔ زناکاری کرو گے جھوٹی قسم کھاؤ گے اور بعل کے لئے بخور جلاؤ گے اور غیر معبودوں کی جنکو تم نہیں جانتے پیروی کرو گے۔ ۱۰ اور میرے حضور اِس گھر میں جو میرے نام سے کہلاتا ہے آ کر کھڑے ہو گے اور کہو گے کہ ہم نے خلاصی پائی تاکہ یہ سب نفرتی کام کرو؟ ۱۱ کیا یہ گھر جو میرے نام سے کہلاتا ہے تمہاری نظر میں ڈاکوؤں کا غار بن گیا؟ دیکھ خداوند فرماتا ہے میں نے خود یہ دیکھا ہے۔ ۱۲ پس اب میرے اُس مکان کو جاؤ جو سیلا میں تھا جس میں پہلے میں نے اپنے نام کو قائم کیا تھا اور دیکھو کہ میں نے اپنے لوگوں یعنی بنی اسرائیل کی شرارت کے سبب سے اُس سے کیا کیا۔ ۱۳ اور خداوند فرماتا ہے اب چونکہ تم نے یہ سب کام کئے اور میں نے بروقت تم کو کہا اور تاکید کی پر تم نے نہ سُنا اور میں نے تم کو بلایا پر تم نے جواب نہ دیا۔ ۱۴ اِسلئے میں اِس گھر سے جو میرے نام سے کہلاتا ہے جس پر تمہارا اِعتماد ہے اور اِس مکان سے جسے میں نے تم کو اور تمہارے باپ دادا کو دیا وہی کروں گا جو میں نے سیلا سے کیا ہے۔ ۱۵ اور میں تم کو اپنے حضور سے نکال دوں گا جس طرح تمہاری ساری برادری اِفرائیم کی کل نسل کو نکال دیا ہے۔

۱۶ پس تو اِن لوگوں کے لئے دُعا نہ کر اور اِنکے واسطے آواز بلند نہ کر اور مجھ سے منت اور شفاعت نہ کر کیونکہ میں تیری نہ سنوں گا۔ ۱۷ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ یہوداہ کے شہروں میں اور یروشلیم کے کوچوں میں کیا کرتے ہیں؟ ۱۸ بچے لکڑی جمع کرتے ہیں اور باپ آگ سلگاتے ہیں اور عورتیں آٹا گوندھتی ہیں تاکہ آسمان کی ملکہ کے لئے روٹیاں پکائیں اور غیر معبودوں کے لئے تپاون تپاکر مجھے غضبناک کریں۔ ۱۹ خداوند فرماتا ہے کیا وہ مجھ ہی کو غضبناک کرتے ہیں؟ کیا وہ اپنی ہی رسوائی کے لئے نہیں کرتے؟ ۲۰ اِسی واسطے خداوند خدا یُوں فرماتا ہے کہ دیکھ میرا قہر و غضب اِس مکان پر اور اِنسان اور حیوان اور میدان کے درختوں پر اور زمین کی پیداوار پر نازل کیا جائیگا اور وہ بھڑکیگا اور بجھیگا نہیں۔

۲۱ ربُّ الافواج اسرائیل کا خدا یُوں فرماتا ہے کہ اپنے ذبیحوں پر اپنی سوختنی قربانیاں بھی بڑھاؤ اور گوشت کھاؤ۔ ۲۲ کیونکہ جس وقت میں تمہارے باپ دادا کو ملک مصر سے نکال لایا اُنکو سوختنی قربانی اور ذبیحہ کی بابت کچھ نہیں کہا اور حکم نہیں دیا۔ ۲۳ بلکہ میں نے اُنکو یہ حکم دیا اور فرمایا کہ میری آواز کے شنوا ہو اور میں تمہارا خدا ہونگا اور تم میرے لوگ ہو گے اور جس راہ کی میں تم کو ہدایت کروں اُس پر چلو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ ۲۴ لیکن اُنہوں نے نہ سُنا نہ کان لگایا بلکہ اپنی مصلحتوں اور اپنے بُرے دل کی سختی پر چلے اور برگشتہ ہوئے اور آگے نہ بڑھے۔ ۲۵ جب سے تمہارے باپ دادا ملک مصر سے نکل آئے اب تک میں نے تمہارے پاس اپنے سب خادموں یعنی نبیوں کو بھیجا۔ میں نے اُنکو ہمیشہ بروقت بھیجا۔ ۲۶ لیکن اُنہوں نے میری نہ سُنی اور کان نہ لگایا بلکہ اپنی گردن سخت کی۔ اُنہوں نے اپنے باپ دادا سے

تورات کی چند آیات جن سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو ان کی بداعمالیوں کے سبب بطور عذاب یروشلم سے نکالا گیا اور یہ وراثت ان سے سلب کرلی گئی۔ واضح رہے کہ یہ گناہ یہودی آج پہلے سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔

ہولناک واپسی

اِسلئے خُداوند یُوں فرماتا ہے کہ تُو ماتم والے گھر میں داخل نہ ہو اور نہ اُن پر رونے کے لئے جا نہ اُن پر ماتم کر کیونکہ خُداوند فرماتا ہے مَیں نے اپنی سلامتی اور شفقت و رحمت کو اِن لوگوں پر سے اُٹھا لیا ہے۔ اور اِس مُلک کے چھوٹے بڑے سب مر جائینگے۔ نہ وہ دفن کئے جائینگے نہ لوگ اُن پر ماتم کرینگے اور نہ کوئی اُنکے لئے زخمی ہوگا نہ سر مُنڈائیگا۔ نہ لوگ ماتم کرنے والوں کو کھانا کھلائینگے تاکہ اُنکو مُردوں کی بابت تسلی دیں اور نہ اُنکو دلداری کا پیالہ دینگے کہ وہ اپنے ماں باپ کے غم میں پئیں۔ اور تُو ضیافت والے گھر میں داخل نہ ہو تاکہ اُنکے ساتھ بیٹھکر کھائے پئے۔ کیونکہ ربُّ الافواج اِسرائیل کا خُدا یُوں فرماتا ہے کہ دیکھ مَیں اِس جگہ سے تُمہارے دیکھتے ہوئے اور تُمہارے ہی دِنوں میں خوشی اور شادمانی کی آواز دُلہے اور دُلہن کی آواز موقوف کرونگا۔ اور جب تُو یہ سب باتیں اِن لوگوں پر ظاہر کرے اور وہ تجھ سے پُوچھیں کہ خُداوند نے کیوں یہ سب بُری باتیں ہمارے خلاف کہیں؟ ہم نے خُداوند اپنے خُدا کے خلاف کونسی بدی اور کونسا گناہ کیا ہے؟ تب تُو اُن سے کہنا خُداوند فرماتا ہے اِسلئے کہ تُمہارے باپ دادا نے مجھے چھوڑ دیا اور غیر معبودوں کے طالب ہوئے اور اُنکی عبادت اور پرستش کی اور مجھے ترک کیا اور میری شریعت پر عمل نہیں کیا۔ اور تُم نے اپنے باپ دادا سے بڑھکر بدی کی کیونکہ دیکھو تُم میں سے ہر ایک اپنے بُرے دل کی سختی کی پیروی کرتا ہے کہ میری نہ سُنے۔ اِسلئے مَیں تُم کو اِس مُلک سے خارج کرکے ایسے مُلک میں آوارہ کرونگا جسے نہ تُم اور نہ تُمہارے باپ دادا جانتے تھے اور وہاں تُم رات دن غیر معبودوں کی عبادت کرو گے کیونکہ مَیں تُم پر رحم نہ کرونگا۔

لیکن دیکھ خُداوند فرماتا ہے وہ دِن آتے ہیں کہ لوگ کبھی نہ کہینگے کہ زندہ خُداوند کی قسم جو بنی اِسرائیل کو مُلک مصر سے نکال لایا۔ بلکہ زندہ خُداوند کی قسم جو بنی اِسرائیل کو شمال کی سرزمین سے اور اُن سب مملکتوں سے جہاں جہاں اُس نے اُنکو ہانک دیا تھا نکال لایا اور مَیں اُنکو پھر اُس مُلک میں لاؤنگا جو مَیں نے اُنکے باپ دادا کو دیا تھا۔ خُداوند فرماتا ہے دیکھ مَیں بہت سے ماہی گیروں کو بُلواؤنگا اور وہ اُنکو شکار کرینگے اور پھر مَیں بہت سے شکاریوں کو بُلواؤنگا اور وہ ہر پہاڑ سے اور ہر ٹیلے سے اور چٹانوں کے شگافوں سے اُنکو پکڑ نکالینگے۔ کیونکہ میری آنکھیں اُنکی سب روشوں پر لگی ہیں۔ وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں اور اُنکی بدکرداری میری آنکھوں سے چھپی نہیں۔ اور مَیں پہلے اُنکی بدکرداری اور خطاکاری کی دونی سزا دونگا کیونکہ اُنہوں نے میری سرزمین کو اپنی مکروہ چیزوں کی لاشوں سے ناپاک کیا اور میری میراث کو اپنی مکروہات سے بھر دیا ہے۔ اَے خُداوند میری قوت اور میرے گڑھ اور مصیبت کے دِن میں میری پناہ گاہ! دُنیا کے کناروں سے قومیں تیرے پاس آکر کہینگی کہ فی الحقیقت ہمارے باپ دادا نے محض جھوٹ کی میراث حاصل کی یعنی بطالت اور بے سود چیزیں۔ کیا اِنسان اپنے لئے معبود بنائے جو خُدا نہیں ہیں؟ اِسلئے دیکھ مَیں اِس مرتبہ اُنکو آگاہ کرونگا۔ مَیں اپنا ہاتھ اور اپنا زور اُنکو دِکھاؤنگا اور وہ جانینگے کہ میرا نام یہوواہ ہے۔

تورات کی سورت یرمیاہ کی چند آیتیں جن سے پتا چلتا ہے کہ آج کل فلسطین میں یہودیوں کا اجتماع ان کو آخری سزا دینے کے لیے ہوا ہے۔

۱۵ اِسلئے کہ ہم خداوند کے گنہگار ہیں۔ سلامتی کا اِنتظار تھا پر کچھ فائدہ نہ ہُؤا اور شِفا کے وقت کا پر دیکھو دہشت! ۱۶ اُسکے گھوڑوں کے خرّاٹے کی آواز دان سے سُنائی دیتی ہے۔ اُسکے جنگی گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سے تمام زمین کانپ گئی کیونکہ وہ آ پہنچے ہیں اور زمین کو اور سب کچھ جو اُس میں ہے اور شہر کو بھی اُسکے باشندوں سمیت کھا جائینگے۔ ۱۷ کیونکہ خداوند فرماتا ہے دیکھو میں تمہارے درمیان سانپ اور افعی بھیجونگا جن پر منتر کارگر نہ ہوگا اور وہ تمکو کاٹینگے۔ ۱۸ کاش کہ میں غم سے تسلّی پاتا! میرا دِل مجھ میں سُست ہو گیا۔ ۱۹ دیکھ میری بنتِ قوم کے نالہ کی آواز دُور کے ملک سے آتی ہے۔ کیا خداوند صیُّون میں نہیں؟ کیا اُسکا بادشاہ اُس میں نہیں؟ اُنہوں نے کیوں اپنی تراشی ہوئی مورتوں سے اور بیگانہ معبودوں سے مجھکو غضبناک کیا؟ ۲۰ فصل کاٹنے کا وقت گذرا۔ گرمی کے ایّام تمام ہوئے اور ہم نے رہائی نہیں پائی۔ ۲۱ اپنی بنتِ قوم کی شکستگی کے سبب سے میں شکستہ حال ہُؤا۔ میں ماتم کرتا رہتا ہوں۔ حیرت نے مجھے دبا لیا۔ ۲۲ کیا جلعاد میں روغنِ بلسان نہیں ہے؟ کیا وہاں کوئی طبیب نہیں؟ میری بنتِ قوم کیوں شفا نہیں پاتی؟

باب ۹

کاش کہ میرا سر پانی ہوتا اور میری آنکھیں آنسوؤں کا چشمہ تاکہ میں اپنی بنتِ قوم کے مقتولوں پر شب و روز ماتم کرتا! ۲ کاش کہ میرے لئے بیابان میں مسافر خانہ ہوتا تاکہ میں اپنی قوم کو چھوڑ دیتا اور اُن میں سے نکل جاتا! کیونکہ وہ سب بدکار اور دغاباز جماعت ہیں۔ ۳ وہ اپنی زبان کو ناراستی کی کمان بناتے ہیں۔ وہ ملک میں زور آور ہو گئے ہیں لیکن راستی کے لئے نہیں کیونکہ وہ بُرائی سے بُرائی تک بڑھتے جاتے ہیں اور مجھکو نہیں جانتے خداوند فرماتا ہے۔ ۴ ہر ایک اپنے ہمسایہ سے ہوشیار رہے اور تم کسی بھائی پر اعتماد نہ کرو کیونکہ ہر ایک بھائی دغابازی سے دوسرے کی جگہ لیگا اور ہر ایک ہمسایہ غیبت کرتا پھریگا۔ ۵ اور ہر ایک اپنے ہمسایہ کو فریب دیگا اور سچ نہ بولیگا۔ اُنہوں نے اپنی زبان کو جھوٹ بولنا سکھایا ہے اور بدکرداری میں جانفشانی کرتے ہیں۔ ۶ تیرا مسکن فریب کے درمیان ہے۔ خداوند فرماتا ہے فریب ہی سے وہ مجھکو جاننے سے اِنکار کرتے ہیں۔ ۷ اِسلئے ربُّ الافواج یُوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں اُنکو گلاؤنگا اور اُنکو آزماؤنگا کیونکہ اپنی بنتِ قوم سے اَور کیا کروں؟ ۸ اُنکی زبان مہلک تیر ہے۔ اُس سے دغا کی باتیں نکلتی ہیں۔ اپنے ہمسایہ کو مُنہ سے تو سلام کہتے ہیں پر باطن میں اُسکی گھات میں بیٹھتے ہیں۔ ۹ خداوند فرماتا ہے کیا میں اِن باتوں کے لئے اُنکو سزا نہ دونگا؟ کیا میری رُوح ایسی قوم سے اِنتقام نہ لیگی؟

۱۰ میں پہاڑوں کے لئے گریہ و زاری اور بیابان کی چراگاہوں کے لئے نوحہ کرونگا کیونکہ وہ یہاں تک جل گئیں کہ کوئی اُن میں قدم نہیں رکھتا۔ چوپایوں کی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ ہوا کے پرندے اور مویشی بھاگ گئے۔ وہ چلے گئے۔ ۱۱ میں یروشلیم کو کھنڈر اور گیدڑوں کا مسکن بناؤنگا اور یہوداہ کے شہروں کو ایسا ویران کرونگا کہ کوئی باشندہ نہ رہیگا۔ ۱۲ صاحبِ حکمت آدمی کون ہے کہ اِسے سمجھے؟ اور وہ جس سے خداوند کے مُنہ نے فرمایا کہ اِس بات کا اعلان کرے؟ کہ یہ سرزمین کس لئے ویران ہوئی اور بیابان کی مانند جل گئی کہ کوئی اِس میں قدم نہیں رکھتا؟ ۱۳ اور خداوند فرماتا ہے اِسلئے کہ اُنہوں نے میری شریعت کو جو میں نے اُنکے آگے رکھی تھی ترک کر دیا اور میری آواز کو نہ سُنا اور اُسکے مطابق نہ چلے۔ ۱۴ بلکہ اُنہوں نے اپنے ہٹیلے دِلوں کی اور بعلیم کی پیروی کی جسکی اُنکے باپ دادا نے اُنکو تعلیم دی تھی۔ ۱۵ اِسلئے ربُّ الافواج اسرائیل کا خدا یُوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں اُنکو ہاں اِن لوگوں کو ناگدونا کھلاؤنگا اور اِندرائن کا پانی پلاؤنگا۔ ۱۶ اور اُنکو اُن قوموں میں جنکو نہ یہ نہ اُنکے باپ دادا جانتے تھے تِتّر بِتّر کرونگا اور تلوار اُنکے پیچھے بھیجکر اُنکو نابود کر ڈالونگا۔ ۱۷ ربُّ الافواج یُوں فرماتا ہے کہ سوچو اور ماتم کرنے

...ت کا ایک اقتباس جس سے اسرائیل کی موجودہ کارستانیوں کے متعلق پیش گوئی ملتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودی چاہے کتنا بھی ظلم ڈھالیں، یہ خدا کی گرفت سے بالآخر نہ بچ سکیں گے۔

اللہ ہر اس شخص سے بدلہ لے گا....

"اے اہل عرب! کیا تم ان حالات سے بے خبر ہو جن سے تم دوچار ہو؟ میں ایک معمر اور کمزور آدمی ہوں۔ میرے بے جان ہاتھ قلم اور اسلحہ اٹھانے سے عاجز ہیں ۔۔۔ نہ ہی میں کوئی ولولہ انگیز اور شعلہ نوا خطیب ہوں کہ اپنی آواز سے دنیا کو ہلا دوں ۔۔۔ بس حالات، واقعات اور لوگوں کے متنبہ کرنے کی وجہ سے کچھ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں، میرے بال سفید اور سفینۂ عمر ساحل زندگی کو چھو رہا ہے، میں بیمار ہوں، آزمائشوں اور تکلیفوں کی وجہ سے کچھ کرنے کے قابل بھی نہیں رہا البتہ اہل عرب کی روحانی اور نفسانی کمزوریوں کا نظارہ دیکھتے ہوئے چند سطور پیش خدمت کر رہا ہوں۔

اے اہل عرب! کیا یہ بات حق پر مبنی نہیں ہے کہ تم اپنی روحانی کمزوریوں کی بناء پر عالم خاموشی میں ہلاکت کی وادی کے کنارے پر کھڑے ہوئے ہو ۔۔۔ کیا ہمارے رقت آمیز حالات و واقعات سن کر تمہارے دلوں کے اندر کوئی انقلاب برپا نہیں ہوتا۔

آخر ایسی قوم نظر کیوں نہیں آتی جو رب العزت اور امت (مسلمہ) کے لیے غضبناک ہو ۔۔۔ میں آئے ۔۔۔ آخر! ایسی قوم نظر کیوں نہیں آتی جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر حملہ آور ہو جائے ۔۔۔ (جنہوں نے ہمارے اوپر ظلم کا جال ڈال رکھا ہے ۔۔۔ جنہوں نے ہمیں دین کے دفاع کرنے والے معزز اور مظلوم لوگوں کی بجائے قاتل، مجرم اور دہشت گرد بنا دیا ہے) یہ دشمنان اسلام، مسلمانوں کو تہس نہس اور ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا یہ امت مسلمہ اپنے سے شرمندہ نہیں ۔۔۔ ان حالات میں ۔۔۔ کہ جس نے اپنی عزت اور شرف کی مانند ان کو محروم کیا ہوا ہے ۔۔۔ کیا اس امت کی حکومتیں شرمندہ نہیں ہوتیں ۔۔۔ اس حال میں ۔۔۔ کہ وہ صیہونی مجرموں اور عالمی برادری سے آنکھیں چرا رہی ہیں ۔۔۔ یہ حکومتیں ہمارے اوپر نگاہ کرم کیے بغیر ہمارے آنسوں پونچھے بغیر ۔۔۔ یہ جانتے نہیں حالانکہ یہ حکومتیں ہمارے ہی کندھوں پر سوار ہو کر اقتدار کے مقام پر پہنچی ہیں ۔۔۔

کیا اس قوم کی تنظیمیں، افواج، پارٹیاں، ادارے اور افراد اللہ رب العزت کی خاطر غصے میں نہیں آتے تاکہ وہ تمام کے تمام لشکروں کی صورت میں فریاد کرتے ہوئے نکلیں کہ یا اللہ ۔۔۔ ہماری کمیوں اور کوتاہیوں کی تلافی فرما ۔۔۔ ہماری بے بسی و بے کسی پر رحم فرما ۔۔۔ اور اپنے مومن بندوں کی مدد فرما ۔۔۔ کیا تمہارے پاس اتنی بھی ہمت نہیں ہے کہ تم ہمارے لیے دعا ہی کر سکو ۔۔۔

عنقریب تم سنو گے کہ ہمارے اور صیہونیوں کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت ہم میدانوں میں ڈٹے ہوں گے ۔۔۔ ہماری پیشانیوں پر یہ تحریر ہو گی کہ ہم نے میدان جنگ میں آگے بڑھتے ہوئے ثابت قدمی سے جان دے دی ہے اور میدان کارزار سے پیچھے نہیں ہٹے۔

ہمارے ساتھ ہمارے بچے، اور مرد، بوڑھے اور جوانوں نے بھی جان دی ہے جنہیں ہم نے اپنی مدہوش اور نادان امت کو جگانے کے لیے چنگاری کے طور پر استعمال کیا ہے۔ (اے اہل اسلام) ہم سے ہتھیار ڈالنے یا سفید جھنڈے لے کر امن کی تلاش میں نکلنے کی توقع نہ رکھو اس لیے کہ ہمیں علم ہے کہ امن کا راستہ اختیار کرنے کا انجام موت ہی ہے۔ لہٰذا ہمیں چھوڑ دو کہ ہم اپنا ... کے ساتھ مر جائیں ۔۔۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو ہمارے ساتھ مل جائیے جس طرح بھی آپ کے لیے ممکن ہو ۔۔۔ کیونکہ ہمارا اتحاد ... ہر ایک پر فرض ہے ۔۔۔ اور تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم ہمیں مرتا ہوا دیکھو اور ہماری حالت زار پر رحم و افسوس کا اظہار کرو۔ البتہ ہماری تسلی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ رب العزت ہر اس شخص سے بدلہ لے گا جس نے اپنے ذمہ کی امانت کو ادا کرنے میں کوتاہی اور سستی کا مظاہرہ کیا۔

اور ہم آپ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے مخالف نہیں بنیں گے ۔۔۔ تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اے ہماری امت کے حکمرانو اور اے امت کے لوگو! کہیں ہمارے مخالف نہ بن جانا۔ اے اللہ ہم تجھ ہی سے فریاد کرتے ہیں ۔۔۔ اے اللہ ہم تجھ ہی سے فریاد کرتے ہیں ۔۔۔ اے اللہ ہم تجھ ہی سے فریاد کرتے ہیں ۔۔۔ ہم اپنی کمزوری، بے بسی، وسائل کی عدم دستیابی اور لوگوں کے ہاں اپنی بے قدری کی فریاد تجھ ہی سے کرتے ہیں ۔۔۔ تو کمزوروں کا رب ہے ۔۔۔ اور تو ہمارا بھی رب ہے ۔۔۔ پروردگار تو ہمیں کس کے سپرد کر رہا ہے ۔۔۔ کسی ایسے غیر کی طرف (سپرد کر رہا ہے) جو ہم پر ظلم و زیادتی کرے اور ہمارے حقوق پر ڈاکہ ڈالے ۔۔۔ یا کسی ایسے دشمن کی طرف جسے تو نے ہماری قسمت کا مالک بنایا ہے۔ اے اللہ! ہم تیری طرف فریاد کرتے ہیں۔ اس خون کی جسے بہایا گیا ہے ۔۔۔ ان عزتوں کی جنہیں پامال کیا گیا ہے ۔۔۔ ان مسجدوں کی جنہیں تار تار کیا گیا ہے ۔۔۔ ان بچوں کی جنہیں یتیم کیا گیا ہے ۔۔۔ ان عورتوں کی جنہیں بیوہ بنایا گیا ہے ۔۔۔ ان ماؤں کی جن کے بیٹوں کو ان سے جدا کیا گیا ہے ۔۔۔ ان گھروں کی جنہیں گرایا گیا ہے ۔۔۔ ان باغات کی جنہیں نیست و نابود کیا گیا ہے ۔۔۔ ان اندرونی اختلافات کی جو ہمارے درمیان ہمیشہ سے موجود ہیں۔ اے اللہ! تجھ ہی سے فریاد کرتے ہیں اپنی قوم کی بے بسی کے بارے میں ۔۔۔ اور آس پاس کی امت مسلمہ کی کمزوری کے بارے میں ۔۔۔ اور اپنے دشمنوں کے غلبے کے بارے میں۔

(بشکریہ مجلہ المجتمع۔ کویت)

حماس کے شہید رہنما شیخ احمد یاسین کا شہادت سے قبل مسلم حکمرانوں کے نام خط جس کا ہر لفظ ایمان واخلاص کی علامت اور جس کا ہر حرف خون کے آنسو رلاتا ہے۔

اِسرائیل کا مطلب کیا؟
ہیکل سلیمانی بجائے مسجدِ اقصیٰ

عالمی یہودی تنظیمیں کیا چاہتی ہیں؟ اور اسرائیل کو تسلیم کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ان دو سوالوں کا جواب ان دو تصویروں سے مل رہا ہے۔ اسرائیل عالمی یہودی تنظیموں کی مدد سے بیت المقدس کی جگہ ہیکل سلیمانی قائم کرنے کیلئے بیتاب اور بے چین ہے۔ اسرائیل کو تسلیم کرنا اس ناپاک منصوبے میں یہودیوں کا تعاون کرنے کے مترادف ہے۔ اس موقع پر فلسطینی بھائیوں کو تنہا چھوڑنا ایمانی غیرت کے خلاف ہے اور یہودی تنظیموں کی سازش کو سمجھنا اور ان کا توڑ کرنا تمام اہل اسلام کا فرض ہے۔

السعید